

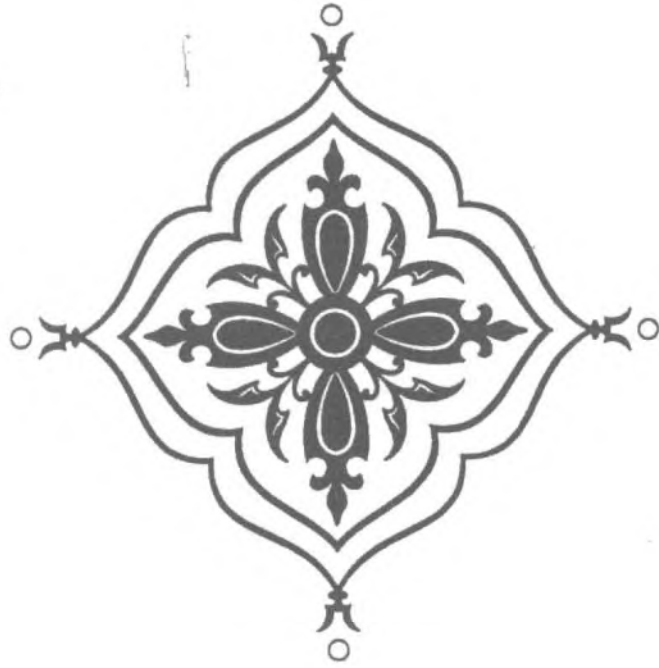


## امام ابو حنيفة رحمہ اللہ اور امام اوزاعی کے درمیان مناظرہ رفع الیدین کی اصل حقیقت

شیخ الموفق بن احمد المکی نے اپنی کتاب ”مناقب امام ابو حنیفہ“ کی جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۳۰ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام اوزاعی کے مابین ایک مناظرہ رفع الیدین کے متعلق نقل کیا ہے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے روایتاً و درایتاً ثابت کیا ہے کہ یہ مناظرہ جھوٹ اور من گھڑت ہے اور اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔

(الازہری)





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

من مسند ابي حنيفة لا بن يعقوب قال حدثنا محمد بن زياد الرازي اخبرنا سليمان بن الشاذ كوني قال سمعت سفيان بن عيينه يقول اجتمع ابو حنيفة والاوزاعي في دار الحناطين بمكة فقال الاوزاعي لا بي حنيفة ما بالكم لا ترفعون ايديكم في الصلاة عن الركوع وعند الرفع منه فقال ابو حنيفة لا جل انه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة وعند الركوع وعند الرفع منه فقال له ابو حنيفة حدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والا سود عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند افتتاح الصلوة ولا يعود لشيء من ذلك-

فقال الاوزاعي احدثك عن الزهري عن سالم عن ابيه عن النبي صلى الله عليه وسلم وتقول لي حدثني حماد عن ابراهيم فقال ابو حنيفة كان حماد بن ابي سليمان افقه من الزهري وكان و ابراهيم افقه من سالم وعلقمة ليس بدون ابن عمر في الفقه وان كانت لا بن عمر صحبة وله فضل الصحبة والاسود له فضل كثير وعبد الله عبدالله فسكت الاوزاعي -

سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی شہر مکہ میں دارالحناطین میں اکٹھے ہوئے تو اوزاعی نے ابوحنیفہ سے کہا کہ تم لوگ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ ابوحنیفہ نے کہا اس لئے کہ آپ ﷺ سے رفع یدین تکبیر تحریمہ اور رکوع میں جاتے اور لوٹتے ثابت نہیں ہے۔

ابوحنیفہ نے کہا کہ حماد نے ابراہیم سے ابراہیم نے علقمہ اور اسود سے اور انہوں نے ابن مسعود سے روایت کی ہے آپ ﷺ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور پھر کسی بھی فعل نماز میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ اوزاعی بولے کہ میں آپ کو زہری سے وہ سالم سے اور وہ اپنے والد ابن عمر سے وہ اللہ کہ نبی سے بتا رہا ہے اور آپ حماد سے اور وہ ابراہیم سے اسی والی بات کرتے ہیں تو ان سے ابوحنیفہ نے کہا کہ حماد بن ابی سلیمان زہری سے فقہ میں بڑھ کر تھے اور ابراہیم سالم سے فقہ میں زیادہ تھے اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں اگرچہ ابن عمر صحابی ہیں اور فضیلت صحبت انہیں حاصل ہے اور اسود بھی بڑی فضیلت والے تھے باقی عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہیں۔ یہ سن کر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

قال المؤلف: ..... هذا الاسناد لا يفيد لهم إلا الهبوط كما تراهفى غاية السقوط فانه جامع لسبعة بلايا .

احدها: ..... ابو الفرج سعيد بن ابى الرجاء وهو مجهول لم نقف على ترجمة .

فان قلت: ..... كيف تطلقون الجهالة على من لا تقفون على ترجمته .

قلنا: ..... الجواب عن هذا باربعة وجوه .

اولاً: ..... فان الله سبحانه تعالى لم يُكَلِّفْنَا بان نأخذ ديننا عمن لا نعرفه بل وقال

سبحانه وتعالى ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾

ثانياً: ..... فلان انه القاضى اذا وقف فى قبول شهادة من لا يعرفه فى فأولى بنا ان

موقف فى مثل هذا الامر العظيم فلان يحتمل ان يكون ذلك الرجل ممن يرغب فى

الرواية عنه فكيف نعتمد عليه والله تعالى دُر القائل

فان كنت لا تدرى فتلك مصيبة

وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

فان كثيرا من الاحناف قدا اطلقوا الجهالة على من لم يقفوا على ترجمته كالحافظ

الزيلعى . فى نصب الراية والفاضل عبد الحئى اللكهنوى فى تصانينه وغيرها فاذا

جاز لهم ذلك فجاز لنا .....

ثالثاً: ..... شيخه ابو الحسين احمد بن محمد الاسكاف وهو ايضاً مجهول لم نر من

ترجم له .

شيخ الشيخ الاسكاف ابو محمد الحارثى اسمه عبدالله بن محمد بن يعقوب

الحارثى البخارى السبذمونى وهو وضاع متكلم فيه فقد قال ابو سعيد الرواس يتهم

بوضع الحديث وقال احمد السليمانى كان يضع هذا الاسناد على هذا المتن ،

وهذا المتن على هذا الاسناد وهذا ضرب من الوضع ، وقال ابو زرعة احمد بن

الحسين الرازى ضعيف وقال الحاكم هو صاحب عجائب رافراد عن الثقات .

وقال الخليلى هو لئن ضعفوه حدثنا عنه ملاحمى واحمد بن محمد البصير

بعجائب وكان يدلس قال الخطيب لا يحتج به كان صاحب عجائب و مناكير

وغرائب وليس بموضع الحجة كذا فى لسان الميزان للحافظ ابن حجر

العسقلانى .

راقم کہتا ہے: یہ سند نہیں تباہی کے سوا کیا دے سکتی ہے کیونکہ یہ جیسا کہ تم دیکھو گے انتہائی گری پڑی سند ہے جو کہ سات افات پر مشتمل ہے۔

پہلی افات: ..... ابو الفرج سعید بن ابی الرجاء مجہول ہے ہمیں اس کے حالات زندگی نہیں ملے۔ پس اگر تم اعتراض کرو: جس کے حالات زندگی تمہیں نہیں مل سکے اس کے مجہول ہونے کا حکم کیسے لگا سکتے ہو۔

ہمارا جواب ہوگا: چار وجوہات کی بنا پر!

اول: ..... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا کہ ہم کسی ایسے شخص سے دین اخذ کریں جسے ہم جانتے ہی نہیں بلکہ اللہ کا فرمان ہے کہ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ اور اس چیز کے پیچھے نہ ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

دوم: ..... یہ کہ اگر قاضی دو پانسوں میں انجان آدمی کی گواہی کے بارے میں توقف کر سکتا ہے تو پھر اس جیسے عظیم معاملے میں ہمارے لائق یہ ہی ہے کہ رک جائیں کیونکہ (سوم) ہو سکتا ہے کہ وہ مجہول الحال شخص روایت حدیث میں معتبر نہ ہو۔ اور کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ:

فان كنت لا تدري فتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

”پس اگر تم نہیں جانتے تو یہ ایک افات ہے اور اگر جانتے ہو تو افات اور بھی بڑی ہے“

چہارم: ..... بہت سے حنفی علماء بھی مجہول ہونے کا حکم لگا دیا کرتے ہیں ایسے راویوں پر جن کے حالات پر مطلع نہیں ہوتے جیسا کہ حافظ زیلیعی نصب الراہیہ میں اور علامہ لکھنوی اپنی مختلف تصانیف میں اور اسی طرح دوسرے بھی تو جب یہ ان کے لیے روا ہے تو ہمارے لیے بھی جائز ہے۔

دوسری افات: ..... اس کا استاد ابو الحسن احمد بن محمد الاسکاف وہ بھی مجہول ہے ہم نے نہیں پایا کہ کسی نے اس کے حالات لکھے ہوں۔

تیسری افات: ..... اسکاف کے استاد ابو محمد الحارثی جس کا نام عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری ہے یہ راوی وضاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) مجروح راوی ہے ابو سعید المدراسی نے کہا کہ اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے (یتھم بوضع الحدیث) احمد السلیمانی نے کہا کہ اس سند کو اس متن پر اور اس متن کو اس سند پر فٹ کر دیتا تھا (اور یہ روایات گھڑنے کی ایک قسم ہے) ابو زرعة احمد ابن الحسین الرازی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ حاکم کا کہنا ہے کہ آل جناب ثقہ راویوں سے عجیب و غریب منفرد روایات بیان کرتے ہیں۔

قال المؤلف :..... وذكر المترجم ابن الجوزي في الضعفاء وذكره السمعاني في كتاب الانساب في باب السبذ موني . وقال كان شيخاً كثيراً من الحديث غير انه كان ضعيفاً في الرواية غير موثقاً به . ( ١هـ )

وقال الحافظ ابن منده . وهو تلميذ المترجم كان غير ثقه وله مناكير كذا في الجواهر المضية لابي محمد عبدالقادر القرشي الحنفي وقال الشيخ عبدالوهاب المدراسي في كشف الاحوال والسيوطي في ذيل اللائي . قال في الميزان متهم بوضع الحديث ، وقال في المغني ياتي بعجائب واهية . ( ١هـ )

وذكره الفاضل عبدالحي اللكهنوي في الفوائد البهية في تراجم الحنفية وذكر عن جماعة - وهم الذين قد منا ذكرهم - تضعيفه واقرهم على ذلك وقال في امام الكلام ، واما ما ذكر عبدالله بن يعقوب السبذ موني يعنى المترجم في كشف الاسرار أن عشرة من الصحابة كانوا يتهون عن القراءة ..... فليس بمستند بسند مع كون السبذ موني مجروحاً عند المحدثين وان كان معدوداً في فقهاء الدين . ( ١هـ )  
وذكر الامام ابن العجمي في كتاب الكشف الحثيث عن رمى بوضع الحديث .

ورابعها:..... ان الاسناد هذا مع كونه كما عرفت مدلس كما عرفت من كلام الخليلي الذي ذكرناه انفا نقلاً عن اللسان .

فان قلت :..... قد صرح ههنا السبذ موني بالسماع فقال انبا محمد بن ابراهيم فاندفعت تهمت التدليس وبالله تعالى التوفيق .

الجواب :..... عن هذا بوجهين . أولاً :..... فان قوله انبا لا يستلزم التصريح بسماعه منه وانما يستلزمه لفظ حدثنا ” واخبرنا ” ” وانبانا ” ” وسمعنا ” وغير ذلك مما يدل على نسبة التحديث والايخبار الى من يروي عن شيخه بخلاف لفظ ” حدث ” ” واخبر ” ” انبا ” فانه لا يدري من الذي حدثها واخبره او انباه .

ثانياً :..... فان سلمنا ان السبذ موني قد صرح ههنا بسماعه من شيخه وان لم يكن كذلك لكن لا يفيد ذلك شيئاً لان السبذ موني هذا مجروح من وجه آخر حاشا التدليس . وهو الوضع وتقليب الاسناد والامتن والاتيان بالعجائب والافراد عن الثقات كما عرفت .

خلیلی کہتے ہیں: ڈھیلا راوی ہے (لین) محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحی اور احمد بن محمد البصیر نے اس کی عجیب و غریب روایات ہمیں سنائیں اور تدلیس بھی کرتا تھا۔ خطیب نے کہا قابل حجت نہیں عجیب، منکر اور منفرد روایتیں لاتا ہے حجت کے قابل نہیں۔ یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر کی لسان المیزان میں ہیں۔

قال المؤلف: ..... ابن الجوزی نے حضرت صاحب کو الضعفاء میں درج کیا ہے اور سمعانی کتاب الانساب میں السبذ مونی کے باب میں کہتے ہیں کہ کان شیخا مکشرا من الحدیث (استاد اور کثرت سے روایت کرنے والا تھا) مگر روایت میں ضعیف تھا قابل اعتبار نہ تھا (غیر موثق بہ) حافظ ابن مندہ جو کہ ان صاحب حارثی کے شاگرد ہیں وہ فرماتے ہیں کان غیر ثقہ ولہ منا کیر (غیر معتبر تھے اور ان کی روایات منکر ہیں) یہ اقوال الجواہر المصنیه ابو محمد عبدالقادر القرشی الحنفی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب المدراسی کشف الاحوال اور سیوطی ذیل اللائی میں کہتے ہیں کہ ذہبی نے میزان میں کہا کہ اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے اور معنی میں لکھا کہ عجیب و اہیات روایتیں لاتا ہے۔ فاضل عبداللحی لکھنوی نے الفوائد السمیہ فی تراجم الحنفیہ میں مذکورہ بالا حضرات سے اس راوی کی تضعیف نقل کی ہے اور ان کی بات کا اقرار کیا ہے اور امام الکلام میں کہا کہ وہ جو عبداللہ بن یعقوب السبذ مونی نے کشف الاسرار میں نقل کیا ہے کہ دس صحابہ قرأت سے منع کرتے تھے وہ کسی سند سے منقول نہیں ہے مزید یہ کہ سبذ مونی (حارثی بخاری) فقہاء دین میں سے ہونے کے باوجود محدثین کے نزدیک مجروح راوی ہے۔ امام ابن العجمی نے الکشف الحثیث عن رمی بو ضع الحدیث میں اسے درج کیا ہے (ایک سرلیج تحقیق ان راویوں کی جن پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے)

چوتھی اہم افت: ..... محترم الحارثی یہ سب کچھ جو ابھی بیان ہوا اس کے ساتھ ساتھ مدلس بھی ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی خلیلی کا قول لسان المیزان سے نقل کیا۔ پس اگر کوئی کہے کہ سبذ مونی نے یہاں پر سماع کی تصریح کی ہے اور کہا کہ انبا محمد بن ابراہیم لہذا تہمت تدلیس دفع ہوگئی۔ اللہ کی توفیق سے اس بات کا جواب دو شقوں سے ہے۔

اول: ..... یہ کہ اس کا قول انبا سماع کی تصریح کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حدیث، خبرنا، انبانا، سمعنا اور اس طرح کے الفاظ ہوں جو کہ اس شیخ راوی سے سماع اور اس کی تحدیث پر دلالت کرتے ہوں بخلاف حدیث، خبرنا اور انبا وغیرہ الفاظ کے کیونکہ ان الفاظ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس شیخ (استاد) نے وہ حدیث کس کو سنائی؟

ثانیاً: ..... یہ کہ بالفرض مان لیا کہ استاد نے سماع کی تصریح کر دی ہے اپنے شیخ سے اگرچہ ایسا نہیں ہے پھر



ومن المعلوم ان تدليس المجروح من وجه آخر لا يقبل اصلاً ولو صرح بالسمع فقد قال الحافظ ابن حجر العسقلاني في طبقات المدلسين وهم يعنى المدلسن على خمس مراتب فذكر الرابع ثم قال الخامسة من ضعف بامر آخر سوى المدليس فحديثهم مردود ولو صرحوا بالسمع الذين يوثق من كان ضعفه يسيراً كما بن لهيعة . ( ١هـ )

وقد عرفت من كلامنا ان الجرح الواقع فى الاسناد المترجم له فى غاية الشدة فتدليسه فى غاية الرد فافهم .-

وخامس: ..... شيخ الاستاذ محمد بن ابراهيم الرازى وهو الطيالسى الجوال متروك متهم بالوضع فقد قال الدار قطنى الذى عدّه الذهبى من المعتدلين واقره على ذلك السخاوى فى فتح المغيث والفاضل عبدالحى اللكهنوى فى الرفع والتكميل " متروك " قال مرة دجال يضع الحديث وضعه ابو احمد الحاكم وقال لو اقتصر على سماعه وقال الصغار توهمت ان الناس لا يحملون حديثه لضعفه وقال شيرويه تكلموا فيه وقال ابو حازم العبدى حدث عن شيوخ لم يدركهم . قال البرقانى بئس الرجل واتهمه الخطيب بوضع الحديث وسرقته كذا فى اللسان .  
سَادِسَهَا: ..... انه قد عرفت من كلام ابى حازم العبدى ان محمد بن ابراهيم هذا قد حدث عن شيوخ لم يدركهم وعلى ذلك فهذا السند مع سقوطه عن حد الاحتجاج بوجوه كثيرة يحتمل الانقطاع و من المعلوم ان الخبر المنقطع مردود باتفاق اصحاب الاصول

وسابعها: ..... سليمان بن الشاذ كونى اسم والده دا ودوهو كذاب مشهور فقد كذبه امام هذا الشأن يحيى بن معين وقال مرة: فى حديث ذكره عن المترجم يضع الحديث وقال كان يضع الاسانيد فى الوقت . وقال صالح جزرة: ما رأيت احفظ منه وكان يكذب فى الحديث . فقال البغوى: رماه الاثمه بالكذب . فقال الامام احمد بن حنبل: محصله - فما ليس احد اكذب منه وسماه عبدالرزاق: عدو الله الكذاب الخبيث فقال: عبدالمؤمن بن خلف النسفى: سالت جزرة: اسمه صالح بن محمد كان اما ما فى هذا الشأن بما وراء النهر عنه فقال: ما رأيت احفظ منه فقلت باى شى كان متهماً فقال بالكذب وكان يرمى يعنى بالغلام .

بھی اس سے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ آں جناب پر تدلیس کے علاوہ بھی جرح موجود ہے اور وہ یہ کہ روایات گھڑنا اور سندیں بدلنا اور متن تبدیل کرنا اور ثقہ راویوں سے عجیب و غریب منفرد روایتیں نقل کرنا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں اور یہ بات اصول حدیث میں تسلیم شدہ ہے کہ جس پر تدلیس کے علاوہ بھی جرح موجود ہو اس کی روایت قطعاً قابل قبول نہیں ہے اگرچہ سماع کی تصریح بھی کر دے۔ حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں پانچ طبقات بیان کرتے ہوئے پانچویں طبقے کے متعلق کہتے ہیں الخامسة من ضعف بوجه امر آخر سوی التدلیس فحدیثهم مردود ولو صرحوا بالسماع الا ان یوثق من کان ضعفه یسیرا کا بن لہیعة۔ پانچواں طبقہ جو کہ تدلیس کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھی ضعیف قرار دیا گیا ہو تو ان کی روایت مردود ہے سوائے یہ کہ اس کی توثیق ہو جائے جبکہ ضعف تھوڑا ہو جیسا کہ ابن لہیہ۔

قال المؤلف: اور آپ ہماری مذکورہ بالا گفتگو سے جان چکے ہیں کہ استاد محترم پر جرح انتہائی سخت

ہے لہذا ان کی تدلیس بھی آخری درجے میں مردود ہے۔

پانچویں آفت: استاد حارثی سبذ مونی کے استاد محمد بن ابراہیم الرازی جو کہ طیلسی اور جوآل بھی کہلاتے ہیں متروک راوی ہیں اور حدیث گھڑنے کا الزام ہے کہ ان کے بارے میں دارقطنی نے جنہیں ذہبی نے معتدلیں میں سے شمار کیا ہے اور سخاوی نے ذہبی کی اس بات کا فتح المغیث میں اقرار کیا ہے اور عبدالحی لکھنوی نے الرفع والکتمیل میں کہا کہ دارقطنی معتدل ہیں وہ دارقطنی اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں متروک ہے اور دوسرے مقام پر کہتے ہیں دجال یضع الحدیث بڑا ٹھگ ہے حدیث گھڑتا ہے۔ حاکم نے بھی اسی کے متعلق کہا کہ ضعیف راوی ہے کاش سننے پر ہی اکتفا کرتا (لواقصر علی سماعہ) صفار کہتے ہیں میرا خیال ہے اس کے ضعف کی وجہ سے لوگ اس کی روایتیں نہیں لیتے۔ شیرویہ نے کہا ”اس کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے“ تکلمو فیہ۔ ابو حازم نے کہا ان شیوخ سے روایت کرتا ہے جن کو اس نے پایا ہی نہیں۔ برقانی نے کہا بہت برا آدمی ہے اور خطیب نے اس پر حدیث گھڑنے اور چرانے کا الزام عائد کیا ہے۔ یہ تمام اقوال لسان المیزان میں ہیں۔

چھٹی آفت:..... ابو حازم العبیدی کے کلام سے آپ جان چکے ہیں کہ یہ محمد بن ابراہیم ان شیوخ سے روایتیں کرتے ہیں جن کو پایا ہی نہیں ایسی صورت میں یہ روایت کئی وجوہات سے ناقابل حجت ہونے کے ساتھ انقطاع کا بھی احتمال رکھتی ہے اور یہ بات اہل اصول کے نزدیک مسلمہ ہے کہ خبر منقطع مردود ہے ساتویں آفت:..... سلیمان بن الشاذ کونی ان کے والد کا نام داؤد ہے اور یہ مشہور کذاب (جھوٹے ہیں، اس فن کے امام یحییٰ بن معین نے انہیں جھوٹا قرار دیا ہے۔ ایک موقع پر اس کی روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ روایتیں گھڑتا تھا۔ مزید کہا کہ اسی وقت سندیں تیار کر لیتا تھا۔ صالح جزرة کہتے ہیں اس سے بڑھ کر تیز

وقال الامام البخارى : فيه نظر وقال النسائى " ليس بثقه " وقال ابو حاتم ليس

بشىء

متروك الحديث وترك حديثه ولم يحدث عنه .

وقال ابو احمد الحاكم : متروك الحديث وقال العجلي رجل سوء

ماجن كان يحفظ وبخه ابو اسامة على صحبة الغلام كذا فى اللسان . فان قلت :

قال عبدان الا هو اذى : معاذ الله ان يتهم انما كانت كتبه فذهبت فكان يحدث من حفظه ورجح قوله هذا ابن عدى - الذى عده الذهبى من المعتدلين واقره على ذلك السخاوى فى فتح المغيث والفاضل عبدالحى اللكهنوى فى الرفع والتكميل فكيف تتهمونه بالكذب ،

قلنا : ..... اما عبدان فليس له مقدار بالنسبة الى هو لاء النفاذ الجياد واما ابن عدى فهو وان كان من المعتدلين لكن خالفه الامام احمد وهو ايضا قد عده هولاء الثلاثة من المعتدلين وهو افضل منه بدرجات فكذبه ووافقه على ذلك جماعة من اهل هذا الشأن كما عرفت فافهم .

قال المؤلف : ولو سلمنا ان المترجم يرى من الكذب بل قد تغير حفظه فلا

يضرنا ذلك ايضا لان حديث المتغير حفظه ايضا معدو من اقسام الخبر المردود كما لا يخفى على الماهر بالاصول وفى كليهما الصورتين نصرة لنا ونكبة لعدونا وبالله تعالى التوفيق ومنه الوصول الى التحقيق .

قال المؤلف : ..... وقد جرحه سوى من ذكرناه فقد قال السيوطى فى الذيل واعد والمدراسى فى الكشف متروك " ١ هـ " . وذكره العقيلى وابن الجوزى فى الضعفاء وقال الشيخ محمد مرتضى الحسينى الزبيدى فى عقود الجواهر المنفيه بعد ذكر هذه المناظرة عن الحارثى باسناده وسليمان الشاذكونى . واه " ١ هـ "

قال المؤلف : ..... فقد ظهر بفضل الله تعالى ومنه وكرمه ان هذا الخبر كذب باطل ولا يقبل مثله عاقل فالعجب ثم العجب من الاحناف كيف فرحوا بمجرد وجدان هذه المناظرة ولم ينظروا الى حال اسنادها هل هو قابل الا احتجاج ام لا فعليهم بالانصاف وترك الاعتساف وبالله تعالى التوفيق وهو حسبى ونعم الرقيق .

حافظے والا میں نے نہیں دیکھا اور حدیث بیان کرتے ہوئے جھوٹ بولتا تھا۔ بغوی نے کہا کہ ائمہ حدیث نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا ہے امام احمد نے جو کچھ اس کے متعلق فرمایا اس کا خلاصہ یہ کہ ”لیس احد اکذب منہ“ اس بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے اس کا نام رکھا (عدو اللہ الکذاب الخبیث) اللہ کا دشمن جھوٹا خبیث عبدالمومن بن خلف النفسی نے کہا کہ میں نے صالح جزره جو کہ ماوراء النھر میں اس فن کے امام تھے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس سے بڑھ کر تیز حافظے والا نہیں دیکھا تو میں نے پوچھا پھر اس پر کیا الزام تھا بولے جھوٹ بولنے کا اور لڑکوں کے ساتھ ملوث ہونے کا بھی۔ امام بخاری کہتے ہیں ”فیہ نظر“ اس کو دیکھنا پڑے گا نسائی کہتے ہیں ”لیس بثقة“ معتبر نہیں ہے ابو حاتم نے کہا ”لیس بشی“ کچھ بھی نہیں ہے ”متروک الحدیث و ترک حدیثہ ولم یحدث عنه“ حاکم نے کہا ”متروک الحدیث“ عجل فرماتے ہیں ”رجل سوء ما جن وبخه ابو اسامہ علی صحبۃ الغلام“ برا آدمی ہے فحش باتیں کرتا اور اسامہ نے لڑکوں کی صحبت پر اسے ٹوکا تھا۔

(لسان المیزان)

اگر کوئی کہے کہ عبدان الاھوازی نے کہا ہے کہ ”معاذ اللہ ان یتھم“ اللہ کی پناہ جو اس پر کوئی الزام ہو صرف یہ کہ اس کی کتابیں کھو گئی تھیں پھر اپنی یادداشت سے بیان کرتا تھا اور ابن عدی نے عبدان کے اس قول کو ترجیح دی ہے اور ابن عدی کو ذہبی نے معتدلیں میں سے شمار کیا ہے اور سخاوی نے فتح المغیث میں اور لکھنوی نے الرفع والتکمیل میں اس کی تائید کی ہے تو پھر آپ کس طرح اس پر الزام عائد کرتے ہیں جھوٹ کا؟

ہم کہتے ہیں جہاں تک عبدان کا سوال ہے تو اس کے قول کی کوئی قیمت نہیں بنتی مذکورہ بالا ماہرین نقد کے مقابلے میں اور ابن عدی اگر چہ معتدلیں میں سے ہے مگر امام احمد بن حنبل نے اس کی اس معاملے میں مخالفت کی ہے اور ان کو بھی ان تینوں نے معتدلیں میں سے شمار کیا ہے اور وہ ابن عدی سے کہیں زیادہ فضیلت کے حامل ہیں تو انہوں نے شاذ کوئی کی تکذیب کی ہے اور اس فن کے ماہرین کی ایک جماعت نے ان کی تائید کی ہے جیسا کہ مذکور ہو چکا اس لیے اس بات کو خوب سمجھ لو۔

قال المؤلف:..... اور اگر ہم مان لیں کہ جناب شاذ کوئی جھوٹ سے تو بری ہیں مگر ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا تو اس سے بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں کیونکہ جس کا حافظہ خراب ہو گیا ہو اس کی روایت بھی مردود اقسام میں سے شمار کی جاتی ہے جیسا کہ اصول حدیث کے ماہرین پر مخفی نہیں اور دونوں صورتوں میں جیت ہماری اور ناکامی مخالف کی ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور حقیقت تک پہنچانے والا ہے۔

قال المؤلف:..... اور مذکورہ بالا نقاد کے علاوہ بھی علماء حدیث نے اس پر جرح کی ہے۔ سیوطی نے

قال المؤلف: ..... اما ثانياً: ولو سلمنا ان هذه المناظرة ثابتة ، معاذ الله تعالى من ان نقول ذلك- ما كانت فيه فائدة لمخالفنا وانا ان شاء الله نتكلم على اجوبة ابي حنيفة التي اجاب بها الامام الاوزاعي فيما يزعمون بما يسر الناظرين فانظر اليها بعين الانصاف ولا تكن من الغافلين -

قال المؤلف: ..... "لاجل انه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شئى" فباطل جدا لا يلتفت اليه لانه قد ثبت الرفع عن رسول الله ﷺ بطرق كثيرة حتى بلغ حد التواتر تفيد العلم اليقين كما صرح بذلك العلامة مجدد الدين الفيروز آبادى فى سفر السعادة والسيوطى فى الازهار المتناثرة - والامام ابن حزم الاندلسى الظاهرى فى "المحلى" وغيرهم وقد تتبعت انا اسماء الصحابة الذين روا هذا الحديث عن رسول الله ﷺ فبلغ سبعة عشر رجلاً اويزيدون وسا ذكر ان شاء الله تعالى اخباركله فى رسالة التي اردت تليفها فى مسألة رفع اليدين واما ههنا فنذكر نبذة منها ليظهر لك تصديق ما قلنا وتكذيب من خالفنا وبالله التوفيق .

الحديث الاول: ..... قال الامام البخارى فى صحيحه

حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد الله بن المبارك قال اخبرنا يونس عن الزهرى قال اخبره سالم بن عبد الله عن عبد الله بن محمد قال: رأيت رسول الله ﷺ اذا قام فى الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع ويفعل ذلك إذا رفع راسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلك فى السجود - "أه"

قال المؤلف: ..... هذا حديث صحيح بل اصح ولا يشك فى صحته لان احاديث البخارى لا خلاف فى صحتها وهذا الحديث كان لمن له قلب صاف لكن لدينا مزيد .

الحديث الثانى: ..... قال البخارى فى صحيحه

حدثنا اسحاق الواسطى قال حدثنا خالد بن عبد الله عن خالد عن ابي قلابه انه راي مالك بن الحويرث اذا صلى كبر ورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع رفع يديه وحدث ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع هكذا .

الذیل میں اور مدراسی نے الکشف میں کہا کہ یہ متروک ہے۔ عقیل اور ابن ابوزی نے اسے ضعفاء میں درج کیا ہے اور شیخ مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواهر المہنیفہ میں اس کے سند سے یہ مناظرہ نقل کرنے کے بعد کہا کہ سلیمان الشاذکونی واہ۔ گیا گزرا ہے۔

قال المؤلف: ..... پھر یہ کہ اگر ہم مان لیں کہ یہ مناظرہ ثابت ہے اور اللہ کی پناہ کہ ہم ایسا کریں۔ پھر بھی ہمارے مخالف کو اس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ ہم ان شاء اللہ ان جوابات پر بھی گفتگو کر لیتے ہیں جو کہ ان کے گمان کے مطابق امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی کو دیے ہیں لہذا اس پر بھی غور فرمائیے اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔

قال المؤلف: ..... جہاں تک امام ابوحنیفہ سے منسوب اس بات کا تعلق ہے کہ ”لاجل انہ لم یصح عن رسول اللہ ﷺ الخ“ کیونکہ آپ ﷺ سے تکبیر تحریمہ، رکوع میں جاتے اور لوٹتے وقت رفع الیدین ثابت نہیں“ اس کا جواب یہ آپ ﷺ سے بہت سے طرق سے ان مواقع پر رفع الیدین ثابت ہے یہاں تک کہ حد تو اتر کو پہنچا ہوا ہے اور یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادة میں اور سیوطی نے الازہار المتناثرہ میں اور امام ابن حزم اندلسی نے المحلی میں تصریح کی ہے اور ان کے علاوہ علماء نے بھی۔ اور خود میں نے ان صحابہ کے اسماء کا تتبع کیا جن سے یہ روایت مرفوعاً مروی ہے تو یہ تعداد ”۷۱“ سترہ بلکہ اس سے بھی زیادہ تک جا پہنچی۔ میں انشاء اللہ ان سب کی روایات ذکر کروں گا اس کتاب میں کہ جو رفع الیدین کے مسئلے میں تالیف کرنے کا ارادہ ہے باقی یہاں پر ہم اس میں سے کچھ ذکر کریں گے تاکہ ہماری تصدیق اور مخالف کی تکذیب واضح ہو جائے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

پہلی حدیث: ..... امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں ’حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا یونس عن الزہری قال اخبرنا سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمر قال: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور ایسا ہی کرتے جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ اور سجدوں میں ایسا نہیں کرتے۔

قال المؤلف: ..... یہ حدیث صحیح بلکہ اصح ہے اور اس کے صحیح ہونے میں کلام نہیں کیونکہ بخاری کی احادیث کے صحیح ہونے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ اور یہ روایت ہی سمجھ بوجھ رکھنے والے کے لیے کافی ہے مگر ہمارے پاس اور بھی ہیں۔

دوسری حدیث: ..... ”حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبداللہ عن خالد عن ابی قلابہ انہ رأى مالک بن الحویرث اذا صلی“ کہ جب نماز پڑھتے اللہ اکبر کہتے اور

قال المؤلف: ..... هذا الحديث اخرجه جماعة نسوى البخارى ونا هيك هذا السند الذى لا يتكلم فى رجاله بل يقبلونه ويعتمد عليهم وبالله تعالى التوفيق .

الحديث الثالث: ..... قال البيهقى فى سنن الكبرى اخبرنا ابو عبدالله الحافظ ثنا ابو عبدالله محمد بن محمد بن عبدالله الصفار الزاهد املاء من اصل كتابه قال قال ابو اسماعيل محمد بن اسماعيل السلمى صليت خلف ابى النعمان محمد بن الفضل فرفع يديه حين افتتح للصلوة حين ركع وحين رفع راسه من الركوع فسالته عن ذلك فقال صليت خلف حماد بن زيد فرفع يديه حين افتتح الصلوة وحين ركع وحين رفع راسه من الركوع فسالته عن ذلك فقال صليت خلف ايوب السختيانى فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع فسالته فقال رأيت عطاء بن ابى رباح يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع فسالته فقال صليت خلف عبدالله بن الزبير فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع فسالته فقال عبدالله بن الزبير صليت خلف ابى بكر الصديق رضى الله عنه فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع وقال وابو بكر صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع راسه من الركوع . "أه"

قال المؤلف: هذا الاسناد صحيح لا غبار عليه وسنحقق ذلك ان شاء الله

تعالى فى رسالتنا الموعودة وقال البيهقى عقيب هذا الخبر رواه ثقات .

الحديث الرابع: ..... قال البيهقى فى السنن الكبرى

اخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ ثنا ابو جعفر احمد بن عبيد الحافظ وابو القاسم عبد الرحمن بن الحسن القاضى الاسديان بهمدان قالوا: ثنا ابراهيم بن الحسين بن ديزيل الهمدانى ثنا آدم بن ابى اياس ثنا شعبة ثنا الحكم قال: رأيت طاوساً كبير فرفع يديه حذو منكبيه عند التكبير وعند ركوعه رفعه راسه من الركوع فسالت رجلا من اصحابه فقال انه يحدث به عن ابن عمر عن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم .

رفع الیدین کرتے کہ انہوں نے مالک بن حویرث کو دیکھا اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ (بخاری)

قال المؤلف:..... اس حدیث کو بخاری نے علاوہ بھی محدثین کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ کیا ہی خوب سند ہے کہ جس کے راویوں پر کوئی کلام نہیں ہے بلکہ سارے مقبول اور معتبر ہیں۔

تیسری حدیث:..... اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ ثنا ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار الزاهد املاء من اصل كتابه قال قال ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی "صلیت خلف ابی النعمان محمد بن الفضل" میں نے ابو النعمان محمد بن فضل کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع الیدین کیا جب نماز شروع کی اور جب رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا تو میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ میں نے ایوب سختیانی کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع الیدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے لوٹتے تو میں نے ان سے پوچھا تو بولے میں نے عطاء بن ابی رباح کو دیکھا کہ رفع الیدین کرتے جب نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے لوٹتے تو میں نے ان سے پوچھا وہ بولے میں نے عبداللہ ابن الزبیر کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے لوٹتے تو میں نے ان سے پوچھا تو عبداللہ ابن الزبیر نے کہا کہ میں نے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع الیدین کرتے جبکہ نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے لوٹتے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ رفع الیدین کرتے جب نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے اور رکوع سے لوٹتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

قال المؤلف:..... یہ سند صحیح ہے اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور یہ بات ہم اوپر بیان کردہ رسالے میں ان شاء اللہ ثابت کر دیں گے۔ اور یہی اس روایت کو لانے کے بعد کہتے ہیں "رواۃ ثقات" اس کے راوی معتبر ہیں۔

چوتھی حدیث:..... اخبرنا محمد بن عبداللہ الحافظ ثنا ابو جعفر احمد بن عبید اللہ الحافظ وابو القاسم عبدالرحمان بن الحسن القاضی الاسدیان بہمذان قال ثنا ابراہیم ابن الحسین الہمدانی ثنا آدم ابن ابی ایاس ثنا شعبۃ ثنا الحکم قال "میں نے طاؤس کو دیکھا کہ انہوں نے اللہ اکبر کہا پھر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے تکبیر (تحریمہ) کے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے تو میں نے ان کے شاگردوں میں سے کسی سے پوچھا تو انہوں



ثم قال البيهقي قال ابو عبدالله الحافظ فالحديثان كلاهما محفوظان ، عن ابن عمر عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم فان ابن عمر رأى النبي صلى الله عليه وسلم فعلة وراى اباہ فعلة ورواه عن النبي صلى الله عليه وسلم . "أه"

الحديث الخامس: ..... اخرج البيهقي فى الخلافيات من طريق ابن وهب اخبرنى حيوة بن شريح الحضر مى عن ابى عيسى سليمان بن كسان المدنى عن عبدالله بن القاسم قال : بينما الناس يصلون مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم اذ خرج عليهم عمر بن الخطاب فقال اقبلوا على بوجوهكم اصلى بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم التى كان يصلى ويامر بها فقام مستقبل القبلة ورفع يديه حتى حاذى بهما منكبيه ثم كبر ثم ركع كذلك حين رفع فقال للقوم هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بنا ، كذا فى نصب الراية للزيلعى الحافظ .

قال المؤلف : ..... ان شاء الله تعالى نكتب ما يتعلق بهذا الحديث فى رسالتنا المودة واما الآن فنقول ناهيك يا طالب الحق لتصحيح هذا الحديث سكوت الحافظ الزيلعى عليه مع كونه حنيفاً فافهم .

وقد قال المولى محمود الحسن الديوبندى فى احسن الفتاوى وان سكتوا عن الرد بعد بلغهم رواية الحديث فهو مقبول ايضاً لان السكوت فى موضع الحاجة لا يحمل الا على وجه الرضا بالمسموع فالمرئى فكان سكوتهم عن الرد دليل التقرير اذا لم يكن كذا لك لتطرق نسبة التقصير اليهم وانهم لم يتنبهوا بذلك . "أه"

قال المؤلف : ..... وفى هذا الحديث دليل على انه صلى الله عليه وسلم قد امرنا برفع اليدين امره صلى الله عليه وسلم لئلا يوجب ما لم يكن له قرينة كما تقرر فى مقره فرفع اليدين واجب لا شك فيه فسبحان من جاء بفضله الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً .

الحديث السادس: ..... قال الدار قطنى فى سننه

حدثنا دعلج بن محمد حدثنا عبدالله بن شيراويه ثنا اسحاق بن راهوية انا النضر بن شميل نا حماد بن سلمة عن الازرق بن قيس عن حطان بن عبدالله عن

نے کہا کہ وہ اس عمل کی روایت عبداللہ بن عمر سے وہ عمر بن خطاب سے اور وہ آپ ﷺ سے کرتے ہیں (السنن الكبرى للبيهقي) یہ روایت لا کر بیہقی کہتے ہیں ابو عبداللہ الحافظ کہا کرتے کہ یہ دونوں روایتیں محفوظ ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خود بھی آپ ﷺ کو یہ عمل کرتے دیکھا اور ان کے والد عمر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ عمل کرتے پایا اور آپ ﷺ سے روایت بھی کیا۔

پانچویں حدیث: ..... بیہقی الخلافیات میں ابن وہب کے طریق سے کہتے ہیں اخبرني حيو بن شريح الحضرمي عن ابي عيسى سليمان بن كيسان المدني عن عبد الله بن القاسم قال لوگ آپ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عمر بن خطاب تشریف لائے اور فرمایا میری جانب متوجہ ہو جاؤ تا کہ میں تمہیں آپ ﷺ کے طریقے سے جس طرح آپ ﷺ پڑھتے اور حکم فرماتے تھے نماز پڑھاؤں۔ پھر قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کئے پھر تکبیر کہی پھر اسی طرح رکوع کیا اور رکوع سے اسی طرح اٹھے تو لوگوں نے کہا کہ اسی طرح آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔

(نصب الراية للزيلعي)

قال المؤلف: ..... ہم اپنے خاص رفع الیدین سے متعلق رسالے میں اس روایت پر بھی انشاء اللہ بحث کریں گے باقی اس وقت اتنا ہی کافی ہے کہ حافظ زیلیعی نے باوجود حنفی ہونے کے اس روایت پر خاموشی اختیار کی ہے۔

اور علامہ محمود الحسن دیوبندی احسن الفتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ اگر علماء حدیث کسی روایت کو سننے اور دیکھنے کے بعد خاموشی اختیار کریں تو وہ روایت ان کے نزدیک مقبول ہوگی کیونکہ جہاں بولنے کی حاجت ہو وہاں خاموشی اس بات پر راضی ہونے کی دلیل ہے لہذا ان کی خاموشی رضا پر دلیل تقریری سمجھی جائے گی کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ کی انہوں نے کوتاہی کہ اور اس بات پر متنبہ نہ کیا۔

راقم کہتا ہے: ..... اس حدیث میں دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا اور آپ ﷺ کا حکم وجوب کے لیے ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ کوئی قرینہ اس کے مخالف نہ ہو جیسا کہ یہ بات اپنی جگہ پر مسلمہ ہے لہذا رفع الیدین واجب ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے پس پاک ہے ذات باری تعالیٰ جس کے فضل و کرم سے حق ظاہر ہوا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا۔ بیشک باطل بھگوڑا ہے۔

چھٹی حدیث: ..... ”دارقطنی اپنی سنن میں کہتے ہیں ”حدثنا دعلج بن احمد حدثنا عبد الله بن شيرويه حدثنا اسحاق بن راهويه انا النضر بن شميل نا حماد بن سلمه عن الازرق بن قيس عن حطان بن عبد الله عن ابي موسى الاشعري“ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھاؤں؟ پھر تکبیر کہی اور رفع الیدین کیا، پھر رکوع کے لیے تکبیر

ابى موسى الاشعري قال هل اريكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر ورفع يديه ثم كبر ورفع يديه للركوع ثم قال سمع الله لمن حمده ثم يرفع يديه ثم قال هكذا فا صنعوا ولا يرفع بين السجدة تين .

الحديث السابع:..... قال الحافظ ابو دائود السجستاني فى سننه

حدثنا الحسن بن على نا سليمان بن داود الهاشمى نا عبدالرحمن بن ابى الزناد عن موسى بن عقبة عن عبدالله بن الفضل بن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبدالرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابى رافع عن على بن ابى طالب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه كان اذا قام الى الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويضع مثل ذلك اذا قضى قرأته واراد ان يركع ويصنعه اذا رفع راسه من الركوع ولا يرفع فى شى من صلواته وهو قاعد واذا قام من السجدة تين رفع يديه كذلك وكبر .

قال المؤلف:.....وفى هذا القدر كفاية لمن له دراية فانظر يا طالب الحق هل توجه فى هذه الروايات تصديق ما ادعينا وتكذيب ما اوعى مخالفنا فبطل تعلقهم بهذا القول جملة وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَعَالَى كَثِيرًا .

قال المؤلف:..... واما قوله كان حماد بن ابى سليمان افقه من الزهرى فباطل جدا وانا ان شاء الله تعالى نذكر الشواهد على بطلان ذلك وثبت ان الزهرى افضل من حماد واثقه واعلم فانظر اليها بعين اليقين .

الشاهد الاول:..... قال ابن سعد فى الطبقات :

وكان الزهرى ثقة كثير الحديث والعلم والرواية فقيهها جامعاً وقال فى ترجمة حماد كان ضعيفاً فى الحديث واختلط فى آخر امره وكان مرجئاً وكان كثير الحديث اذا قال برايه اصاب واذا قال عن غير ابراهيم خطأ .

الشاهد الثانى:..... قال النسائى احسن اسانيد تروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعة الزهرى عن على بن الحسين عن ابيه عن جده والزهرى عن عبيد الله عن ابن عباس الخ

وقال فى ترجمة حماد ثقة الا انه مرجئى كذا فى التهذيب .

کہی اور رفع الیدین کیا، پھر ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہا اور رفع الیدین کیا، پھر فرمایا اسی طرح کیا کرو اور دونوں سجدوں کے مابین رفع الیدین نہ کیا جائے۔

ساتویں حدیث:..... امام ابو داؤد سجستانی اپنی سنن میں کہتے ہیں ”حدثنا الحسن ابن علی نا سلیمان بن دائود الهاشمی نا عبدالرحمان بن ابی الزناد عن موسی بن عقبہ عن عبداللہ بن الفضل بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب عن عبدالرحمن الاعرج عن عبید اللہ بن ابی رافع عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہ آپ ﷺ جب فرض نماز کے لیے کھڑے ہوتے تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند فرماتے اور قرأت ختم کرنے کے بعد جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو بھی ایسا ہی کرتے اور یہ عمل کرتے جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے اور نماز میں جب بیٹھے ہوتے تو ایسا نہ کرتے اور جب دو سجدوں سے کھڑے ہوتے تو ایسا ہی کرتے اور تکبیر کہتے۔

راقم کہتا ہے: سمجھدار کے لیے اس میں ہی کفایت ہے تو پھر اے حق کے طلبگار کیا ان روایات سے ہماری بات کی تصدیق اور مخالفین کی تکذیب نہیں ہوتی؟ لہذا ان کا اس قول سے استدلال کہ ”رفع الیدین رکوع سے پہلے اور بعد میں ثابت نہیں“ باطل ہوا۔ والحمد للہ۔

امام زہری اور شیخ حماد میں سے زیادہ فقیہ کون؟

راقم کہتا ہے:..... اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حماد بن ابی سلیمان زہری سے بڑا فقیہ ہے یہ بالکل باطل ہے اور ہم انشاء اللہ اس کے باطل ہونے کے دلائل پیش کریں گے اور ثابت کریں گے کہ زہری حماد سے زیادہ فقیہ اور بڑا عالم ہے لہذا اس بات کو بھی یقین کی آنکھ سے دیکھنا۔

پہلی دلیل:..... ابن سعد طبقات میں کہتے ہیں کہ ”زہری ثقہ کثرت سے روایت کرنے والے اور بہت علم والے تھے۔ فقیہ، جامع شخصیت تھے“۔ اور حماد کے بارے میں کہا ”حماد حدیث میں ضعیف تھے آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے، مرجہ میں سے تھے، روایت کثرت سے کرتے تھے جب اپنی رائے سے کچھ کہتے تو درست فرماتے اور جب ابراہیم کے علاوہ کسی دوسرے سے روایت کرتے تو غلطی کر جاتے۔“

دوسری دلیل:..... امام نسائی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے مروی اسانید میں سے سب سے بہتر سندیں چار ہیں (۱)..... زہری علی بن حسین سے ان کے والد سے ان کے دادا سے اور (۲)..... زہری عبید اللہ سے ابن عباس سے الخ اور حماد کے بارے میں کہتے ہیں حماد ثقہ ہے مگر مرجہ میں سے ہے۔ (التہذیب)

تیسری دلیل: امام ابن حبان اپنی کتاب الثقات میں فرماتے ہیں کہ ”زہری نے آپ ﷺ کے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور اپنے دور کے سب سے بڑے حافظ تھے اور متون احادیث کو سب سے بہتر انداز

الشاهد الثالث:..... قال الامام ابن حبان فى ثقاته فى ترجمة الزهرى راي عشرة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان من احفظ اهل زمانه واحسنهم سيا قاً لمتون الاخبار وكان فقيهاً فاضلاً .

وقال فى ترجمة حماد ” يخطى وكان مرجئاً“

الشاهد الرابع:..... قال الحافظ الذهبى فى الميزان فى ترجمة الزهرى ” الحافظ الحجة كان يدلس فى النار وقال فى تذكرة الحفاظ ” مناقب الزهرى واخبار تحتمل اربعين ورقة

وقال فى الميزان فى ترجمة حماد ” تكلم فيه للارجاء ” . ” أهـ“

الشاهد الخامس:..... قال الامام ابن القيسرانى فى كتاب الجمع بين كتابى ابى نصر الكلابازى وابى بكر الاصبهانى فى ترجمة الزهرى يقال انه راي عشرة من الصحابة وكان احفظ الناس فى وقته واحسنهم سيا قاً للمتون ” أهـ“ وقال فى ترجمة حماد ” وكان الاعمش يسئ الراى فيه “ . ” أهـ“

الشاهد السادس:..... قال الحافظ ابن حجر العسقلانى فى تقريب التهذيب فى ترجمة الزهرى الفقيه الحافظ متفق على جلالته واتقانه وثبته وهو من راس الطبقة الرابعة وقال فى ترجمة حماد فقيه ثقة صدوق له اوها م من الخامسة روى بالارجاء .

” أهـ“

الشاهد السابع:..... وهو من اعظم الشواهد قال العلامة على القارى فى شرح مسند ابى حنيفة فى الزهرى ” وهم اجلاء فى الرواية مع قلة الوسطة فان اسناد ثلاثى “ .

” أهـ“

وقال فى حماد و ابراهيم ” وهما غير مشهور فى نقل السنة بالنسبة الى ما تقدم مع كثرة الوسطة وقال اسناده رباعى . ” أهـ“

الشاهد الثامن:..... قال الحافظ صفى الدين الخزرجى فى الخلاصة فى ترجمة الزهرى ” احد الائمة الاعلام وعلم الحجاز والشام ” وقال فى ترجمة حماد ” قال النسائى ثقة مرجئ“

الشاهد التاسع:..... ان الحافظ ابا جعفر العقيلى قد ذكر حماد فى ضعفائه ولم يذكر الزهرى فيهم “ .

میں بیان کرنے والے اور ایک فقیہ اور فاضل شخص تھے۔ اور حماد کے حالات میں لکھا کہ ”غلطیاں کرتا تھا اور مرجہ میں سے تھا۔“

چوتھی دلیل:..... حافظ ذہبی میزان میں زہری کے متعلق کہتے ہیں ”الحافظ الحجۃ“ کبھی کبھی تدلیس کیا کرتے تھے۔ اور تذکرۃ الحفاظ میں کہا کہ زہری کے فضائل اور حالات چالیس (۴۰) صفحات چاہتے ہیں ”اور میزان میں حماد کے حالات میں کہا کہ بدعت ارجاء کی بناء پر اس میں کلام کیا گیا ہے۔“

پانچویں دلیل:..... امام ابن القیسرانی ”الجمع بین کتابی ابی نصر الکلابازی و ابی بکر الاصبہانی“ میں زہری کے حالات میں لکھتے ہیں ”کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور اپنے دور کے سب سے بڑے حافظ اور سب سے بہتر متن بیان کرنے والے تھے الخ اور حماد کے حالات میں کہتے ہیں کہ اعمش ان کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے۔“

چھٹی دلیل:..... حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں زہری کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ”الفقیہ الحافظ المتفق علی جلالته و اتقانه و ثبته و هو من راس الطبقة الرابعة“ اور حماد کے بارے میں کہا کہ ثقہ ہے صدوق ہے اس کے اوہام بھی ہیں پانچویں طبقے سے ہے اس پر ارجاء کا الزام ہے“ ساتویں دلیل:..... اور یہ بڑی دلیلوں میں سے ہے ملا علی قاری مسند ابی حنیفہ کی شرح کرتے ہوئے زہری کی سند کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ لوگ روایت حدیث میں بڑے (بزرگ) ہیں مزید یہ کہ واسطے بھی کم ہیں کیونکہ سند ثلاثی (تین واسطوں والی) ہے۔ اور حماد اور ابراہیم کے بارے میں کہا کہ ”یہ دونوں نقل حدیث میں پیچھے مذکور راویوں کے مقابلے میں کم مشہور ہیں مزید یہ کہ واسطے بھی زیادہ ہیں کیونکہ یہ سند رباعی (چار واسطوں والی) ہے۔“

آٹھویں دلیل:..... حافظ صفی الدین الخرزجی الخلاصۃ میں زہری کے حالات میں کہتے ہیں بڑے بڑے اماموں میں سے ایک اور حجاز اور شام کے بڑے عالم ”جبکہ حماد کے حالات میں لکھا ”نسائی نے کہا کہ ثقہ ہیں مرجہ ہیں۔“ نویں دلیل:..... حافظ ابو جعفر عقیلی نے حماد کو الضعفاء میں درج کیا ہے جب کہ زہری کو نہیں۔

دسویں دلیل:..... جدا مجد سید وسند ابو تراب رشد اللہ شاہ نے ان دونوں زہری اور حماد کو ”کشف الاستار عن رجالی معانی الآثار“ میں ذکر کیا ہے اور وہ ہی فرمایا ہے جو کہ صاحب تقریب نے کہا۔ راقم کہتا ہے:..... تو پھر اللہ کے فضل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ زہری حماد سے بڑے فقیہ ہیں لہذا کسی کا یہ کہنا کہ حماد زہری سے بڑا فقیہ ہے قابل التفات نہیں ہے۔

کیا ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ ہیں؟

راقم کہتا ہے: اور پھر یہ قول کہ ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ ہیں بالکل ہی غلط بات ہے ان شاء اللہ

الشاهد العاشر: ..... ان الجد الامجد السيد السند ابا التراب رشدًا لله شاه رحمه الله  
 ..... قد ذكرهما في كشف الاستار عن رجال معانى الاثار وقال فيهما بمثل ما  
 قال صاحب التقريب .

قال المؤلف: ..... فقد ظهر بفضل الله تعالى " ان الزهرى افقه من حماد فلا التفات الى  
 من فضل حماد على الزهرى وبالله تعالى التوفيق .

قال المؤلف :- واما قوله " وكان ابراهيم افقه من سالم " ففي غاية البطلان فانا  
 ان شاء الله تعالى نذكر الشواهد على ذلك فانظر اليها بعين اليقين ثم لترونها يعنى  
 اليقين .

الشاهد الاول: ..... قال العجلى في سالم " مدنى تابعى ثقة " . وقال في ابراهيم بن  
 يزيد النخعي كان رجلاً صالحاً فقيهاً متوقياً قليل التكلف كذا في التهذيب .  
 الشاهد الثانى: ..... ان ابن حبان ذكر ابراهيم فى ثقاته ولم يذكر يما يتعلق بشانه اما  
 سالم فقال فى ترجمته كان يشبه اباه فى السمى والهدى ..... وكان اشبه ولد  
 عمر به . " أه "

الشاهد الثالث: ..... قال الامام النووى فى تهذيب الاسماء فى ترجمه سالم اجمعوا  
 على امامته وجلالته وزها دته وعلو مرتبته وفى تاريخ ابن ابى خيثمة ان ابن عمر  
 كان يلقى ابنه سالما فيقبله ويقول آلتعجبون من شيخ يقبل شيخاً انتهى مختصراً .  
 وقال فى ترجمته ابراهيم - اجمعوا على توثقته وجلالته وبراعته فى الفقه .

الشاهد الرابع: ..... قال الحافظ الذهبى فى تذكرة الحفاظ فى ترجمة سالم الفقيه  
 الحجة احد من جمع بين العلم والعمل والزهد والشرف وقال فى ترجمة ابراهيم  
 وكان من العلماء ذوى الاخلاص . " أه "

الشاهد الخامس: ..... قال الحافظ ابن حجر فى التقريب فى ترجمة سالم احد الفقهاء  
 السبعة كان ثباتاً عابداً فاضلاً كان يشبه بابيه فى الهدى والسمت من كبار الثامنة .  
 وقال فى ترجمة ابراهيم ثقة الا انه يرسل كثيراً من الخامسة .

الشاهد السادس: ..... ان ابراهيم مر مى بالتدليس فقد ذكره الحافظ فى طبقات  
 المدلسين فى المرتبة الثانية وقال ذكر الحاكم انه كان يدلس وقال ابو حاتم لم يلق

اس کے دلائل بھی ہم ذکر کریں گے پھر آپ خود ہی انصاف کر لیں۔

پہلی دلیل:..... عجلی نے سالم کے متعلق کہا کہ ”مدنی ہیں تابعی اور ثقہ ہیں اور ابراہیم کے متعلق کہا“ ابراہیم بن یزید نخعی ایک اچھے آدمی، فقیہ، تکلف سے بچنے والے تھے۔ (تہذیب)

دوسری دلیل:..... ابن حبان نے ابراہیم کو الثقات میں ذکر کیا اور اس کے متعلق اور کچھ نہ لکھا۔ لیکن سالم کے متعلق لکھا ”عمل اور کردار میں اپنے والد ابن عمر کے مشابہ تھے اور حضرت عمر کے خاندان میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ۔

تیسری دلیل:..... امام نووی نے تہذیب الاسماء میں سالم کے متعلق کہا محدثین کا ان کی امامت پر۔ بزرگی اور پرہیزگاری پر اتفاق ہے اور تاریخ ابن ابی خيثمہ میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر اپنے بیٹے سالم سے ملتے تو انہیں چومتے تھے پھر فرماتے کیا تمہیں حیرانی نہیں ہوتی کہ ایک بوڑھا بوڑھے کو چوم رہا ہے اور ابراہیم کے حالات میں لکھا کہ اس کے ثقہ ہونے، بزرگ ہونے اور فقہ میں تیز ہونے پر اتفاق ہے۔

چوتھی دلیل:..... حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں سالم کے متعلق کہا کہ ”الفقیہ الحجہ“ ان لوگوں میں سے ایک جو علم، عمل، پرہیزگاری اور بلند مرتبے کے جامع تھے۔ اور ابراہیم کے بارے میں کہا کہ ”مخلص علماء میں سے تھے۔

پانچویں دلیل:..... حافظ ابن حجر التقریب میں کہتے ہیں کہ ”سالم مدینے کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ معتبر، عبادت گزار، فضیلت والے تھے عمل اور کردار میں اپنے والد کے مشابہ تھے من کبار الثمانہ اور ابراہیم کے بارے میں کہا کہ ”ثقہ ہے مگر کثرت سے ارسال کرتا ہے من الخامسة“

چھٹی دلیل:..... ابراہیم پر تدلیس کا الزام ہے حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں دوسرے طبقے میں انہیں درج کیا ہے اور کہا کہ حاکم نے ذکر کیا ہے کہ وہ تدلیس کرتے تھے اور ابو حاتم نے کہا کہ کسی صحابی سے نہیں ملے سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور ان سے بھی کچھ سنا نہیں اور کثرت سے ارسال کرتے تھے اور خاص طور پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت انس اور ان کے علاوہ صحابہ سے مرسل روایت کی باقی وہ تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ حافظ نے ابراہیم کو مدلسین کے طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے اور طبقہ ثانیہ کی تدلیس مقبول ہے اگرچہ سماع کی تصریح نہ کریں جیسا کہ حافظ نے طبقات کے شروع میں واضح کر دیا ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ ٹھیک ہے مگر سالم اس مرتبے سے بالکل بری ہے لہذا یہ اس کے لیے باعث، فضیلت ہے۔

راقم کہتا ہے:..... تو یہ دلائل باواز بلند پکار رہے ہیں کہ سالم مطلقاً ابراہیم سے افضل ہے خوب سمجھ لو۔

راقم کہتا ہے:..... باقی رہی یہ بات کہ ”علقمہ لیس بدون ابن عمر“ من گھڑت بیکار باتوں میں سے ہے اس بات کے قائل کو کیا شرم نہیں آئی؟ کس طرح علقمہ کا موازنہ ایک صحابی سے کر رہا ہے؟ حالانکہ آپ ﷺ



احد من الصحابة الاعايشة ولم يسمع منها وكان يرسل كثيرا وكان سماعه من ابن مسعود وحدث عن انس وغيره مر سلاّ واما فهو برى من تهمة التدليس . فان قلت :..... ابراهيم من المرتبة الثانية وهم الحديث تدليسهم مقبول وان لم يصرحوا بالسماع كما صرح بذلك الحافظ في اول الطبقات . قلنا :..... هبكم ولكن لسالم برى من هذه المرتبة ايضا فبقى له مزيد عليه فافهم . قال المؤلف :..... فهذه الشواهد تشهد باعلى النداء ان سالماً افضل من ابراهيم على الاطلاق فافهم .

قال المؤلف :..... اما قوله ” وعلقمة ليس بدون ابن عمر رضى الله عنهما في الفقه وان كانت لا بن عمر صحبة فله فضل الصحبة “ فمن الا باطيل البديعيه اما يستحيى لهذا القائل كيف يوازن علقمة مع رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وقد قال النبي صلى الله عليه لا تسبوا اصحابى والذى نفسى بيده لو ان احدكم انفق مثل احد ذهباً ما ادرك مد احدهم ولا نصيفة اخرجه الترمذى فى سننه باسناد صحيح وصححه .

فكيف يقابل علقمة مثل رجل لهذا شأنه وانا ان شاء الله تعالى نذكر الشواهد الباقية على ذلك .

الشاهد الاول :..... قال الامام النووى فى تهذيب الاسماء فى ترجمة ابن عمر وكان شديد الاتباع لا ثار رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انه ينزل منازل ويصلى فى مكان صلى فيه ويبرك ناقته فى مبرك ناقته ونقلوا ان النبي صلى الله عليه وسلم نزل تحت شجرة فكان ابن عمر يتعاهد ها بالماء لثلاثبتس ..... ومناقبه كثيره مشهورة بل قل نظيره فى المتابعة لرسول الله صلى الله عليه وسلم فى كل شى من الاقوال والافعال وفى الزهاد فى الدنيا ومقاصدها والتطلع الى الرياسة وغيرها .

وقال فى ترجمة علقمة - التابعى الكبير الجليل الفقيه البارع .

الشاهد الثانى :..... وهو من اعظم الشواهد - ان النبي صلى الله عليه وسلم سماه رجلاً صالحاً كما وقع فى رواية الصحيحين ووقع فى روايتهما ايضا انه صلى الله عليه وسلم قال نعم الرجل عبدالله . ..... الخ

نے فرمایا ”لا تسبوا اصحابی والذی نفسی بیدہ لو ان احد کم انفق مثل احد ذہبا ما ادرك مد احد ہم ولا نصیفہ“ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو میرے صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ امام ترمذی نے صحیح سند سے اس روایت کو بیان کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔

پھر کس طرح علقمہ کا موازنہ کیا جاسکتا ہے ایسے انسان سے جس کا یہ مقام اور مرتبہ ہو اور ان شاء اللہ ہم اس کے لیے مزید شواہد بھی پیش کریں گے۔

پہلی گواہی:..... امام نووی تہذیب الاسماء میں عبد اللہ بن عمر کے حالات میں فرماتے ہیں ”وہ رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں بہت سخت تھے یہاں تک کہ ان کے منزل کرنے کے مقامات پر منزل کرتے، جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی وہاں نماز پڑھتے، جہاں انہوں نے اونٹنی بٹھائی وہاں اونٹنی بٹھاتے اور بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے رکے تو عبد اللہ بن عمر اسے پانی دیا کرتے کہ کہیں سوکھ نہ جائے۔ اور ان کے مناقب بہت زیادہ اور مشہور و معروف ہیں بلکہ آپ ﷺ کی متابعت میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے ہر قسم کے اقوال اور افعال میں دنیا اس کے مقاصد اور طلب ریاست سے بے نیاز ہونے میں اور اس کے علاوہ کئی مناقب و فضائل ہیں۔“ اور علقمہ کے حالات میں لکھتے ہیں بڑے بزرگ تابعی ماہر فقیہ ہیں۔ دوسری گواہی:..... اور یہ سب سے بڑی گواہی ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں رجلا صالحا (اچھا آدمی) قرار دیا جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے اور ان دونوں کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”نعم الرجل عبد اللہ“ کیا ہی خوب آدمی ہے عبد اللہ۔

راقم کہتا ہے:..... آپ ﷺ کا یہ فرمان ہی ہمارے لیے کافی ہے پھر کہاں علقمہ اور کہاں ابن عمر رضی اللہ عنہ خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

تیسری گواہی:..... حافظ نے تقریب میں عبد اللہ بن عمر کے حالات میں لکھا۔ صحابہ میں سے کثرت سے روایت کرنے والے عبادلہ میں سے ایک اور اثار کے اتباع میں شدید ترین تھے اور علقمہ کے متعلق لکھا ثقہ، معتبر، فقیہ اور عابد تھے۔

چوتھی گواہی:..... زہری کہتے ہیں ابن عمر کی رائے کو ترک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے بعد ساٹھ سال رہے ان پر آپ ﷺ کی کوئی چیز مخفی نہیں رہی اور نہ ہی صحابہ کرام کا کوئی معاملہ ان سے چھپا رہا۔ (تہذیب الاسماء للنووی)

راقم کہتا ہے:..... یہ گواہی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو بڑی مضبوط گواہی ہے کیونکہ ایک بات جو کہ فن رجال

قال المؤلف: ..... فهذا يكفينا منه صلى الله عليه وسلم فإين مقدار مثل علقمة ومن مثله فافهم .

الشاهد الثالث: ..... قال الحافظ في التقريب في ترجمة عبدالله بن عمر وهو احد المكثيرين من الصحابة والعبادة وكان اشدا للناس اتباعا للاثر . "أه" وقال في ترجمة علقمة ثقة ثبت فقيه عابد . "أه"

الشاهد الرابع: ..... قال الزهري لا يعدل براى ابن عمر فانه اقام بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ستين سنة فلم يخف عليه شى من امره ولا من امر الصحابة كذا في تهذيب الاسماء للنواوى .

قال المؤلف: ..... هذا كما ترى من اقوى الشواهد لان من المعلوم الناس لا يخفى على الماهر بفن الرجال - ان الزهري متأخر من علقمة فلا مانع من ان يكون قد صادف راى علقمة ايضاً واما كون الزهري متأخراً من علقمة فلان صاحب التقريب قد عده من الطبقة الرابعة وعن علقمة من الطبقة الثانية فافهم .

الشاهد الخامس: ..... ان لابن عمر صحبة وقدر اى النبى صلى الله عليه وسلم وسمع منه وتفقه به بخلاف علقمة فما مقدار فقهه بمقابلة فقه ابن عمر ، قد قال البيهقى رحمة الله عليه فى معرفة السنن والاثار ان الشافعى رحمة الله عليه ذكر الصحابة فى رسالته القديمة واثنى عليهم بما هم اهلهم ، ثم قال وهم فوقنا فى كل علم واجتهاد وورع وعقل لو امر استدرك به علم واستنبط آرائهم لنا احمد واولى بنا من آرائنا عند انفسنا .

الشاهد السادس: ..... ان للصحابة باسرههم خصيصة وهى ان لا يسئل عن عدالة احد سنهم بل ذلك اسر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به فى اجماع الامة كذا فى المقدمة لابن الصلاح .

قال المؤلف: ..... وغير الصحابة كلهم كما يعتبر به اصلاً حتى يطلق عليه لفظ من الفاظ التعديل وان كان من كبار التابعين كما لا يخفى على الماهر بالاصول .

الشاهد السابع: ..... ان الصحابة وان لم يسم مثلاً أن يقول التابعى حدثنى رجل من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ولم يسمه كما نقل ذلك الخطيب فى

کے ماہر پر مخفی نہیں ہو سکتی یہ کہ زہری علقمہ سے متاخر ہے صاحب تقریب نے اسے طبقہ رابعہ جبکہ علقمہ کو طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے لہذا یقیناً زہری کے لیے علقمہ کی رائے بھی دیکھی بھالی رہی ہوگی۔

پانچویں گواہی:..... عبداللہ بن عمر صحابی ہیں آپ ﷺ کو دیکھا اور ان سے سنا اور سمجھا جبکہ علقمہ کو ایسی کوئی فضیلت نہ ملی لہذا علقمہ کی فقہ کا ابن عمر سے کیا مقابلہ؟ بیہقی معرفۃ السنن والا ثار میں کہتے ہیں کہ امام شافعی نے اپنے قدیم رسالے میں صحابہ کا تذکرہ کیا اور ان کی حمد و ثنا کی جس کے وہ مستحق ہیں پھر کہا کہ وہ ہم سے ہر علم، اجتہاد، پرہیزگاری، عقل اور ہر اس معاملے میں کہ جس سے کوئی علم سیکھا جائے یا مسئلہ نکالا جائے بڑھ کر تھے۔ اور ان کے آراء ہمارے نزدیک زیادہ محمود اور ہماری اپنی آراء سے ہمیں زیادہ محبوب ہیں۔

چھٹی گواہی:..... صحابہ کرام کی خصوصیت ہے کہ ان کی عدالت سے متعلق کوئی سوال نہیں اٹھایا جاسکتا بلکہ یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ کتاب و سنت کی رو سے صحابہ مطلقاً عادل اور ثقہ ہیں۔ اہل اجماع کا اس بات پر اتفاق ہے جیسا کہ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے۔

راقم کہتا ہے:..... صحابہ کرام کے علاوہ کسی کا تب تک اعتبار نہیں جب تک کہ الفاظ تعدیل میں سے کوئی لفظ ان کے لیے ائمہ جرح و تعدیل سے ثابت نہ ہو۔ بھلے سے وہ شخص کبار تابعین میں سے ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ یہ قاعدہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

ساتویں گواہی:..... صحابہ حجت ہیں اگرچہ ان کا نام نہ بھی ذکر کیا جائے مثال کے طور پر کوئی تابعی بیان کرے کہ مجھے آپ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک نے بتایا، یہ بات خطیب بغدادی نے الکفایہ میں احمد بن حنبل اور دوسروں سے نقل کی ہے۔ لیکن تابعی کے لیے ایسا نہیں ہے اگر تابعی کا نام مذکور نہ ہو تو اسے مجہول قرار دے دیا جائے گا یہ بات اہل علم کے ہاں معروف ہے۔

آٹھویں گواہی:..... الکفایہ میں صحابہ کرام کی تعریف و توصیف کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ (صحابہ) تمام تعدیل کرنے والوں اور تزکیہ دینے والوں سے جو کہ ان کے بعد ہیں قیامت تک ان تمام سے وہ (صحابہ) افضل ہیں اور تمام علماء کا یہ مذہب اور تمام اہل فقہ کا یہ ہی مسلک ہے۔

نویں گواہی:..... ذہبی ابن عمر کے بارے میں کہتے ہیں ”زبردست امام وسیع علم والے، کثرت سے اتباع کرنے والے، زاہد، اعلیٰ مرتبے والے، مضبوط دین والے، بڑے محترم تھے۔ (الخلاصۃ للخزرجی) اور تذکرۃ الحفاظ میں کہتے ہیں ”خلافت کی صلاحیت رکھتے تھے اس لیے حکیم کے دن ان کا نام بھی خلافت کے لیے لیا گیا تھا باوجود اس کے کہ حضرت علی جیسا امام موجود تھا اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص موجود تھے اور بھی محترم صحابہ موجود تھے اور ان کے فضائل بہت ہیں آپ ﷺ نے بالتصریح ان کی تعریف فرمائی اور صالح انسان قرار دیا۔ اور تذکرہ میں علقمہ کے متعلق لکھا کہ ”فقہ، امام، ماہر، خوبصورت تلاوت والے جیسا کہ

الكفاية عن احمد بن حنبل وغيره بخلاف التابعى فانه ان لم يسم يطلق عليه الجهالة كما لا يخفى على الماهر بهذا الشأن وباللہ تعالیٰ التوفيق .

الشاهد الثامن: ..... قال الخطيب فى الكفاية بعد ثنائه على الصحابة ” وانهم افضل من جميع المدلين والمزكين الذين يجيئون من بعد هم ابد آلا بدين لهذا مذهب كافة العلماء ومن يعتد بقوله من الفقهاء .

الشاهد التاسع: ..... قال الذهبى فى ابن عمر ” وكان اما ما ستينا واسع العلم كثير الاتباع وافر النسك كبير القدر متين الدربانة عظيم الخرمة ” كما فى الخلاصة للخزرجى .

وقال فى تذكره الحفاظ فى ترجمة ” وكان يصلح للخلافة فعين بذلك يوم الحكمين مع وجود مثل الامام على رضى الله عنه وفتح العراق سعد ونحوهما رضى الله عنهما ومناقبه جملة اثنى عليه النبى صلى الله عليه وسلم بالصلاح “

وقال فى التذكرة ” فى ترجمة علقمة كان فقيهاً اما ما بارعاً طيب الصوت بالقرآن شيئاً فيما ينقل صاحب خير وورع كان يشبه ابن مسعود فى هدية وفقه وسمته وفضله “ . ” أهـ “

الشاهد العاشر: ..... وهو من اصرح الشواهد - اخرج الخطيب فى تاريخه عن الشعبى قال كان الفقهاء بعد اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بالكوفة فى اصحاب عبد الله بن مسعود هؤلاء علقمة بن قيس النخعى وذكر آخرين .

قال المؤلف: ..... وهذا الشاهد وان كان فى سنده شىء لكن يتقوى بالشواهد المذكورة وهذا الشاهد تدل صراحة بان ابن عمر افقه من علقمة فقد صرح الشعبى بلفظ ” كان الفقهاء بعد اصحاب رسول ﷺ “ الخ فافهم .

قال المؤلف: ..... فتلك عشرة كاملة تدل دلالة واضحة على ان ابن عمر افضل من علقمة بدرجات كثيرة فمن جعل علقمة بمقابلة ابن عمر فقد طعن فى اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم نعوذ بالله من ذلك .

فان قلت: ..... فان قابوس بن ابى ظبيان قلت لابي لاي شىء كنت تدع الصحابة وتانى علقمة قال ادركت ناساً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم يسالون علقمة ويستفتونه كذا فى تذكرة الحفاظ للذهبي .

منقول ہے، بھلائی اور پرہیزگاری والے تھے، اور سیرت کردار اور گفتگو اور فقہ میں ابن مسعود کے مشابہ تھے۔ دسویں گواہی:..... اور یہ واضح ترین گواہیوں میں سے ہے۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں شععی سے نقل کرتے ہیں کہ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کوفے میں فقہاء عبداللہ بن مسعود کے شاگرد تھے پھر علقمہ بن قیس اور دوسروں کا ذکر کیا۔

راقم کہتا ہے:..... یہ گواہی اگرچہ اس کی سند میں کچھ کلام ہے لیکن مذکورہ بالا شواہد سے متفق ہے اور شععی نے یہاں پر صراحت سے کہا کہ فقہاء، صحابہ کے بعد اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ابن عمر علقمہ سے افضل ہے۔

راقم کہتا ہے:..... تو یہ پورے دس شواہد واضح طور پر دلالت کرتے ہیں کہ ابن عمر علقمہ سے بدرجہ افضل ہیں اور جس نے علقمہ کا ابن عمر سے موازنہ کیا اس نے صحابہ کرام پر طعنہ زنی کی، اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ اگر کوئی کہے:..... کہ قابوس بن ابی ظبیان نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کس لیے آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جاتے تھے تو انہوں نے کہا کہ میں نے صحابہ کرام میں سے بعض کو پایا کہ وہ علقمہ کے پاس جاتے ان سے مسائل پوچھتے اور فتویٰ لیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

اس کا جواب:..... یہ کہ اس روایت پر تین وجوہات کی بناء پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً:..... قابوس کی عدالت میں کلام ہے۔ صاحب تقریب کا اس کے بارے میں کہنا ہے کہ ”فیہ لین“ میزان میں ہے کہ ابن معین بہت سختی سے اس کی تردید کرتے تھے۔ باوجود اس کے توثیق بھی کی ہے۔ ابو حاتم نے کہا ”لا یحتج بہ“ قابل حجت نہیں۔ نسائی نے کہا ”لیس بالقوی“ قوی نہیں ہے ابن حبان نے کہا ”ردی الحفاظ“ یادداشت خراب ہے۔ اپنے باپ سے ایسی منفرد روایات لاتا ہے جن کی اصل ہی نہیں ہوتی کبھی مرسل کو مرفوع اور موقوف کو مسند بنا دیتا ہے۔

راقم کہتا ہے:..... لہذا صاحب ترجمہ اگرچہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ابن عدی نے کہا کہ لا باس بہ ساتھ میں حافظ نے بھی ”فیہ لین“ کہہ کر تھوڑے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ حجت نہیں ہے جیسا کہ ابو حاتم نے کہا کہ لا یحتج بہ۔

اگر کوئی کہے کہ ابن عدی معتدلین میں سے ہے جیسا کہ تم کئی مقامات پر صراحت سے کہہ چکے پھر یہاں کس طرح اس کی مخالفت کرتے ہو؟

ہمارا جواب: یہ کہ تین وجوہات کی بنا پر۔

اول:..... یہ کہ ایک اور معتدل نے اس کی یہاں مخالفت کی ہے اور کہا کہ ”لیس بذاک“ ایسا خاص نہیں

قلنا:..... وباللہ تعالیٰ التوفیق هذا الخبر يعتبر به لثلاثة وجوه :

احدها:..... ان قابوساً فيه كلام " فقد قال فيه صاحب التقريب " فيه لين وقال فى الميزان كان ابن معين شديد الحط عليه على انه قد وثقه وقال ابو حاتم لا يحتج به " وقال النسائى ليس بالقوى " وقال ابن حبان ردى الحفظ ينفرد عن ابيه ما لا اصل له فر بما يرفع المراسيل واسند الموقوف " .

قال المؤلف:..... فالمرجم وان كان لا باس به كما قال ابن عدى مع قول الحافظ " فيه لين " لكن لا يحتج به كما صرح ابو حاتم . فان قلت :- ان ابن عدى من المعتدلين كما صرحتم بذلك فى مقامات شتى فكيف تخالفونه ههنا .

قلنا:..... وباللہ التوفیق الجواب لهذا القول بثلاثة وجوه .

احدها:..... انه قد خالفه معتدل آخر - وهو احمد بن حنبل ، فقال " ليس بذلك " كما فى الميزان وقول احمد ارجح من قول ابن عدى لو جود كثرة الشواهد وقد جرحه ايضاً سواء من ذكرنا لهم ذكر فى التهذيب فلا معنى لرجائه يقوله " ارجو انه لا باس به . "

وثانيها:..... انه لو سلمنا انه لا باس به فانها لا يضرنا لو جهين .

احدهما:..... ان قول ابن عدى فى غير ما رواه عن ابيه فقد صرح ابن حبان كما عرفت - انه ينفرد عن ابيه بما لا اصل له .

وهذه روايته عن ابيه كما تراها فلا يفيدهم كلام ابن عدى اصلاً .

ثانيها:..... ان الترك هذا الخبر وجهين باقين فلا يضرنا ان سلمنا تو ثيق قابوس فافهم .

والجواب الثالث:..... ان ابن عدى المعتدل قد ضعف اما مكم ابا حنيفة فلم تخالفونه هناك فما هو جوابكم فهو جوابنا .

والوجه الثانى:..... لعدم الا اعتبار بهذا الخبر ان الذهبى لم يذكر رجال السند الباقيين لنرى حالهم فكيف نعتمد عليه .

والوجه الثالث:..... ان هذا الخبر يخالف الشواهد المذكوره فما مقداره مع كونه فى غاية البطلان بالنسبة الى تلك الشواهد المذكورة فافهم — .

ہے جیسا کہ میزان میں ہے لہذا احمد کا قول ابن عدی سے راجح ہے اس کے لیے شواہد بکثرت موجود ہیں اور ہم نے جن کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ بھی علماء نے اس پر جرح کی ہے جیسا کہ تہذیب میں مذکور ہے۔ اس لیے ابن عدی کی امید کی کوئی وجہ نہیں رہتی جب وہ کہتے ہیں کہ ”ارجوانہ لا باس بہ“ مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوم:..... اور اگر مان لیا جائے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر بھی ہمیں کوئی نقصان نہیں دو وجوہات سے۔ اول:..... کیونکہ ابن عدی کا یہ قول اس کی ان روایات کے متعلق ہے جو کہ وہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتا ہے جیسا کہ ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ وہ اپنے باپ سے ایسی منفرد روایات لاتا ہے جن کی اصل ہی نہیں ہوتی۔ اور یہ روایت بھی اپنے باپ سے کر رہا ہے لہذا ابن عدی کے اس قول سے اسے یہاں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

دوسرا:..... یہ کہ اس روایت کو ترک کرنے کی دو وجہیں ابھی باقی ہیں لہذا قابوس کی توثیق سے ہمیں کوئی ضرر نہیں۔ سوم:..... ابن عدی جو کہ معتدل ہے اس نے تمہارے امام ابوحنیفہ کو ضعیف قرار دیا ہے پھر وہاں تم اس کی مخالفت کیوں کرتے ہو؟ اس بات کا جواب جو تمہارا ہوگا وہ ہی ہمارا جواب سمجھے۔

ثانیا:..... ذہبی نے روایت کی سند کے باقی رجال کا ذکر نہیں کیا تا کہ ہم ان کا حال دیکھ سکیں لہذا ہم اس پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں۔

ثالثاً:..... یہ روایت مذکورہ بالا شواہد کے مخالف ہے لہذا اس کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے حالانکہ ان شواہد کے مقابلے میں یہ بالکل بے کار روایت ہے۔

راقم کہتا ہے:..... اگر ہم اس روایت کا ثبوت تسلیم بھی کر لیں اگرچہ ان کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ سورج سے زیادہ روشن ہے پھر بھی ہمیں اس سے کوئی نقصان نہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اولاً: یہ روایت بحث سے خارج ہے کیونکہ بحث اس بات پر ہے کہ ابن عمر اور علقمہ میں سے فقہ میں برتر و بلند کون ہے؟ جبکہ اس روایت میں کسی فریق کے لیے کوئی دلیل نہیں بنتی کیونکہ الفاظ یہ ہیں کہ ”میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ میں سے بعض کو پایا یہاں یہ تصریح نہیں کہ کیا ابن عمر بھی ان میں شامل تھے یا نہیں؟ لہذا اس دلیل فاسد کو یہاں لانے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

اگر کوئی کہے:..... کہ ”ان انا سا“ اپنے عموم میں ابن عمر اور دوسروں کو شامل ہے اور بولنے والے نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اسی لیے ہم اسے دلیل کے طور پر لائے ہیں جیسا کہ امام بخاری جو کہ تمہارے ہم مسلک ہیں ”انہوں نے“ جزء رفع الیدین“ میں کہا ہے کہ حسن اور حمید بن حلال کے آثار ذکر کرنے کے بعد۔ جن



قال المؤلف: ..... ولو سلمنا ان هذا الخبر صحيح ثابت وان كان بطلانه ظاهراً بل اظهر من الشمس لما يضرنا لو جوه "أما أولاً" فان هذا الخبر خارج عن محل النزاع اذا النزاع في ان ابن عمر افقه وافضل من علقمة أوهما متساويان في الفقه وليس في هذا الخبر دليل لا حد الطرفين لان لفظ هذا الخبر "ادركت ناساً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم.....الخ" وليس فيه تصريح بان ابن عمر كان يجي عنده ويسال عنه فلا معنى لا يراد هذا الدليل الفاسد في معرض الاستدلال .

فان قلت: ..... ان لفظه "ان انا ساء" بعمومه يشمل ابن عمر وغيره ولم يستثن المتلفظ من لفظه ذلك احدا منهم فلماذا اوردناه في معرض الاستدلال ومثل هذا فعل الامام البخارى- وهو رجل من اصحابكم- في جزء رفع اليدين فانه قال بعده ذكر اثر الحسن قال كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا ايديهم المرادح يرفعونها اذا ركعوا واذا رفعوا رو سهم واثر حميد بن هلال كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم اذا صلوا كان ايديهم فلم يستثن الحسن وحميد بن لال احدا من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم دون احدا .

قلنا: ..... هذا باطل بابوجهين احدهما: ان كلام امام الائمة البخارى صحيح بلاريب لان لفظ الحسن وحميد كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عام يشمل جميعهم ولم يصح عند البخارى دليل يخص هذا العموم فلذلك قطع بذلك بخلاف هذا الخبر المبحود عنه فانه مخصوص بالأدلة اللائحة المصرحة بان ابن عمر فوق علقمة بدرجات فافهم .

وثانيهما: ..... ان لفظ ابى ظبيان في الخبر المذكور لا يدل على العموم بل على التبييض لان لفظه ادركت ناساً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لفظ "من" هذا للتبويض كما لا يخفى على الماهر بهذا الشأن بخلاف كلام الحسن وحميد المذكور فان ظاهر مفهومها العموم كما لا يخفى على اولي النهى فكيف اجترئت ايها الملزم بهذا السؤال الردى الذي لا يقبله المفخم .

واما ثانياً: ..... فان مراد قوله "وهم يسالون علقمة ويستفتونه" انهم يسالونه عن احاديث النبي صلى الله عليه وسلم ويقولون له اخبرنا انهم عن حديث بلغك عن

میں ہے کہ ”اللہ کے رسول کے صحابہ رکوع میں جاتے اور لوٹتے اس طرح اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے گویا کہ نچکے ہیں“ امام بخاری کہتے ہیں کہ انہوں نے اصحاب نبی کہا اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اراخ۔  
ہمارا جواب:..... یہ اعتراف اور استدلال دو وجوہات سے باطل ہے۔

اولا:..... امام الائمہ امام بخاری کی بات بالکل درست ہے کہ حسن اور حمید کے الفاظ ”کان اصحاب النبی“ عام ہے سب کو شامل ہے اور امام بخاری کے نزدیک کوئی دلیل ثابت نہ ہو سکی جو اس عموم کی تخصیص کر سکے اسی لیے انہوں نے یہاں قطعی حکم لگایا بخلاف اس ناقابل اعتبار روایت کے کیونکہ اس کے مقابل واضح دلائل موجود ہیں کہ ابن عمر علقمہ سے بدرجہا افضل ہے۔

ثانیا:..... خیر مذکور میں ابوظبیان کے الفاظ تبعیض یعنی کچھ کا مفہوم لیے ہوئے ہیں کیونکہ الفاظ یہ ہیں کہ ”ادرکت ناسا من اصحاب رسول اللہ“ یہاں پر ”من“ تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے صحابہ میں سے بعض کو پایا اور یہ بات اہل علم کے لیے ظاہر ہے جبکہ حسن اور حمید کی بات بظاہر عموم پر دلالت کرتی ہے اور یہ بھی ظاہر و باہر ہے لہذا جو کہ اہل علم کے ہاں کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

ثانیا:..... بشرط تسلیم اس روایت کے الفاظ ”یسالونہ ویستفتونہ“ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی احادیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور پوچھتے تھے کہ فلاں مسئلے میں اگر تمہیں آپ ﷺ کی کوئی حدیث پہنچی ہو تو ہمیں بتاؤ نہ کہ اس کی رائے پوچھتے تھے کیونکہ صحابہ کرام احادیث رسول سننے کے حریص تھے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے سواری خریدی اور مصر کا سفر کیا تا کہ عقبہ بن عامر سے حدیث پوچھیں اور پھر مدینہ لوٹ آئے جیسا کہ حاکم کی ”معرفۃ علوم الحدیث“ میں ہے رہی رائے تو تمام صحابہ اس کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کی ہم نے اپنی کتاب ”الدلیل الصحیح فی ذم الراۃ القبیح“ میں جمع کر دی ہیں لہذا اسے دیکھ لو تمہارا دل خوش ہو جائے گا اور فکر صحیح حاصل ہوگی۔

ثالثا:..... اگر بالفرض ہم مان لیں کہ صحابہ علقمہ سے فتویٰ لیتے تھے تب بھی یہ بات علقمہ کا مقام صحابہ کے مقام تک پہنچانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ عمل تو وضع اور ہضم نفس کے لیے کر رہے ہوں اور یہ بات تو ہمارے حنفی بھائیوں کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہے کہ جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔  
راقم کہتا ہے:..... رہی یہ بات کہ ”ولأسود له فضل كثير“ یہ بات درست ہے لیکن بہر حال اسود کی فضیلت کا موازنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے نہیں کیا جاسکتا جو کہ ہدایت کے سورج اور درایت کے پورے چاند ہیں اور یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے افضلیت میں مقدم ہیں:

راقم کہتا ہے:..... باقی یہ فرمان کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو یہ بات بھی بالکل درست ہے

النبي ﷺ في مسألة فلانة ولم يبلغنا بخلاف رايه لانهم كانوا حريصين على سماع حديث النبي صلى الله عليه وسلم الا ترى ان جابراً سار الى مصر واشترى راحلة فركبها حتى سال عقبه بن عامر عن حديث وانصرف الى المدينة . كما في معرفة علوم الحديث للحاكم - واما الراي فكان الصحابة كلهم يذمونه وقد استقصيت اخبارهم في كتابنا المسمى "بالدليل الصحيح في ذم الراي القبيح" فعليك به فان فيه ما ليس نظرك وينفع فكرك .

اما ثالثاً:..... فلو تنزلنا وقلنا ان الصحابة كانوا يستفتونه لكن لا يتابع لذلك مرتبة علقمة الى مرتبة الصحابة وعلمه الى علمهم لانه يحتمل ان يكونوا يسالونه هصما لانفسهم ومن المعلوم الذي سلمه اخواننا الاحناف ايضاً اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فافهم .

قال المؤلف:..... واما قوله "والا سودله فضل كثير" فصحيح لكن ليس له - نفى اسود - مقدار بالنسبة الى احد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم الذين هم شمس الهداية الطالعة وبدور الدراية البازغة كما لا يخفى على اولى النهي .

قال المؤلف: واما قوله ..... عبدالله يعنى ابن مسعود - عبدالله فصحيح ايضاً لا شك فيه لانه نفى ابن مسعود صحابى لا يشك في علمه وورعه وفقهه وبراعته واما مته وجلالته وثبته واتقانه الا من اتبع الشيطان الرجيم وقنط من رحمة الرحمن الرحيم ولكن عبدالله بن عمر افضل منه بلا شك وانا ان شاء الله تعالى نذكر الشواهد على ذلك .

الشاهد الاول:..... قال جابر بن عبدالله الانصارى رضى الله عنه ما منا احد ادرك الدنيا الا مالت به ومال بها الا ابن عمر كذا في التهذيب .

قال المؤلف:..... فهذا دليل واضح وبرهان لا ئح على ما ادعيناه فانه لا يشك من له ادنى مهارة بفن الرجال في روية ابن مسعود لجابر رضى الله تعالى عنهما فافهم بالله تعالى التوفيق .

الشاهد الثانى:..... قال جابر رضى الله عنه لم يكن احد . منهم اى من الصحابة الزم لطريق رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اتبع . ابن عمر كذا في تهذيب الاسماء للنواوى .

بغیر کسی شک و شبہ کے کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں اور ان کے علم، ورع، فقہ، براعت، امامت، جلالت، اعتبار اور مہارت میں وہ ہی شک کر سکتا ہے جو شیطان مردود کا پیروکار اور رحمان و رحیم سے بیزار ہو۔ لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان سے بغیر کسی شک و شبہ کے افضل ہیں اور اس کے دلائل ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

پہلی دلیل: ..... جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی نہیں کہ جس نے دنیا کو پایا پھر دنیا نے اسے پھیر دیا یا وہ دنیا کے ساتھ پھر گیا مگر عبداللہ بن عمر۔ (التہذیب)

راقم کہتا ہے: ..... یہ ہمارے دعوے کی واضح دلیل ہے کیونکہ جو تھوڑا بہت بھی فن رجال جانتا ہو اس کے علم میں ہوگا کہ جابر نے عبداللہ بن مسعود کو بھی پایا اور دیکھا تھا۔

دوسری گواہی: ..... جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ ﷺ کے صحابہ میں سے کوئی بھی عبداللہ بن عمر سے زیادہ آپ کے طریقے کو لازم پکڑنے والا اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والا نہ تھا۔

(تہذیب الاسماء للنووی)

تیسری گواہی: ..... جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو امام سعید بن مسیب نے کہا کہ وہ اس حال میں فوت ہوئے کہ دنیا میں کوئی مجھے ان سے زیادہ محبوب نہ تھا کہ ان جیسے عمل کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہوں۔ (التہذیب)

چوتھی گواہی: ..... حافظ ابن حجر تقریب میں زہری سے نقل کرتے ہیں کہ ان کی جلالت قدر، ثبوت اور اتقان پر اجماع ہے اور تہذیب میں کہا کہ ہم ابن عمر کی رائے کے مقابل کسی کو ترجیح نہیں دیتے۔

راقم کہتا ہے: ..... جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ بھی اس بات میں شک نہیں کرے گا کہ زہری تک ابن مسعود کی رائے بھی ضرور پہنچی ہوگی۔

پانچویں گواہی: ..... نووی تہذیب الاسماء میں ابن عمر کے متعلق کہتے ہیں اور ان کے مناقب بہت اور مشہور و معروف ہیں بلکہ آپ ﷺ کی متابعت میں ان کی نظیر کیا ہے ہر قسم کے اقوال، افعال اور دنیا اور اس کے مقاصد سے بے رغبتی اور ریاست کی طمع نہ ہونا اور اس کے علاوہ بھی بہت سے فضائل و مناقب۔

چھٹی گواہی: ابن عمران (۶) چھ صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے بکثرت روایت کی ہے بخلاف ابن مسعود کے اور وہ (۶) چھ بالترتیب ابوہریرہ، ابن عمر، انس، ابن عباس، جابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ (تہذیب الاسماء للنووی)

ساتویں گواہی: ..... ابن مسعود ان چار عبادلہ (عبداللہ نام والے) مشہور صحابہ میں سے ہیں جن کے فتاویٰ پر بھروسہ کیا جاتا ہے بخلاف ابن مسعود کے کہ ان کا شمار ان میں نہیں کیا جاتا۔ تہذیب الاسماء میں نووی

الشاهد الثالث: ..... قال الامام سعيد بن المسيب - يوم مات ابن عمر - مات وما فى الارض احب الى ان القى الله تعالى بمثل عمله منه كذا فى التهذيب .

الشاهد الرابع: ..... قال الامام الزهرى . المتفق على جلالته وثبته واتفانه كما فى التقريب لا نعدل برأية يعنى ابن عمر احد كذا فى التهذيب .

قال المؤلف: ..... لا يشك من له اقل بصيرة فى ان الزهرى قد بلغه راي ابن مسعود رضى الله تعالى عنه ايضاً فتدبر .

الشاهد الخامس: ..... قال النووى فى تهذيب الاسماء - فى ترجمة ابن عمر - ومناقبه كثيره مشهوره بل قل نظيره فى المتابعة لرسول الله صلى الله عليه وسلم فى كل شى من الاقوال والافعال فى الزهادة فى الدنيا ومقاصدها والتطلع الى الرياسة وغيرها . أهـ .

الشاهد السادس: ..... ان ابن عمر احد الستة الذين هم اكثر الصحابة رواية عن النبى صلى الله عليه وسلم بخلاف ابن مسعود وهم ، ابو هريرة ثم ابن عمر ، ثم انس ،

ثم ابن عباس ، ثم جابر ثم عائشة كذا فى تهذيب الاسماء للنواوى

الشاهد السابع: ..... ان ابن عمر احد العبادلة الاربعة المشهورة المعتمدة على فتاؤهم بخلاف ابن مسعود فقد قال النووى فى تهذيب الاسماء فى ترجمة عبدالله بن

الزبير:

”واعلم ان عبدالله بن الزبير هو احد العبادلة الاربعة وهم (١) عبدالله بن عمر

(٢) عبدالله بن عباس (٣) عبدالله بن الزبير (٤) وعبدالله بن عمر وبن العاص

هكذا سماهم احمد بن حنبل وسائر المحدثين وغيرهم قيل لانه تقدمت وفاته

وهؤلاء عاشوا طويلاً حتى احتيج الى علمهم فاذا اتفقوا على شى قيل هذا قول

العبادلة او فعلهم ويلتحق بابن مسعود فى هذا سائر المسلمين عبدالله من الصحابة

وهم نحو ما تئين وعشرين“ واما قول الجوهرى فى صحاحه “ان ابن مسعود احد

العبادلة الاربعة واخرج وابن عمرو وابن العاص فغلط ظاهر نبهت عليه لئلا يغتر به

انتهى كلام النووى .

قال المؤلف: ..... وانما خطأ النووى كلام الجوهرى المذكور لانه خلاف ما قال مثل

الامام احمد بن حنبل وسائر المحدثين ، كما عرفت انفاً .

کہتے ہیں عبد اللہ ابن الزبیر کے حالات میں ”اور یاد رکھو کہ عبد اللہ بن الزبیر چار عبادلہ میں سے ہیں اور وہ ہیں عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن الزبیر اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ احمد بن حنبل اور تمام محدثین نے اسی طرح ان کے نام بیان کئے ہیں احمد بن حنبل سے کہا گیا تو ابن مسعود؟ کہا کہ وہ ان میں سے نہیں ہیں۔ بیہتی کہتے ہیں کیونکہ ان کی وفات پہلے ہو گئی تھی اور یہ طویل عرصے تک زندہ رہے تھے یہاں تک کہ ان کے علم کی حاجت ہوئی پس جب وہ کسی امر پر متفق ہو جائیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ عبادلہ کا قول ہے۔ باقی نام عبد اللہ تو اس میں ابن مسعود کے ساتھ باقی سارے صحابہ عبد اللہ نام والے بھی شامل ہیں جو کہ تقریباً ۲۱۰ دوسو دس ہیں رہا جوہری کا یہ کہنا اپنی لغت میں کہ ابن مسعود چار عبادلہ میں سے ایک ہیں اور ابن عمرو بن العاص کو انہوں نے شامل نہیں کیا وہ ایک غلطی ہے۔ میں نے اس پر متنبہ کر دیا تاکہ کوئی غلطی میں نہ پڑے انتھی کلام النووی۔

راقم کہتا ہے:..... نووی نے جوہری کی بات غلط قرار دی اس لیے کہ یہ بات احمد بن حنبل اور تمام محدثین کے اقوال کے خلاف ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا۔

اور یہ بات تو مسلمہ ہے کہ ان ائمہ کے مقابلے میں جوہری کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آٹھویں گواہی:..... یحییٰ بن یحییٰ التیمی نے امام مالک سے پوچھا کہ ”کیا آپ نے مشائخ سے یہ نہیں سنا کہ جس نے ابن عمر کا قول لیا اس نے تحقیق کی انتہا کو پایا ہے امام مالک نے کہا کہ ہاں!

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

نویں گواہی:..... ابو جعفر محمد بن علی کہتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی حدیث رسول سننے کے بعد اس معاملے میں کم یا زیادہ سے بچنے میں عبد اللہ بن عمر سے زیادہ محتاط نہ تھا۔

تو یہ دلیلیں ہمارے دعوے کی تصدیق اور مخالف کے دعوے کی تکذیب کرنے کے لیے کافی ہیں والحمد للہ راقم کہتا ہے:..... اللہ کے فضل و کرم سے یہ بات ظاہر ہو چکی کہ یہ مناظرہ اگرچہ سنداً باطل ہے لیکن اگر نہ ہوتا تب بھی ہمارے لیے ضرر رساں نہیں جیسا کہ تم دیکھ چکے کہ ہم نے تمام اعتراضات کے مسکت جوابات دے دیے۔

اجمالی جواب:

راقم کہتا ہے:..... اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب ہم اس مناظرے کے تفصیلی جوابات سے فارغ ہو چکے تو پھر ہمارا ارادہ ہے کہ اجمالی جواب بھی دے دیں تاکہ پہلے جوابات کی تقویت ہو اور تائید مکمل ہو جائے لہذا۔ ہمارا دعویٰ ہے:..... کہ راوی کا فقیہ ہونا وجوہ ترجیح میں سے ہے ہی نہیں۔ امام حازمی نے کتاب الاعتبار

ومن المعلوم ان الجوهرى ليس له مقدار بالنسبة الى هو لآء الائمة فافهم وبالله تعالى التوفيق .

الشاهد الثامن:..... قال يحيى بن يحيى التيمى لما لك اليس قد سمعت المشائخ يقولون من اخذ بقول ابن عمر لم يدع من لاستقصاء شيئاً قال نعم كذا فى تذكرة الحفاظ للحافظ شمس الدين الذهبى .

الشاهد التاسع:..... قال ابو جعفر محمد بن على لم يكن من الصحابة اذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم حدثنا احذر الا يزيد فيه او ينقص منه ولا ولا من ابن عمر كذا فى التذكرة الذهبى .

قال المؤلف:..... فهذه الشواهد تدل على ادعينا وتكذيب ما ادعاه مخالفنا والحمد لله على ذلك .

قال المؤلف:..... فقد ظهر بفضل الله تعالى ومنه وكرمه ان هذه المناظرة مع كونها باطلة - لا يضرنا اصلاً فانا - كما رأيت - قد اجبنا عنها لما يشفى الغليل ويروى الغليل والحمد لله كثير والله اكبر كبيراً وسبحان الله بكرة واصيلاً .

### الجواب الاجمالى

قال المؤلف:..... لَمَّا فرغنا بتوفيق الله تعالى عن استيعاب الاجوبة عن هذه المناظرة على سبيل التفصيل اردنا ان نجيب عن هذه المناظرة بالجواب الاجمالى ليقوى الاول ويؤيده بالتأييد الايحمل - فنقول وبالله التوفيق :-

ان كون الراوى فقيهاً ليس من وجوه الترجيحات لان الامام الحازمى قد ذكر فى كتاب الاعتبار خمسين وجوهاً للترجيه ولم يذكر هذا الوجه الردى الفاسد الذى ليس له مقدار عبدالعالم الناقد آلا انه قال الوجه الثالث والعشرون أن يكون فقهاء رواة احد الحديثين مع تساويهم فى الحفظ والاتقان فالاسترواح الى حديث الفقهاء اولى . "أه"

قال المؤلف:..... هذا معقول لكن ليس ههنا كذلك فانك قد عرفت من كلامنا اننا فى ديواننا هذا ان رواه حديث ابن عمر<sup>رض</sup> كلهم احفظ واتقن من رواه حديث ابن مسعود<sup>رض</sup> على الاطلاق فكيف يرجح حديث ابن مسعود على حديث ابن عمر لانك

میں پچاس (۵۰) وجوہ ترجیح بیان کی ہیں مگر یہ بیکار وجہ ترجیح بیان نہیں کی جس کی اہل علم ناقدین کے نزدیک کوئی حیثیت ہے ہی نہیں۔ مگر انہوں نے یہ ضرور کہا ہے کہ تیسویں (۲۳) وجہ ترجیح یہ کہ دونوں مختلف حدیثوں کے راوی حفظ و اتقان میں برابر ہوں تو فقہاء کی روایت کو اختیار کرنا بہتر ہے۔

راقم کہتا ہے:..... یہ ایک معقول بات ہے۔ مگر مسئلہ زیر بحث میں ایسا ہے ہی نہیں کیونکہ ہمارے اس رسالے کی مذکورہ بالا بحث سے آپ جان چکے ہیں کہ عبداللہ بن عمر والی روایت کے راوی حفظ و اتقان میں مطلقاً ابن مسعود والی روایت کے راویوں سے افضل ہیں تو پھر ابن مسعود کی روایت کو کس طرح ترجیح دی جاسکتی ہے؟ کیونکہ امام حازمی کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ راویوں کا حفظ و اتقان میں برابر ہونا اس وجہ ترجیح میں شرط ہے اور تسلیم شدہ امر ہے کہ شرط معدوم ہو تو مشروط بھی معدوم ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ:..... صاحب نور الانوار نے المنار کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ تفریق معروف بالفقہ والہدایہ کے عیسیٰ بن ابان کا مسلک ہے اور اکثر متاخرین نے اس کی متابعت کی ہے۔ ہمارا جواب:..... یہ بات قابل بھروسہ نہیں۔

اولاً:..... یہ کہ صاحب نور الانوار کا قول اصحاب حدیث کے مقابلے میں کوئی حجت نہیں۔ محدثین نے راوی کی روایت کی ترجیح کے لیے فقیہ ہونے کی کوئی شرط نہیں لگائی۔ لہذا ہم ایسے شخص کے قول پر کیا بھروسہ کریں جو کہ فن حدیث جانتا ہی نہیں اور وہ بھی ان کے مقابلے میں جن کی زندگیاں اس علم کی خدمت میں گزر گئیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ ہر فن کے لیے الگ لوگ ہوتے ہیں۔ امام احمد بن سرح کہتے ہیں کہ اہل حدیث فقہاء سے درجے میں بہت بلند ہیں (المیزان الکبریٰ للشعرانی) امام شافعی فرماتے ہیں اہل حدیث کو لازم پکڑ لو کیونکہ وہ دوسروں سے زیادہ صحیح ہیں (توالی التاسیس لابن حجر والاداب الشرعیہ لابن مفلح المقدسی) امام ابن یوسف جو کہ امام ابوحنیفہ کے سب سے لائق شاگرد ہیں ایک روز نکلے تو علماء حدیث دروازے پر کھڑے تھے تو کہا ”ما علی الارض خیر منکم“ زمین پر تم سے بہتر کوئی نہیں۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادی)

راقم کہتا ہے:..... تو یہ قطعی دلائل دلالت کرتے ہیں کہ محدثین فقہاء سے مطلقاً افضل ہیں لہذا محدثین کے قول کے مقابلہ میں ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اس کے ساتھ ساتھ عبدالحی حنفی لکھنوی کا یہ قول غیث الغمام میں اور یہ بات مدفوع ہے کیونکہ فقہ میں ان کی بزرگی اور برتری سے یہ لازم نہیں آتا کہ روایت حدیث میں ان کی بات قابل قبول ہو، کیونکہ بہت سے جلیل القدر فقیہ اور عزت مآب صوفی حدیث کی روایت میں متساہل رہے ہیں لہذا ہر فن کے لیے الگ لوگ اور ہر مقام کے لیے الگ قول ہوتا ہے۔ اور امام الکلام میں کہتے ہیں کہ صاحب نہایہ اور ہدایہ کے شارحین کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ محدثین میں سے نہیں



يا طالب الحق قد عرفت من كلام الحازمي رحمة الله تعالى ان كون رواية الحديثين متساويين في الحفظ والاتقان شرط في هذا الوجه ومن المعلوم انه اذا فات الشرط فات المشروط . وبالله تعالى التوفيق .

فان قلت :..... قال صاحب نور الانوار في شرح المنار ثم التفرقة بين المعروف بالفقه والهداية مذهب عيسى بن ابان وتابعه اكثر المتأخرين . قلنا :..... هذا لا يعتبر به بوجوه .

اما اولاً :..... فلانه لا حجة في قول صاحب نور الانوار هذا بمقابلة قول اصحاب الحديث فافهم . "يعنى المحدثين" لم يشترطوا كون الراوى فقيها الترجيح روايته على رواية غيره فكيف نعتمد على قول من لا يحسن الصناعة في فن الحديث بمقابلة قول من خلق للحديث الشريف ومن المعلوم الذي لا يخفى على احد ان لكل فن رجالاً - قد قال الامام احمد بن سريح "اهل الحديث اعظم درجة من الفقهاء كما في الميزان الكبرى للشعراني وقال الامام الشافعي رحمه الله تعالى" عليكم باهل الحديث فانهم اكبر صوابا من غيرهم كما في توالى التأسيس لابن حجر والآداب الشرعية لابن مفلح المقدسى خرج الامام ابو يوسف القاضى وهو من ارشد تلاميذة الامام ابى حنيفة رحمهما الله تعالى يوماً واصحاب الحديث على الباب فقال ما على الارض خير مسلم كذا في شرف اصحاب الحديث للخطيب البغدادي .

قال المؤلف :..... فهذه الدلائل القطعية تدل على ان المحدثين افضل من الفقهاء على الاطلاق فلا عبره بقولهم بمقابلة قول المحدثين مع ما قال الشيخ محمد عبدالحى الحنفى في غيث الغمام "ويدفع بان جلالة قدره في الفقه لا يستلزم قبول قوله ونقله في الروايات الحديثية فكم من فقيه جليل وصوفى نبيل متساهل في باب الرواية الحديثية فلكل فن رجال ولكل مقام مقال " .

وقال في امام الكلام "مجيباً عما اورده صاحب النهاية من الدلائل الغير المسنده" ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية والدلائل الغير المسنده "ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقيه شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسند والحديث الى احد من المخرجين . "أهـ"

ہیں اور انہوں نے روایت کی نسبت محدثین میں سے کسی کی طرف نہیں کی ہے۔

راقم کہتا ہے:..... علامہ لکھنوی کی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ فقہاء میں سے کسی کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ اسے ہمارے ساتھی محدثین کی طرف سے سنداً بیان کر دیں، کیا ہی خوب مقام ہے یہ! اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ جسے چاہے نواز دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ثانیاً:..... صاحب نور الانوار کی اس بات کو علامہ عبدالحلیم لکھنوی نے نور الانوار کے حاشیہ قمر الاقمار میں رد کیا ہے وہ کہتے ہیں پھر جان لو کہ یہ جو عیسیٰ بن ابان اور اس کے ہم نواؤں کا مسلک ہے بعد میں بنایا جانے والا قول ہے اور سلف سے ایسی کوئی چیز منقول نہیں ہے کہ راوی کا فقیہ ہونا شرط ہو اس کی حدیث کو قیاس پر مقدم کرنے کے لیے جبکہ ہمارے بڑے امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جو کچھ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے آیا وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ محقق بات یہ ہی ہے۔

ثالثاً:..... خود صاحب نور الانوار کا بقیہ کلام اس بات کی مخالفت کر رہا ہے کیونکہ وہ مذکورہ بالا قول کے بعد کہتے ہیں رہا ”کرنی“ اور ہمارے ان علماء کا سوال تو ان کے نزدیک راوی کا فقیہ ہونا اس کی روایت کو قیاس پر مقدم کرنے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ ہر عادل راوی کی روایت قیاس پر مقدم ہے جب وہ روایت قرآن اور سنت مشہورہ کے مخالف نہ ہو۔

راقم کہتا ہے:..... صاحب نور الانوار کی اس بات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ راوی کا فقیہ ہونا اس کی روایت کی ترجیح کے لیے شرط نہیں ہے اور زیر بحث مسئلے میں بھی یہی بحث ہے لہذا اس کلام سے بھی ان کا استدلال باطل ٹھرا۔ والحمد لله على ذلك .

راقم کہتا ہے: صاحب نور الانوار کی ایک اور توضیح بھی ہماری بات کی تائید کرتی ہے وہ کہتے ہیں۔ راویوں کی تعداد مرد ہونا یا عورت ہونا یا آزاد ہونا وجہ ترجیح نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر دو متعارض روایات میں سے ایک روایت کے راوی زیادہ اور دوسری کے کم ہوں یا ایک روایت کا راوی مرد اور دوسری روایت کی راویہ خاتون ہو یا ان دونوں میں سے ایک کا راوی آزاد اور دوسری کا غلام ہو تو ان روایات میں سے کسی روایت کو ان اسباب میں سے کسی کی بنا پر ترجیح نہیں دی جائے کیونکہ اس معاملے میں اصل اعتبار راوی کی عدالت اور شرافت کا ہے اور اس چیز پر کثرت، قلت، تذکیر یا تانیث سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت سے مردوں سے بدرجہا افضل ہیں اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت سے آزاد لوگوں سے بدرجہا فضیلت والے ہیں اور چھوٹی سی فرمانبردار جماعت ایک بڑی نافرمان جماعت سے بہتر ہے۔

راقم کہتا ہے:..... تو یہ عبارت بھی واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ اس معاملے میں اعتبار راوی کی

قال المؤلف: ..... فمن كلام اللكهنوى هذا قد ظهر لنا ان كلام احد من الفقهاء لا يلتفت اليه الا ما عزوه الى احد من اصحابنا المحدثين فوانعموا وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم .

واما ثانياً : ..... فان كلامه هذا قد رده العلامة محمد عبدالحليم اللكهنوى فى حاشية على نور الانوار المسماة "بقمر الاقمار" حيث قال : "ثم اعلم ان لهذا ما ذهب اليه عيسى بن ابان ومن نحى نحوه قول محدث ولم ينقل عن السلف القدماء اشتراط فقه الراوى فى تقديم خبره على القياس وكيف وقد نقل عن امامنا الاعظم رحمه الله قال : ما جاء عن الله تعالى وعن الرسول فعلى الراس والعين كذا فى التحقيق". "أه"

واما ثالثاً : ..... فان بقية كلام صاحب نور الانوار يخالفه فانه قال بعد كلامه الذى نقلته ايها القائل ، واما عند الكرخي<sup>٢</sup> ومن تابعه من اصحابنا فليس فقه الراوى شرطاً وتقدم الحديث على القياس بل خبر كل راوى عدل مقدم على القياس اذا لم يكن يخالف الكتاب والسنة المشهورة .

قال المؤلف: ..... فمن كلامه هذا العلم ان كونه الراوى فقيهاً ليس شرطاً لترجيح روايته هذا نفس من هنا - فَبَطَّلَ تعلقهم بهذا القول جملة والحمد لله تعالى على ذلك .

قال المؤلف: ..... ثم قد وجدنا كلام صاحب نور الانوار الآخر وهو ايضاً يدل على ما قلنا قال " والترجيح لا يقع بفضل عدد الرواة ، بالذكور والانوثة والحرية يعنى اذا كان فى احد الخبرين المتعارضين كثرة الرواة وفى الآخر قلتها او كان راوى احدهما مذكراً والاخر مونثاً او راوى احدهما حراً والاخر عبداً لم يترجح احد الخبرين على الآخر بهذه المزية لان المعبر فى هذا الباب العدالة وهى لا تختلف بالكثرة والذكورة والحرية فان عائشة رضى الله عنها كانت افضل من اكثر الرجال وبلا لا رضى الله عنه كان افضل من اكثر الحرائر والجماعة القليلة العادلة افضل من الكثيرة العاصية " .

قال المؤلف: ..... فهذه العبارة ايضاً تدل دلالة واضحة على المعبر فى هذا الباب هى العدالة لا غيرها فافهم .

عدالت کا ہے اس کے علاوہ کسی اور چیز کا اعتبار نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔  
اگر کوئی کہے:..... تلوح میں ہے کہ ”اور دوسری چیز جو راوی سے متعلق ہے وہ چیز ہے فقیہ ہونے کی بنا پر  
راوی کو ترجیح دینا“

ہمارا جواب:..... اس بات کا جواب دو طرح سے ہے۔

اولا: صاحب تلوح کی یہ بات ہمارے علماء محدثین کے مقابلے میں معتبر نہیں ہے۔ اور محدثین کی رائے  
بالتفصیل بیان ہو چکی۔ اس لیے اچھی طرح غور و فکر کر کے دیکھو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

ثانیا: دوسری بات یہ کہ تلوح میں مذکور بات سے یہ مراد نہیں کہ راوی کا فقیہ ہونا وجہ ترجیح ہے بلکہ مراد یہ ہے  
کہ ایک روایت کے راوی فقیہ ہوں اور دوسری کے نہ ہوں تو ایسی صورت میں فقیہ راویوں کی روایت کو ترجیح  
دی جائے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ زیادہ فقیہ کی روایت کو کم فقیہ کی روایت پر ترجیح ہوگی۔ حالانکہ ہماری پچھلی  
بحث سے آپ جان چکے ہیں کہ ابن عمر کی روایت کے راوی مخالف روایت کے راویوں سے زیادہ فقیہ ہیں چہ  
جائیکہ وہ فقیہ نہ ہوں۔ لہذا یہ قول بھی ان کو مفید نہیں ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

راقم کہتا ہے:..... اب جبکہ ہم اللہ کے فضل و کرم سے اس مناظرے کے جوابات سے فارغ ہو چکے ہیں جو  
کہ ایک من گھڑت جھوٹا مناظرہ ہے اور ہم پھر بھی ثابت کر چکے کہ ابن مسعود کی طرف منسوب یہ روایت ابن عمر  
کی روایت پر راجح نہیں ہے۔ لہذا اب ہم ابن عمر کی روایت کے لیے وجہ ترجیح بھی بیان کیے دیتے ہیں۔  
ابن عمر کی روایت کو ابن مسعود کی روایت پر ”اے“ سترہ وجوہات سے ترجیح حاصل ہے:

پہلی وجہ:..... ابن عمر کی روایت کی سند کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ اوزاعی جن کا نام  
عبدالرحمان بن عمرو بن عبسہ السلمی وہ ایک فقیہ، ثقہ اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ اور زہری ان کا نام محمد بن  
مسلم بن عبید اللہ ہے۔ وہ ایک فقیہ حافظ الحدیث ہیں اور ان کی جلیل القدری، معتبر ہونے اور ثقہ ہونے پر  
اتفاق ہے۔

اور سالم سات مشہور مدنی فقہاء میں سے ہیں۔ ایک معتبر عبادت گزار، فضیلت کے صاحب تھے۔ سیرت  
و کردار میں اپنے والد جیسے تھے جیسا کہ تقریب میں ہے اور ابو سالم عبداللہ وہ تو عبداللہ ہیں۔

جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما والی روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے ابوحنیفہ جن کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں کہ  
انہوں نے اوزاعی سے مناظرہ کیا انتہائی ضعیف راوی ہے اور ان کی روایت سے قطعاً حجت نہیں لی جاسکتی۔  
بخاری نے اپنی تاریخ میں انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور مسلم نے جیسا کہ تاریخ بغداد میں ہے اور نسائی نے  
ضعفاء میں اور ابن سعد نے طبقات میں۔ اور اس فن کے امام ابن معین سے تاریخ بغداد میں منقول ہے۔ اور

فان قلت :..... قال فى التلويح ” والثانى يقح فى الراوى كالترجيح بفقہ الراوى “. قلنا :..... الجواب عن هذا القول بوجهين :

احد هما :..... ان قوله هذا ايضاً لا يعتبر بمقابلة قول اصحابنا المحدثين فقد عرفت ذلك مفصلاً فارجع البصر فهل ترى من فطور ثم ارجع البصر كرتين ينقلب اليك البصر خاسئاً وهو حسير .

وثانيهما :..... انه ليس المراد من قوله ما فهمته ايها القائل بل المراد منه ان يكون من رواة احد الحديثين ففهاء بخلاف الثانى فيترجح حديث الفقهاء على غيرهم لان خبر افقه راجح على خبر من هو دونه فى الفقه وقد عرفت من كلامنا ان رواة حديث ابن عمر افقه من رواة حديث ابن مسعود فضلاً لعن ان يكونوا غير فقيهين فلا يجدى هذا القول نفعاً فتدبر وبالله التوفيق .

قال المؤلف :..... لما فرغنا بفضل الله تعالى وكرمه واحسانه ومنه وامتنانه عن الاجوبة عن هذه المناظرة المكذوبة الموضوعه اثبتنا ان رواية ابن مسعود ليست براحجة على رواية ابن عمر فلنشرع فى ذكر وجوه ترجيح حديث ابن عمر على حديث ابن مسعود فنقول وبالله تعالى التوفيق .

ان الترجيحه على حديث ابن مسعود سبعة عشر وجوهاً :

الوجه الاول :..... ان سند حديث ابن عمر رضى الله عنهما لا شك فى صحة فان الاوزاعى - اسمه عبدالرحمن بن عمرو بن عنبسة السلمى فقيه ثقة جليل . والزهرى اسمه محمد بن مسلم بن عبيد الله فقيه حافظ متفق على جلالته واتقانه وثبته “

وسالم احد الفقهاء السبعة وكان ثبناً عابداً فاضلاً كان يشبه بابيه فى الهدى والسمت كما فى التقريب واما ابو سالم عبد الله فعبد الله . واما سند حديث ابن مسعود رضى الله عنه فضعيف جداً لان ابا حنيفة الذى يزعمون انه قد ناظر الامام الاوزاعى ضعيف جداً وكما يحتج بحديثه اصلاً فقد ضعفه البخارى فى تاريخه الكبير ومسلم كما فى تاريخ بغداد- والنسائى فى الضعفاء وابن سعد فى الطبقات .

ان سے ابوحنیفہ کی توثیق ثابت ہی نہیں ہے۔ اور احمد بن حنبل نے جیسا کہ عقیلی کے ضعفاء میں ہے اور حافظ ابن عدی نے الکامل میں اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اور یہ تینوں معتدلیں میں سے ہیں جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ اور ان کے علاوہ بھی اہل نقد نے اور اگر اس کی تفصیل مطلوب ہو تو ہماری کتاب ”اظہار البرأة من حدیث من کان له امام فقراء الامام له قراءة“ کا مطالعہ کر لو۔ تم حیران رہ جاؤ گے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

راقم کہتا ہے: ..... اور یہ بات طے شدہ ہے کہ صحیح روایت ضعیف روایت پر راجح ہے اور یہ وجہ اک ہی کافی ہے وباللہ التوفیق۔

دوسری وجہ: ..... ابن عمر والی روایت متصل ہے جبکہ ابن مسعود والی روایت انتہائی گری پڑی ہونے کے ساتھ منقطع بھی ہے کیونکہ ابراہیم ابوحنیفہ کے استاد کا استاد اس نے علقمہ سے نہیں سنا۔ امام علی بن المدینی جسے اللہ نے پیدا ہی علم حدیث کے لیے کیا تھا اس امر کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ نسائی نے السنن الکبریٰ میں کہا امام بخاری جزء رفع الیدین میں ابن المدینی کے لیے کہتے ہیں کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ابن حبان کتاب الثقات میں کہتے ہیں کہ ابن المدینی اپنے زمانے میں حدیث رسول کی علل کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ابو حاتم الرازی کہتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور علل میں ممتاز تھے (التہذیب) یہ ابن المدینی ابراہیم کے سماع کا علقمہ سے انکار کرتے ہیں جیسا کہ ابن ابی حاتم الرازی کی مراسیل میں مذکور ہے۔ اور مسلمہ بات ہے کہ منقطع روایت کا متصل روایت سے کوئی موازنہ ہی نہیں ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ منقطع روایت کسی اور وجہ سے ضعیف بھی ہو۔

اگر تم کہو: ..... کہ ابراہیم صرف علقمہ سے روایت نہیں کر رہے بلکہ علقمہ اور اسود سے روایت کر رہے ہیں۔ لہذا اگر ابراہیم علقمہ سے مرسل روایت کر رہے ہوں تو بھی اسود سے اس طرح نہیں ہوگا لہذا اس سے ابراہیم کی روایت کو ضرر نہیں پہنچتا۔

ہمارا جواب: ..... بلکہ اسود سے بھی مرسل ہے کیونکہ ابراہیم اور اسود دونوں ایک ہی طبقے سے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے دونوں کو ایک ہی طبقے میں شمار کیا ہے یعنی طبقہ ثانیہ لہذا اگر اس کی روایت علقمہ سے مرسل ہوگی تو اسود سے بھی اسی طرح مرسل ہوگی۔ مزید یہ کہ اس نے اسود سے اپنا سماع بیان بھی نہیں کیا۔ خوب سمجھ لو۔

تیسری وجہ: ..... ابن عمر والی روایت کی سند عالی ہے کیونکہ وہ ثلاثی تین واسطوں والی روایت ہے جب کہ ابن مسعود والی روایت کی سند نازل ہے کیونکہ وہ رباعی چار واسطوں والی ہے اور سند عالی والی روایت جو اور دلائل سے بھی ثابت ہو بہتر ہوتی ہے ایسی روایت سے جس کی سند نازل اور قرآن سے اس کا گرا پڑا ہونا واضح ہو۔ حافظ ابن الصلاح مقدمۃ علوم الحدیث میں کہتے ہیں کہ ”طلب العلو سنة ایضا“ عالی سند

واما هذا الشأن يحى بن معين كما فى تاريخ بغداد ولم يثبت عنه تو ثيقه اصلاً واحمد بن حنبل الامام كما فى الضعفاء للعقيلى ، وابن عدى الحافظ فى الكامل والدارقطنى فى سننه وهو لاء الثلاثة من المعتدلين كما عرفت وغيرهم من اهل النقد ، وان شئت تفصيل ذلك فطالع كتابنا ” اظهار البراءة من حديث من كان له امام فقراءة الامام له قراة “ فانك تند هس ويطول عجبك وبالله تعالى التوفيق .

قال المؤلف : ..... ومن المعلوم ان الرواية الصحيحة راجحة على الضعيفة وناهيك لهذا الوجه وبالله تعالى التوفيق .

الوجه الثانى : ..... ان حديث ابن عمر متصل وسالم من عائب الانقطاع بخلاف حديث ابن مسعود رضى الله عنه فانه مع كون فى غاية السقط ومنقطع لان ابراهيم شيخ شيخ ابى حنيفة لم يسمع من علقمة وقد انكر الامام على بن المدينى الذى خلقه الله عز وجل للحديث قاله النسائى فى سننه الصغيرة : وقال البخارى فى جزء رفع اليدين كان اعلم اهل عصره ، وقال ابن حبان فى ثقاته كان اعلم اهل زمانه بعلل حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ابو حاتم الرازى : كان علماً فى الناس فى معرفة الحديث والعلل كما فى التهذيب - سماعه من علقمة - كما فى المراسيل لابن ابى حاتم الرازى ، ومن المعلوم ان الرواية المنقطعة لا تقابل الرواية المتصلة لا سيما اذا كانت ضعيفة من وجه الآخر ومقابلته صحيحة وبالله تعالى التوفيق .

فان قلت : ..... ان ابراهيم لم يرو عن علقمة وحده بل روى عنه وعن الاسود فان كان ابراهيم عن علقمة مر سلاً فليس عن الاسود كذلك فلا يضره ذلك .

قلنا : ..... بل عن الاسود ايضاً مرسل لان ابراهيم والاسود كلاهما من طبقة واحدة فقد عدهما الحافظ فى التقريب من الطبقة الثانية فاذا كان روايته عن علقمة مر سلة فعن الاسود ايضاً كذلك مع انه لم يذكر سماعه منه فافهم وبالله تعالى التوفيق .

الوجه الثالث : ..... ان اسناد حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما عال فانه ثلاثى واسناد حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما نازل فانه رباعى والاسناد العالى

ڈھونڈنا سنت بھی ہے اور اسی لیے اس وجہ سے سفر کرنا مستحب ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ عائلی سند کی تلاش سلف کی سنت رہی ہے اور ابن معین سے روایت ہے کہ ان کے مرض الموت میں ان سے کہا گیا کہ آپ کی کوئی خواہش؟ تو بولے خالی گھر اور عالی سند۔

میں کہتا ہوں:..... کہ سند کا عالی ہونا اسے خلل سے دور کرنے کا باعث ہے۔ کیونکہ سند کا ہر راوی اس بات کا محتمل ہے کہ خلل اس کی جانب سے ہو غلطی سے یا جان بوجھ کر۔ لہذا جتنے راوی کم ہوں گے خلل کی جہات بھی اسی قدر کم ہوں گی۔ اور جتنے راوی زیادہ ہوں گے تو اسی اعتبار سے جہات خلل بھی زیادہ ہوں گی۔ اور یہ بالکل واضح ہے پھر یہ کہ نزول سند فضیلت میں کم اور متروک ہے اور فضیلت علو کو حاصل ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اور ابن خلد نے بعض اہل نظر سے بیان کیا ہے کہ سند کا نازل ہونا افضل ہے اور حجت یہ بیان کی کہ ایسی صورت میں اجتہاد اور نظر و فکر کی ضرورت ہوتی ہے ہر راوی کی تعدیل اور ترجیح کرنے میں لہذا جتنے راوی زیادہ ہوں گے اجتہاد اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اور دلیل کمزور ہے ہم علی بن المدینی اور ابو عمر المستملی سے نقل کر چکے ہیں کہ نزول بد نصیبی ہے ابن الصلاح کی بات ختم ہوئی۔

راقم کہتا ہے:..... ملا علی قاری حنفی نے مسند ابی حنیفہ کی شرح میں کہا ہے کہ ابن عمر کی روایت ”اور وہ راوی روایت میں بزرگ ہیں اور واسطے بھی کم ہیں کیونکہ سند ثلاثی ہے“ جبکہ حماد اور ابراہیم کے بارے میں کہا کہ ”وہ دونوں نقل حدیث میں مذکورہ راویوں کے مقابلے میں کم مشہور ہیں اور واسطے بھی زیادہ کیونکہ سند رباعی ہے۔“

چوتھی وجہ:..... ابن عمر کی حدیث کے راویوں کی توثیق پر اتفاق ہے اگر اس کی تحقیق مقصود ہو تو تہذیب دیکھ لو جبکہ ابن مسعود کی روایت میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حماد جو کہ ابن مسعود کی حدیث کے راویوں میں سے ہیں ان کی توثیق میں اختلاف ہے، ابن سعد، ذہلی، شعبہ اور اعمش وغیرہ نے اسے ضعیف جبکہ ابن معین، نسائی وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے جیسا کہ تہذیب میں مذکور ہے۔ لہذا ابن عمر کی روایت کی طرف جانا زیادہ بہتر ہوگا جس کے راویوں کی توثیق پر اتفاق ہے حازی نے کتاب الاعتبار میں کہا ہے کہ ”تیسری وجہ یہ کہ ایک روایت کے راویوں کی عدالت پر اتفاق اور دوسری میں اختلاف ہو تو متفق علیہ کی طرف جانا مناسب ہے۔“

پانچویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کے سارے راوی زیادہ معتبر اور قابل بھروسہ ہیں ابن مسعود کی روایت کے راویوں کے مقابلے میں جیسا کہ تم جان چکے ہو۔ لہذا یہ بھی روایت ابن عمر کے لیے وجہ ترجیح ہے۔ حازی کتاب الاعتبار میں کہتے ہیں کہ دوسری وجہ یہ کہ ایک روایت کے راوی احفظ اور اتقن ہوں تو اسے ترجیح ہوگی جیسے زہری سے روایت میں مالک اور شعیب ابن ابی حمزہ کہ شعیب اگرچہ حافظ اور ثقہ ہیں مگر امام مالک سے



الذى ظهر بالدلائل ثبوته افضل من النازل الذى لاح بالقرائن سقوطه فقد قال الحافظ ابن الصلاح الشهر زورى فى مقدمته " وطلب العلوسنة ايضاً ولذلك استحباب الرحلة على ما سبق ذكره قال احمد بن حنبل رحمه الله تعالى عنه طلب الاسناد العالى سنة عمن سلف وقد روينا عن ابن معين رحمه الله تعالى عنه قيل له فى مرضه الذى مات فيه ما تشتهى قال : بيت خالى واسناد عالى قلت العلوي يعد الاسناد من الخلل لان كل رجل من رجاله يحتمل ان يقع الخلل من جهة سهواً او عمداً فى قلتهم قلة جهات الخلل وفى كثرتهم كثره جهات الخلل وهذا جلى واضح ..... ثم ان النزول مفضول مرغوب عنه والفضل للعلو على ما تقدم بيانه ودليله وحكم ابن خلدون عن بعض اهل النظر انه قال التنزل فى الاسناد افضل واحتج بما معناه انه يجب الاجتهاد والنظر فى تعديل كل راوى تخريجه فكلما ازدادوا كان الاجتهاد اكثر وهذا مذهب ضعيف ضعيف الحجة فقد روينا عن على بن المدينى وابى عمر المستملى النيسابورى انهما قالوا النزول شوم انتهى كلام ابن الصلاح مختصراً

قال المؤلف: ..... وقال الملا على القارى فى شرح مسند ابى حنيفة فى الزهرى وهم اجلاء فى الرواية مع قلة الواسطة فان اسناده ثلاثى . "أه" فى حماد و ابراهيم وهما غير مشهور فى نقل السنة بالنسبة الى ما تقدم مع كثيرة الواسطة فان اسناده رباعى .  
الوجه الرابع: ..... ان رواية حديث ابن عمر رضى الله عنهما كلهم متفق على توثيره ، وان شئت تحقيق ذلك فطالع التهذيب بخلاف حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فان حماد الواقع فى سنده مختلف فى توثيره وتضعيفه فقد ضعفه ابن سعد والذهلى وشعبة والاعمش وغيرهم وثقة ابن معين والنسائى وغيرهما كما فى التهذيب فالمصير الى حديث ابن عمر رضى الله عنهما الذى لم يختلف فى توثيرهم رواه وعدالتهم اولى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فقد قال الحازمى فى كتاب الاعتبار .

الوجه الثالث: ..... ان يكون احد الراويين متفقاً على عدالته وآخراً مختلفة فيه فالمصير الى المتفق عليه اولى . "أه"

الوجه الخامس: ..... ان رواه حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما كلهم اتقن واحفظ رواه حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما على الاطلاق - كما عرفت -

حفظ و اتقان میں ان کا کیا مقابلہ اور جوان دونوں کی روایات پر غور کرے گا تو بڑا فرق محسوس ہوگا۔  
چھٹی وجہ:..... ابن عمر کی حدیث کے راوی مطلقاً ابن مسعود کی روایت کے راویوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔  
جیسا کہ تم جان چکے۔ لہذا یہ بھی ابن عمر کی روایت کے لیے وجہ ترجیح ہوگی۔ حازمی کتاب الاعتبار میں کہتے ہیں کہ ”تیسویں ۲۳ وجہ یہ کہ دونوں روایتوں کے راوی حفظ و اتقان میں برابر ہوں لیکن ایک روایت کے راوی فقیہ ہوں تو فقہاء کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ (یہ مخالفین کے لیے الزامی وجہ ترجیح ہے)  
راقم کہتا ہے:..... ہماری بحث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دونوں روایتوں کے راوی حفظ و اتقان میں برابر نہیں ہیں بلکہ ابن عمر کی روایت کے راوی احفظ اور اتقن ہیں۔ جبکہ حازمی کی یہ بات اس کے متعلق ہے جب حفظ و اتقان میں برابر ہوں۔ تو پھر جب ابن عمر کی روایت کے راوی احفظ اور اتقن ہونے کے ساتھ افقہ بھی ہوں تب تو یقیناً ترجیح انہیں کو حاصل ہوگی وباللہ التوفیق۔

ساتویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کی سند حجازی ہے جبکہ ابن مسعود کی روایت کی سند عراقی ہے اور حجازی سند کی طرف جانا زیادہ مناسب ہے حازمی الاعتبار میں کہتے ہیں ”چودھویں ۱۴ وجہ یہ کہ دو حدیثوں میں سے ایک کی سند حجازی اور دوسری کی عراقی یا شامی ہو خاص طور پر جب حدیث مدنی الحرج ہو کیونکہ مدینہ دارالہجرہ اور مہاجرین و انصار کا مرکز رہا ہے اور حدیث جب ان کے ہاں مشہور و معروف ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کی جانب سے اسے سند قبولیت حاصل ہو جائے تو یہ اس کے لیے باعث تقویت ہوگا۔ اور اسی بنا پر ہم اہل مدینہ کے صاع کو دوسروں کے صاع پر مقدم رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا اور شریعت ان کے مابین مکمل ہوئی اور امام شافعی فرماتے تھے کہ ہر حدیث جس کی اصل اہل حجاز کی حدیث میں نہ ملتی ہو کمزور ہے اگرچہ ثقہ راویوں نے اسے نقل کیا ہو“ (انتھی ما فی الاعتبار)

آٹھویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کے راوی ابن مسعود کی روایت کے راویوں سے زیادہ ہیں لہذا مناسب ہے کہ کثرت عدد والی روایت کو لیا جائے کیونکہ تعداد کا زیادہ ہونا علم اور تواتر کا فائدہ دیتا ہے۔ حازمی الاعتبار میں کہتے ہیں کہ ”پہلی وجہ دو روایات میں سے ایک جانب کثرت عدد کا پایا جانا یہ چیز روایت کے معاملے میں موثر ہے کیونکہ یہ اس سے قریب کر دیتی ہے کہ علم یقینی اور تواتر کا فائدہ حاصل ہو۔ بعض کو فی کہتے ہیں کہ کثرت عدد کا روایت کے معاملے میں کوئی اثر نہیں ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں غلبہ ظن ہی حاصل ہوتا ہے لہذا یہ ایسے ہے جیسے دو کے ساتھ چار کی گواہی۔ کہا جاسکتا ہے کہ روایت کو شہادت کے ساتھ ملانا ممکن نہیں کیونکہ روایت اگرچہ بعض وجوہات میں شہادت سے ملتی جلتی ہے مگر اکثر وجوہات میں الگ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر پچاس عورتیں کسی شخص کے لیے حق مال کی گواہی دیں تو ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور اگر دو مرد گواہی دے دیں تو قابل قبول ہوگی حالانکہ مسلمہ امر ہے کہ پچاس کی گواہی دو کی گواہی سے

فالمصير الى حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما اولى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما قال الحازمي في كتاب "الاعتبار": الوجه الثاني ان يكون احد الرواة اتقن واحفظ نحو ما اذا اتفق مالك بن انس ، وشعيب بن ابي حمزه في الزهري فان شعيباً وان كان حافظاً ثقة غير انه لا يوازي مالكا في اتقانه وحفظه ومن اعتبر حديثها وجد بينها بونا بعيداً . "أه"

قال المؤلف: ..... ههنا قد اجتمع في النبي صلى الله عليه وسلم ابن عمر وابن مسعود رضى الله تعالى عنهم فان ابن مسعود وان كان حافظاً ثقة عدلاً مرضياً بل ولا يشك في عدالته وحفظه مسلم الا انه لا يوازي ابن عمر رضى الله عنهما كما عرفت فافهم . .

الوجه السادس: ..... ان رواية حديث ابن عمر رضى الله عنهما كلهم افقه من رواية حديث ابن مسعود على الاطلاق - كما عرفت - فالمصير الى حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما اولى من حديث ابن مسعود رضى الله عنهما على ما ذهب اليه الخصم قال الحازمي في كتاب الاعتبار .

الوجه الثالث والعشرون: ..... ان يكون رواية احد الحديثين مع تساويهم في الحفظ والاتقان فقهاء عارفين باحتناء الاحكام من ثمرات الالفاظ فالاسترواح الى حديث الفقهاء اولى . "أه"

قال المؤلف: ..... وقد عرفت من كلامنا ان رواية هذين الحديثين ليسوا متساويين في الحفظ والاتقان بل رواية حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنها احفظ واتقن من رواية حديث ابن مسعود رضى الله عنهما . كلام الحازمي هذا يعلم ان رواية الفقهاء راجحة على رواية غيرهم اذا تساوا في الحفظ والاتقان فكيف اذا كانوا افقه واتقن من غيرهم فتدبروا وباللله تعالى التوفيق .

الوجه السابع: ..... ان اسناد حديث ابن عمر<sup>رض</sup> "الحجازي" واسناد حديث ابن مسعود رضى الله عنهما "عراقي" فالمصير الى الحجازي اولى قال الحازمي في الاعتبار الوجه الرابع عشر ان يكون اسناد احد الحديثين حجازياً واسناد الآخر عراقياً او شامياً سيما اذا كان الحديث مدني المخرج لانها دار الهجرة ومجمع المهاجرين والانصار والحديث اذا شاع عندهم وذاع وتلقوه بالقبول متن قوى ولهذا قدمنا صاعهم على صاع غيرهم لانهم شاهد والوحي والتنزيل وفيهم استقرت

زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ غلبہ ظن صرف روایت کے معاملے میں معتبر ہے شہادت کے معاملے میں نہیں اور اسی طرح شارع نے دو عالم اماموں اور دو عام لوگوں کی گواہی برابر قرار دی ہے حالانکہ روایت کے معاملے میں ایک عالم دین دار کی گواہی کو ترجیح حاصل ہوگی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں لہذا دونوں کے مابین فرق واضح ہو گیا۔ (انتہی کلامہ محتصرًا)

نویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کے راویوں سے بخاری و مسلم نے حجت پکڑی ہے بلکہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیحین میں موجود ہے جبکہ ابوحنیفہ اور ان کے استاد حماد سے شیخین نے حجت نہیں پکڑی بلکہ حماد کی روایت مسلم استشہاداً لائے ہیں۔ لہذا یہ چیز بھی ابن عمر کی روایت کے لیے باعث ترجیح ہے۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ”الوضوء من مس القبل“ کے باب میں بیہتی سے نقل کیا ہے کہتے ہیں ”حدیث بسرہ کی ترجیح کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ شیخین میں سے کسی نے حدیث تعلق کے کسی راوی سے دلیل نہیں لی جب کہ حدیث بسرہ کے تمام راویوں سے حجت پکڑی ہے۔

دسویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کے مخارج زیادہ ہیں ابن مسعود کی روایت کے مقابلے میں اور یہ بھی وجہ ترجیح ہے۔ حازمی الاعتبار میں کہتے ہیں ”تیرھویں وجہ یہ کہ اگر ایک حدیث کے چند مخارج ہوں اور دوسری کا صرف ایک ہی مخرج ہو اگرچہ اسے کافی لوگوں نے روایت کیا ہو پھر بھی پہلی یعنی کثرت مخارج والی روایت کو اختیار کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اگر ایک حکم پر کافی شہروں میں عمل ہو اور دوسرے پر ایک ہی شہر میں تو پہلے والا قوی ہوگا اگرچہ دوسرے حکم کے عالمین زیادہ ہوں۔

گیارھویں وجہ:..... ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ میں اضطراب نہیں جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہے جبکہ ابن مسعود کی روایت کے الفاظ مضطرب ہیں۔ استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور طبیب الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری جزء رفع الیدین میں کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل نے یحییٰ بن آدم سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں عاصم بن کلیب سے دیکھا تو اس میں ”ثم لم يعد“ کے الفاظ نہ تھے۔ لہذا یہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ لکھا ہوا اہل علم کے نزدیک زیادہ محفوظ ہے ایک انسان کوئی چیز بیان کرتا ہے پھر کتاب کی جانب لوٹتا ہے اور بات وہی درست سمجھی جاتی ہے جو لکھی ہوئی ہو۔

راقم کہتا ہے:..... لہذا ابن عمر کی روایت کو ترجیح ہوگی جس کے الفاظ میں اضطراب نہیں ہے۔ حازمی کتاب الاعتبار میں کہتے ہیں کہ ”انیسویں وجہ یہ کہ دو راویوں میں سے ایک کے الفاظ میں اضطراب نہ ہو جب کہ دوسرے کے الفاظ مضطرب ہوں تو غیر مضطرب راوی کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ عدم اضطراب حفظ و اتقان جبکہ اضطراب سوء حفظ پر دلالت کرتا ہے۔

بارھویں وجہ:..... حدیث ابن عمر میں آپ ﷺ کا قول بھی شامل ہے جیسا کہ عمر بن خطاب اور مالک

الشريعة وكان الشافعي رضى الله تعالى عنه يقول " كل حديث لا يوجد له اصل فى حديث الحجاز بين واه وان تدا وله الثقات انتهى ما فى الاعتبار .

الوجه الثامن:..... ان رواة حديث ابن عمر رضى الله عنهما اكثر من رواة حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فالمصير الى الوجه الاول كثرة العدد فى احد الحديثين وهى مؤثرة فى باب الرواية لانها تقرب بما يوجب العلم والتواتر .....

وقال بعض الكوفيين كثرت الرواة لا تأثير لها فى باب الترجيحات لان طريق كل واحد منهما غلبة الظن فصار كشهادة الشاهدين مع شهادة الاربعة يقال على هذا ان الحاق الرواية بالشهادة غير ممكن لان الرواية وان شاركت الشهادة فى بعض الوجوه فقد فارقتها فى اكثر الوجوه الآتري انه لو شهد به خمسون امرأة لرجل بمال لا تقبل شهادتهن ولو شهد به رجلان قبلت شهادتهن ، معلوم ان شهادة الخمسين اقوى فى النفس من شهادة رجلين لان غلبة الظن انما هى معتبرة فى باب الرواية دون الشهادة وكذا سوى الشارع بين شهادة امامين عالمين وشهادة رجلين لم يكونا فى منزلتهما واما فى باب الرواية ترجح رواية الا علم الادين على غيره من غير خلاف يعرف فى ذلك فلاح الفرق بينهما مختصرا .

الوجه التاسع:..... ان رواه حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما كلهم قد احتج بهم الشيخان كل هذا الحديث بهذا اللفظ موجود فى صحيحهما بخلاف حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فانهما لم يحتجا بابى حنيفة ولا من كان بل ذكره مسلم مستشهد انه فالمصير الى حديث ابن عمر رضى الله عنهما اولى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما قال الامام البيهقي : كما فى نيل الاوطار للامام الشوكانى رحمه الله تعالى فى باب الوضوء من مس القبل- يكفى ترجيح حديث بسرة على حديث طلق ان حديث طلق لم يحتج الشيخان باحد من رواته ، وحديث بسرة قد احتجا جميع رواته .

الوجه العاشر:..... ان مخارج حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما اكثر من مخارج حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما فالمصير اليه اولى قال الحازمى فى

بن الحویرث سے مروی ہے اور ان دونوں کی روایت ہم اپنے موعودہ رسالے میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔ جبکہ حدیث ابن مسعود کو یہ خوبی مزید حاصل نہیں۔ حازی الاعتبار میں کہتے ہیں کہ ”چھیسویں وجہ یہ کہ ایک روایت میں آپ ﷺ کا قول فعل کے ساتھ شامل ہو۔ اور دوسری میں صرف قول ہو۔ اور کچھ نہ ہو۔ ایسی صورت میں پہلی کو ترجیح ہوگی۔“

راقم کہتا ہے:..... یہ تو تب جب مخالف کے پاس صرف قول ہو تو پھر جب اس کے پاس صرف فعل ہو پھر تو یقیناً ترجیح فعل مع القول کو ہوگی۔

تیرھویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت آپ ﷺ کی اور سنن کے موافق ہے جیسا کہ ہم اپنے موعودہ رسالے میں بیان کریں گے جبکہ ابن مسعود کی روایت کے موافق صرف وہ روایات ہیں جو کہ اس سے بھی زیادہ ضعیف ہیں جیسا کہ براء بن عازب کی روایت اور وہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مخالف کے مقابلے میں ہماری سب سے بڑی دلیل ہے جیسا کہ ہم اپنے رسالے میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔ بہر حال سنن کی موافقت بھی حدیث ابن عمر کے لیے وجہ ترجیح ہے۔ حازی الاعتبار میں کہتے ہیں۔ ”اٹھائیسویں وجہ یہ کہ ایک حدیث کی موافقت دوسری حدیث سے ہوتی ہو جب کہ دوسری کی نہ ہو تب بھی پہلی والی قابل ترجیح ہوگی۔“

چودھویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت پر تخصیص داخل نہیں ہوگی جیسا کہ ماہرین علم حدیث پر مخفی نہیں جبکہ ابن مسعود کی روایت پر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”رفع یدیه اول مرة ثم لم یعد“ پہلی بار رفع الیدین کیا پھر نہیں کیا یہاں پر احتمال ہے کہ انہوں نے دوسری رکعت کی ابتدا میں اس طرح سے رفع الیدین نہ کیا جیسے کہ پہلی رکعت میں جیسا کہ نووی نے شرح المہذب میں اس بات کی تصریح کی ہے اور اس طرح سے اس فن کے دوسرے علماء نے بھی لہذا یہ چیز بھی ابن عمر کی روایت کے لیے باعث ترجیح ہوگی۔ حازی الاعتبار میں کہتے ہیں ”اڑتیسویں وجہ یہ کہ دو حدیثوں میں سے ایک تخصیص شدہ ہو اور دوسری مخصص نہ ہو تو جس پر تخصیص داخل نہ ہو وہ زیادہ قوی ہوگی۔“

پندرھویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت پر ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے جیسا کہ بیہقی نے السنن الکبریٰ میں نقل کیا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ نصب الرایہ للزیلعی میں ہے اور وہ دونوں خلفاء راشدین میں سے ہیں اور ان دونوں کی حدیث ان شاء اللہ ہم اپنے رسالے میں بیان کریں گے۔ جب کہ ابن مسعود کی روایت کے بارے میں ایسا نہیں ہے۔ لہذا یہ بھی ابن عمر کی روایت کے لیے وجہ ترجیح ہوگی۔ حازی الاعتبار میں کہتے ہیں ”اکتیسویں وجہ یہ کہ ایک روایت پر خلفاء راشدین نے عمل کیا ہو نہ کہ دوسری پر تو پہلی کو ترجیح ہوگی۔“

الاعتبار الوجه الثالث عشر ان يكون احد الحديثين له مخارج عدة والحديث الثانى لا يعرف له سوى مخرج واحد واه كان قدرواه نفر ذو عدد فيكون المصير الى الاول اولى لان الحكم الواحد اذا عمل به فى بلدان شتى يكون اقوى من الحكم المعمول به فى بلد واحد وان كان عدد هولاء اكثر .

الوجه الحادى عشر: ..... ان حديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما لم يضطرب فى لفظه كما لا يخفى على الماهر بهذا الشأن .

وحديث ابن مسعود رضى الله عنهما قد اضطرب لفظه فقد قال استاذ الاستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث فى عله محمد بن اسماعيل البخارى فى جزء رفع اليدين قال احمد بن حنبل عن يحيى بن آدم قال نظرت فى كتاب عبدالله بن ادريس عن عاصم بن كليب ليس فيه "ثم لم يعد" فهذا اصح لان الكتاب احفظ عند اهل العلم لان الرجل يحدث بشى ثم يرجع الى الكتاب فيكون كما فى الكتاب . "أه"

قال المؤلف: ..... فالمصير الى حديث عبدالله بن عمر الذى لم يضطرب لفظه ، اولى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالى عنه الذى اضطرب لفظه كما عرفت قال الحازمى فى الاعتبار الوجه التاسع عشر ان يكون احد الراويين لم يضطرب لفظه والاخر قد اضطرب لفظه فيرجح خبر من لم يضطرب لفظه لانه يدل على حفظه وضبطه وسوء حفظه صاحبه .

الوجه الثانى عشر: ..... ان حديث ابن عمر يقارنه قوله صلى الله عليه وسلم كما روى عن عمر بن الخطاب ومالك بن الحويرث وسنذكر خبرهما فى رسالتنا التى وعدنا تصنيفها ان شاء الله تعالى بخلاف حديث ابن مسعود رضى الله عنهما فالمصير الى حديث ابن عمر رضى الله عنهما اولى قال الحازمى فى الاعتبار الوجه السادس والعشرون ان يكون احد الحديثين قول النبى صلى الله عليه وسلم يقارن فعله وفى الآخر مجرد قوله لا غير فيكون الاول اولى بالترجيح .

قال المؤلف: ..... وهذا اذا كان عند الخصم مجرد قوله صلى الله عليه وسلم فما ظنك يا طالب الحق اذا كان عنده مجرد فعله صلى الله عليه وسلم فافهم .

الوجه الثالث عشر: ..... ان حديث ابن عمر رضى الله عنهما يوافق سنن النبى صلى الله عليه وسلم الكثيره - سنذكرها فى رسالتنا الموعودة - بخلاف حديث ابن

سولہویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کیونکہ اس کے متعلق حکم موجود ہے اور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ہم اپنے رسالے میں بیان کریں گے۔ جبکہ ابن مسعود والی روایت کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ لہذا یہ بھی ابن عمر کی روایت کے لیے باعث ترجیح ہے۔ حازمی الاعتبار میں کہتے ہیں ”چوالیسویں وجہ ترجیح یہ کہ دو حدیثوں میں سے ایک پر عمل کرنے میں احتیاط ہو فرض اور براءت ذمہ کی بنا پر بالیقین اور دوسری میں ایسا نہ ہو تو احتیاط والی روایت پر عمل راجح ہوگا۔“

سترہویں وجہ:..... ابن عمر کی روایت کی صحت پر اتفاق ہے جبکہ ابن مسعود والی روایت میں ایسا نہیں ہے بلکہ محدثین میں سے اکثر نے اسے ضعیف قرار دیا ہوا ہے۔ اور ان کی عبارات ہم اپنے رسالے میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔ لہذا ابن عمر کی روایت کو ابن مسعود کی روایت پر مطلقاً ترجیح حاصل ہے اور یہ بات اہل دانش پر مخفی نہیں ہے۔

راقم کہتا ہے: ان وجوہ میں واضح دلالت ہے کہ ابن عمر کی روایت مطلق طور پر ابن مسعود کی روایت پر راجح ہے اور ان میں یہ بات بھی درایت موجود ہے کہ یہ مناظرہ باطل اور جھوٹ پر مبنی ہے اور امام ابوحنیفہ کی جانب منسوب ہے اور ان کی شان کے لائق نہیں۔



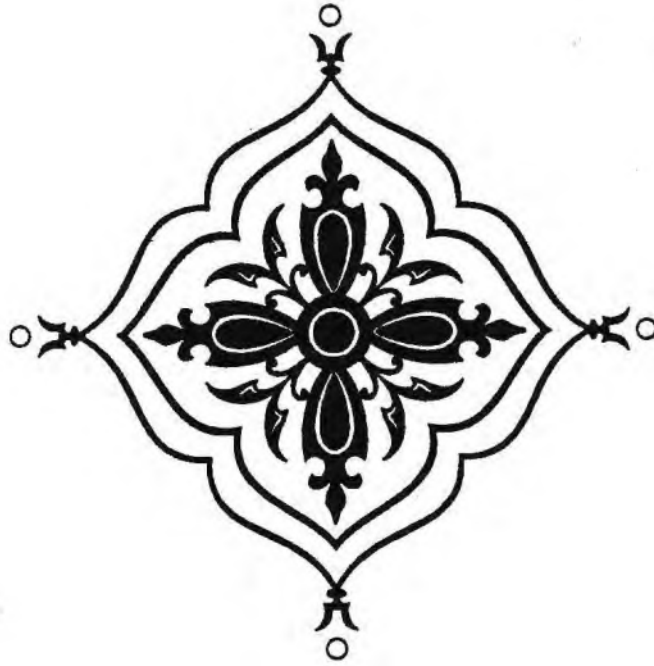




## فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کے والدین کے ایمان کے متعلق تحقیق

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کوئی کرنے والے کو بدعتی کہتا ہے اور کوئی نہ کرنے والوں کو جاہل کہتے ہیں جبکہ اس مسئلہ میں اتنی شدت نہیں ہے جیسا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ سوال میں فرمایا ہے۔ ”ان رفع الأیدی فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المكتوبة مع الجماعة فعل مسنون وعمل مأمون وكذا تركه مباح لا جناح“ یعنی فرض نماز کے بعد جماعت کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا فعل مسنون ہے اور امن والا فعل ہے اس طرح اس کا چھوڑنا بھی جائز ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ (اللازہری)





بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله سميع الدعاء والمجيب لمن يتوجه اليه بالالتجاء صريخ لعباده في السراء والضراء لا يرد يديه صفراء اذا رفعهما مع الرجاء ومن ايس من رحمته فهو في الذلة والعناء ، ومن استكبر عن عبادته سيلقى العذاب والربساء يقبل دعوة الموحدين من الرجال والنساء المخلصين له الدين من العباد والاماء الامن اشرك معه الهة ضعفاء فانه لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ولا تنفعه قرابة المقربين ولا شفاعة الشفعاء سواء كانوا من الصالحين او الشهداء والرسول من الملائكة والانبياء ، لانه رجل ركب الدسراء لا تصل الساحل بل تفرغ في وسط الدماء والصلوة مع السلام على سيد المرسلين وامام الاولياء اكمل العابدين واحمد الحامدين لربه بلا امتراء وهو الذي يكون يوم القيامة لحمده حامل اللواء الشافع المشفع يوم الجزاء لمن ارتضى ربه وشاء لا من طرد عن بابه ويغضبه باء بل يقول له سحقا سحقا كما ورد في السنة وجاء وهذه هي الطريقة التي سماها شريعة غراء وطريقة حنيفة سمحة سهلة بيضاء مع اله الكرماء واهله الشرفاء واصحابه نجوم الاهتداء خصوصا الاربعة منهم الفقهاء وجميع المهاجرين والانصار واتباعهم الى يوم تشخص فيه الابصار مهطعين مقنعى رء وسهم لا يرتد اليهم طرفهم وافئدتهم هواء .

اما بعد ! فقد سالني بعض الاحباب من اولى الالباب عن المسئلتين المهمتين وقع فيهما الاختلاف بين علماء الاسلاف والاختلاف فهالك الجواب بعون الملك الوهاب وهو الملهم للحق والصواب  
المسئلة الاولى:

رفع الايدي في الدعاء بعد الصلوة مفروضة كانت او نافلة مع الجماعة كما هو دب ائمة مساجد الوقت هل له اصل في الشرع وهل ثبت ذلك عن النبي ﷺ او عمل به الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين بينوا بالبراهين والحجج لتتضح السبيل من الفجج .

الجواب:

اقول بتوفيق العليم واعول بتوثيق العظيم اما نفس المسئلة فاظهر من ان يضمير واشهر من ان يذكر فان الاحاديث في رفع الايدي عند الدعاء قد شحنت بها كتب

سب تعریف اللہ کے لیے جو دعاؤں کو سننے والا ہے اور جو اس کی طرف توجہ کرتا ہے عاجزی کے ساتھ اس کی پکار قبول کرتا ہے اور بندوں کی پکار سنتا ہے آسانی اور تنگی میں اور بندے کے دونوں ہاتھ خالی نہیں لوٹاتا۔ جب امید کے ساتھ اٹھاتا ہے۔ اور جو اس کی رحمت سے ناامید ہوا وہ ذلت اور تکلیف میں ہوگا اور جس نے غرور کیا اس کی عبادت سے، وہ عذاب اور حسرت کو دیکھے گا۔ وہ موحدین کی دعا سنتا ہے خواہ مرد ہوں یا عورتیں، جو مخلص ہیں بندوں اور عورتوں میں سے مگر جس نے شریک کیے اس کے ساتھ معبود ضعیف پس وہ نہ معاف کرے گا اپنے ساتھ شرک کو اور اس کے علاوہ بخشش کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے اور خاص مقررین کی قرابت اس کو فائدہ نہیں دے گی اور نہ سفارشیوں کی سفارش خواہ وہ صالحین اور شہید ہوں یا فرشتوں اور نبیوں میں سے کیونکہ یہ ایسا مرد ہے جو ایسی ڈوبتی ہوئی کشتی پر سوار ہوا ہے جو کنارہ تک پہنچنے والی نہیں ہے۔ بلکہ سمندر کے بیچ میں ڈوب جائے گی اور درود و سلام ہوں رسولوں کے سردار اور ولیوں کے امام پر جو بندوں میں کامل اور بلاشک اپنے رب کی حمد کرنے والا اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا جھنڈا اٹھانے والا ہوگا۔ سفارش کرنے والا اور قیامت کے دن اس کی سفارش قبول کی جائے گی جس کی سفارش اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوئی اور وہ نہیں جن کو اس نے اپنے دروازہ سے دھکیل دیا، اور اس کے غضب کا مرتکب ہوا، بلکہ اس کو فرمائے گا تو دور ہو جا تو دور ہو جا۔ جس طرح حدیث میں وارد ہوا اور یہ طریقہ وہ ہے جس کا نام روشن شریعت رکھا گیا ہے اور دوسرے ادیان سے جدا، آسان، سفید جس میں کوئی تنگی نہیں اور اس کی اولاد اور اہل عزت والے اور اس کے صحابی ہدایت کے ستارے بالخصوص ان میں سے چار بڑے علماء خلفاء اور سارے مہاجر و انصار اور ان کے تابعین اس دن تک جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی وہ اپنے سر اوپر اٹھائے بھاگ دوڑ کر رہے ہوں گے خود اپنی طرف بھی ان کی نگاہیں نہ لوٹیں گی اور ان کے دل خالی اور اڑے ہوئے ہوں گے۔

اما بعد! پس بعض عقلمند احباب نے دو ضروری مسائل کے متعلق پوچھا، جن کے درمیان علماء سلف و خلف میں اختلاف رہا ہے یہ اس کا جواب اللہ بادشاہ وہاب کی مدد سے ہے وہی حق اور صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

مسئلہ اول:

فرض نماز یا نفلی نماز کے بعد کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جس طرح ائمہ مساجد کا طریقہ ہے۔ اس کا شریعت میں ثبوت ہے یا نہیں؟ نبی ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس پر ہے یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ بیان کریں تاکہ حق کی راہ واضح ہو۔

جواب:

میں اللہ علیم کی توفیق سے کہتا ہوں اور اس عظیم ہستی کی توثیق اور تائید کا محتاج ہوں کہ مسئلہ چھپانے سے زیادہ ظاہر اور بیان کرنے سے بھی زیادہ مشہور ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کے متعلق بہت سی احادیث وارد

الحديث وملئت ثم المسئلة قد بينت في كتب المذاهب فتبينت وليس فيها تخصيص حال دون حال وتفصيل محل من محال ففي اي وقت دعى الداعي يرفع الايدين فحسن بل هو للاستجابة فمن الا ان تعيين وقت لذلك يحتاج الى ثبوت ودونه مردود وهالك وقد قال عليه السلام من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد اخرجه البخارى ومسلم والمسئلة المسئلة عنها للناس فيها افراط وتفريط والثابت من الاصل المسلك الوسيط وخير الامور اوسا طها لا فرطها ولا افراطها فمنهم من انكر ذلك مطلقا كما اظهروها كتبه ونطقا وما نشا ذلك الا عن قلة الاطلاع او سيق خيل النظر في الميدان بالا سراغ فالاولى غفلة وتاليها عجلة وكلتا هما آفة العلم وزلة القلم فحسبكم في الاخبار قوله عليه السلام ان ربكم حى كريم يستحيى من عبده اذا رفع يديه ان يردهما صفرا اخرجه احمد والترمذى وحسنه وابن ماجه والحاكم وصححه والبيهقى في الاسماء والصفات عن سلمان الفارسى وناهيك في الاثار ما اخرجه الحافظ ابن حجر العسقلانى في اماليه بسنده من طريق الامام البخارى في الادب المفرد قال حدثنا ابراهيم بن المنذر قال حدثنا محمد بن فليح قال اخبرنا ابي عن ابي نعيم يعنى وهب بن كيسان رايت ابن عمر وابن الزبير رضى الله عنهما يدعوان فيديران راحتيهما على الوجهين وقال الحافظ هو موقف صحيح يقوى به الرد على من كره ذلك .

قال ابو محمد: ..... الامر كما قال فان رجال السند كلهم موثق فى التقريب والتهديب وقال الذهبى الحافظ فى الميزان فى ترجمة محمد بن فليح وهو اوثق من ابيه .

قال ابو محمد: ..... واصحاب التفريط جعلوه مما لا بد منه حتى نسبوا من تركه الى الجهل وعر فوه بالذهل وافتوا عليهم لما لا يصدر عن لسان الفحول وارباب العقول وهذا ما قالوا كله هذيان وتفوه بدون سلطان .

قال ابو محمد: ..... والقول بين القولين المقارب للفريقين وهو ان رفع الايدين فى الدعاء بعد الصلوة المكتوبة مع الجماعة فعل مسنون وعمل مامون وكذا تركه مباح - لا جناح - لا معيوب - ولا معتوب - ومندوب لا مكتوب .

قال ابو محمد: ..... فالقضية الاولى ينقسم دليلها الى الاشياء كانه جنس تحته انواع فالاول دليل قياسى مرتب من المقدمات ومنتج من البرهانات فالمقدمة الاولى ما

ہیں جن سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ پھر یہ مسئلہ مذاہب کی کتابوں میں بیان کرنے سے اور بھی زیادہ واضح ہو گیا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ پس جس وقت بھی دعا مانگنے والے نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو اچھا عمل ہے بلکہ قبولیت کے لائق ہے، لیکن وقت تعین کرنا دلیل کا محتاج ہے اور ثبوت کے بغیر کوئی بھی عمل مردود ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے (بخاری۔ مسلم) اور اس مسئلہ میں زیادتی اور کمی کی گئی ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ مسئلہ ثابت ہے۔ اور بہتر کام معتدل یعنی درمیانہ درجہ والے ہیں جن میں نہ کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ پس ان میں بعض نے اس کا مطلق انکار کیا جس طرح ان کے لکھنے اور بولنے میں آتا ہے اور یہ وہم مطالعہ کی کمی سے پیدا ہوا یا کتابوں کو عجلت سے دیکھ لینے سے پہلی صورت غفلت کی ہے اور دوسری صورت عجلت اور جلد بازی کی ہے اور دونوں علم کی آفتیں اور قلم کی غلطیاں ہیں اور تمہارے لیے حدیث کافی ہے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ بلا شبہ تمہارا رب حیا کرنے والا اور عزت والا ہے، اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ جب بندہ دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے اور وہ ان کو خالی لوٹا دے۔ اس کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام بیہقی یہ حدیث اسماء و صفات میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں اور آثار میں یہ تیرے لیے کافی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی سند سے امالی میں امام بخاری کی کتاب الادب المفرد کے حوالہ سے لائے ہیں اور کہا ہے کہ اس کو ابراہیم بن المنذر نے روایت کیا۔ انہوں نے محمد بن فلیح سے اور انہوں نے کہا کہ میرے باپ فلیح نے ابو نعیم وھب بن کیسان سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر اور ابن الزبیر کو دیکھا کہ دونوں دعا مانگتے اور دونوں ہتھیلیوں کو اپنے منہ پر پھیرتے۔ حافظ نے کہا یہ حدیث موقوف صحیح ہے، جس نے اس کو ناپسند کیا اس کے رد ہونے کے لیے کافی ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... یہ ایسے ہی صحیح ہے، کیونکہ اس سند کے راوی ثقات ہیں تقریب اور تہذیب میں اور ذہبی نے میزان میں محمد بن فلیح کے ترجمہ میں کہا کہ محمد اپنے باپ سے زیادہ ثقہ ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... غلو کرنے والوں نے ہاتھ اٹھانا لازم قرار دیا اور جس نے فرض کے بعد ہاتھ نہ اٹھائے اس کو جاہل قرار دیا اور ان کے متعلق نازیبا فتوائیں دیں لیکن یہ سارا ان کا کہنا بغیر دلیل کے ہے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... صحیح بات ان دونوں قولوں کے درمیان ہے جو دونوں فریقوں کو قریب لائی ہے وہ یہ کہ فرض نماز کے بعد جماعت کے ساتھ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا فعل مسنون ہے اور امن والا فعل ہے اسی طرح اس کا چھوڑنا بھی جائز ہے جس میں نہ گناہ نہ عیب ہے نہ عتاب ہے اور یہ مستحب ہے فرض نہیں ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... پہلے قضیہ کی دلیل کئی قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ گویا ایک جنس ہے جو کئی نوع پر مشتمل ہے۔ پہلی دلیل قیاسی ہے جو چند مقدمات سے مرتب ہے اور چند دلائل سے نتیجہ پر پہنچتی ہے۔ پس

اخرجه حافظا وقتهما ابو عيسى الترمذى وحسنه وابو عبدالرحمن النسائى بسنديهما عن ابى امامة الباهلى قال قلنا يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل ودبر الصلوات المكتوبات هذا مرفوع متصل ومن الموقوف غير المنقطع ولا المعضل ما اخرجه ابن ابى شيبه فى مصنفه عن على بن ابى طالب انه قال من صلى لله سبحانه وتعالى صلوة مكتوبة فله فى اثرها دعوة مستجابة .

قال ابو محمد: ..... والمقدمة الثانية ما اسنده الحافظ ابو نعيم الاصفهاني فى تاريخ اصفهان فى ترجمة محمد بن العباس ابى جعفر الاخرم رواه ابن حبان من طريق صالح بن حسان انظر كتاب المجروحين ص ٣٦٤ ج ١ قال حدثنا القاضى محمد بن احمد بن ابراهيم نامحمد بن العباس بن ايوب بن سعيد ابو جعفر الاخرم نا عمار بن خالد نا القاسم بن مالك المزنى عن خالد الحذاء عن عبد الرحمن بن ابى بكرة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا سالتم الله عزوجل فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسألوه بظهورها-

قال ابو محمد: ..... هذا اسناد قوى وصحيح سوى ورجاله كلهم موثق كما فى تقريب التهذيب للعسقلانى حاشا شيخ ابى نعيم وشيخه ابى جعفر الاخرم فالاول هو ابو احمد العسال المصرى ترجم له ابو نعيم فى تاريخه وقال مقبول القول من كبار الناس فى المعرفة والايقان والحفظ .

قال الذهبى فى المشتبه مشهور ثبت وذكره فى تذكرة الحفاظ فذكر عن ابن مندة انه قال احد الائمة فى علم الحديث كتب عن الف شيخ لم ارفيهم اتقن منه وعن ابى بكر بن على قال هو ثقة مامون وهو الكبير فى الحفاظ والاتقان وعن النقاش قال لم ير مثله فى الاتقان والحفظ وعن ابن مردويه قال احد الائمة فى علم الحديث فهما واتقاننا و امانة وعن ابى يعلى قال حافظ متقن عالم بهذا الشأن وشيخه ابن الاخرم ذكره العسقلانى فى لسان الميزان وقال كان من الحفاظ المتقنين قال ابو نعيم اختلط قبل موته بسنة .

قال ابو محمد: ..... كلام ابى نعيم فى تاريخه فى المترجم هكذا: وقطع عن التحديث بسنة ست وتسعين لاختلاطه كان من الحفاظ مقدما فيهم شديدا على اهل الزيغ والبدعة كان ممن يتفقه فى الحديث ويفتى به .

پہلا مقدمہ وہ حدیث ہے جو اپنے وقت کے حافظ حدیث یعنی ابو عیسیٰ ترمذی اور ابو عبد الرحمن نسائی دونوں نے ابو امامہ باہلی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہونے والی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدھی رات اور فرض نمازوں کے بعد والی۔ اور یہ روایت مرفوع متصل ہے اور ایک موقوف روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے فرض نماز پڑھی تو اس کے فوراً بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... ثانی مقدمہ یہ ہے جو ابو نعیم اصفہانی نے تاریخ اصفہان میں محمد بن عباس ابو جعفر اخرم کے ترجمہ میں ذکر کیا اور کہا قاضی محمد بن احمد بن ابراہیم نے محمد بن عباس بن ایوب بن سعید ابو جعفر اخرم سے اور انہوں نے عمار بن خالد سے اور انہوں نے قاسم بن مالک مزنی سے اور انہوں نے خالد حذاء سے اور انہوں نے عبد الرحمن بن ابی بکر سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے مانگو تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے ساتھ مانگو نہ کہ ان کی پٹھوں کے ساتھ۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس روایت کی سند قوی اور صحیح ہے۔ اس کے سارے راوی تو شیق شدہ ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تقریب میں، ابو نعیم کے شیخ ابو جعفر کے علاوہ۔ پس اول ابو احمد عمال مصری ہے، ابو نعیم اپنی تاریخ میں اس کا ترجمہ لائے ہیں اور کہا کہ معرفت، اتقان اور حفظ میں بڑے شیوخ نے اس کو مقبول کہا ہے۔ ذہبی نے مشتبہ میں کہا کہ وہ مشہور و معتبر ہے اور اس کا ذکر تذکرۃ الحفاظ میں بھی ہے کہ امام ابن مندہ کہتے ہیں کہ وہ بڑے اماموں سے ایک امام تھا، میں نے ہزار شیوخ سے لکھا لیکن اس سے زیادہ قوی نہ دیکھا اور ابی بکر بن علی نے کہا کہ وہ معتبر تھا اور حفظ اور پختگی میں بڑا تھا اور نقاش نے بھی یہ ہی کہا اور ابن مردویہ فرماتے ہیں کہ علم حدیث کے فہم، پختگی اور امانت کے اماموں میں سے تھے اور ابو یعلیٰ فرماتے ہیں کہ حافظ حدیث قوت کے صاحب اور عالم تھے اور اس کے شیخ ابن الاخرم کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں کہا ہے کہ وہ حفاظ میں سے تھا اور ابو نعیم نے کہا کہ موت سے ایک سال پہلے اس کو اختلاط ہو گیا ابو محمد نے فرمایا کہ ابو نعیم کا کلام تاریخ میں اس طرح ہے کہ اختلاط کی وجہ سے ۹۶ھ میں حدیث کو بیان کرنا انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن حافظ تھا، حافظوں میں مقدم تھا، بدعتیوں پر سخت تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے حدیث میں سمجھ اور فتویٰ کا علم دیا ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... مترجم نے یہ حدیث اختلاط کے بعد بیان نہیں کی، اس لیے اس سے استدلال کرنا صحیح ہے۔ جس طرح محدثین نے تصریح کی ہے جو اس طرح اصول کی کتابوں پر دسترس رکھتا ہے اس کو ان تک پہنچنا چاہیے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... خالد الحذاء جو کہ سند میں واقع ہے وہ ابن مہران ہے اور عبد الرحمن بن ابی بکر ابن الصدیق عبد اللہ العتیق خود صحابی، صحابی کا بیٹا، صحابی کا پوتا رضی اللہ عنہم یہ سند بالکل اچھی ہے اس کو رد نہیں کیا جاسکتا



قال ابو محمد: ..... فقد ثبت ان المترجم ما حدث بهذا الحديث بعد الاختلاط فلا مضائق في الاستدلال به والا استنباط كما صرحوا به كافة ونصوا به قاطبة فليراجع من له الوصول الى كتب اصحاب الاصول .

قال ابو محمد: ..... وخالد الحذاء الواقع في السند هو ابن مهران وعبدالرحمن بن ابي بكر هو ابن الصديق عبدالله العتيق صاحب ابن صاحب ابن صاحب رضى الله عنهم فالسند سند وليس له مرد وله شاهد عند الطبراني في معجمه الكبير عن ابي بكر الصحابي الشهير بسند رجاله ثقات ورواته اثبات كما قاله الحافظ نور الدين الهيثمي في مجمع الزوائد ومنبع الفوائد وله شاهد مرسل عن عبدالرحمن بن محيريز المولود في زمن المرسل عند الحافظ مسدد بن مسرهد صاحب المسند والمرسل حجة عند الحنفية الكبار وعند غيرهم ايضا للاعتبار .

قال ابو محمد: ..... والمقدمة الثالثة ما اخرج الطبراني في كبيره عن سلمان رئيس اهل فارس واميره قال قال رسول الله ﷺ ما رفع قوم اكفهم الى الله عزوجل ليسالوا شيئا الا كان حقا على الله عزوجل ان يضع في ايديهم الذي سالوا ورواته ثقات كلهم اجمع كما صرح به الهيثمي في المجمع .

قال ابو محمد: ..... ويشهد له ما اخرج البيهقي محدث الزمان في كتاب شعب الايمان عن انس قال قال رسول الله ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوة قط الا كان حقا على الله ان لا يرد ايديهم صفرا .

قال ابو محمد: ..... فلاح من هذا الترتيب وباح من هذا التبويب ان الرفع في الدعاء بعد المفروضة مع الجماعة بالطريقة المخصوصة له اصل اصيل و دليل جليل لا ينكره عالم عقيل الا رجل دخيل وذلك لان الخبر الاول فيه الدعاء بعد المكتوبة وانها عند الرب مسموعة والثاني فيه ذكر طريقة الدعاء والسؤال بحيث يكون اسمع عند المتعال والثالث فيه فضيلة الدعاء مع الداعين كانه ركوع مع الراكعين ولانه تابع للركوع ليحصل له اتمام الخشوع كما قال عز من قائل : كانوا يدعوننا رغبا ورهبا وكانوا لنا خاشعين الانبياء ، وقوله جل و على ﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴾ (المؤمنون) وقد وردت آيات كثيرة واحاديث عديدة في فضيلة الصلوة بالجماعة ما هي مستغنية عن الذكر ولو بالاشارة فما يكون حكم

اور ایک روایت طبرانی کی معجم کبیر میں ابو بکرۃ صجابی سے بطور شاہد ہے، اس کی سند کے راوی معتبر ہیں، جس طرح پیشی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے اور اس کی ایک مرسل حدیث بھی شاہد ہے، وہ عبد الرحمن بن محیریز سے مروی ہے جو مسدد بن مسرہد صاحب المسمد سے مروی ہے اور مرسل حدیث کبار علمائے احناف کے پاس معتبر ہے۔ اس طرح اوروں کے پاس بھی حجت ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... مقدمہ ثالثہ وہ حدیث ہے جو طبرانی کبیر میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھاتی ہے تاکہ کوئی چیز مانگیں، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز دے جو انہوں نے مانگی۔ اس حدیث کے راوی معتبر ہیں جس طرح کہ پیشی نے مجمع الزوائد میں اس کی تصریح کی ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... بیہقی کی کتاب شعب الایمان میں بھی اس حدیث کے لیے شاہد ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی دعا مانگنے کے لیے جمع ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھ خالی نہ لوٹائے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس ترتیب اور تبویب سے روشن ہوا کہ فرض کے بعد جماعت کے ساتھ مخصوص طریقے سے دعا مانگنا۔ اس کے لیے اصل مضبوط ہے اور دلیل بڑی معتبر ہے اور اس کا عالم با عقل انکار نہ کرے گا۔ مگر نالائق شخص انکار کرے گا۔ یہ اس لیے کہ پہلی خبر میں فرض کے بعد دعا کا ذکر ہے اور یہ عمل رب تعالیٰ کے پاس مقبول ہے اور دوسری حدیث میں دعا مانگنے کا وہ طریقہ بیان کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے پاس جلد مقبول ہو اور تیسری حدیث میں جماعت کے ساتھ مل کر دعا کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ گویا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا ہے۔

گویا کہ یہ تابع ہے رکوع کے تاکہ خشوع پورا پورا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہ (اللہ تعالیٰ کے نیک بندے) ہم کو امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے اور وہ ہمارے آگے عاجزی کرنے والے تھے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”تحقیق وہ مومن کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔“ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث نماز باجماعت کی فضیلت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ سب ذکر اور دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتیں چاہے اشارہ ہی کیوں نہ ہو۔ پس جو حکم متبوع کا ہے وہ تابع کا ہے اور یہ یقینی بات ہے۔

ابو محمد نے فرمایا ہے کہ:..... مذکورہ احادیث اور مقدمات سے صاحب شریعت سے دعا کے وقت کا تعین ہوتا ہے نیز اس کی کیفیت اور مانگنے والوں کے عدد کی تعیین اور یہ خبر دینا اور ظاہر کرنا ہوتی ہے بلکہ کان اور دل والوں کو اطلاع دینا ہے کہ ناپسند کرنے والوں اور روکنے والوں کے پاس اپنی دعویٰ کے حق میں دلیل دینا چاہئے تھا، لیکن ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ دلیل ان کے خلاف ہے اس کو غنیمت سمجھ کر قبول کر لے اور اس کو بیکار

المتبوع فهو حكم تابعه كما هو المقطوع .

قال ابو محمد: ..... فهذا تعيين وقت الدعاء عن صاحب الشريعة المطهرة الغراء مع بيان كفيته وعدد الداعين كمية وهو اخبار واطهار بل لذوى الاذان والقلوب اشعار بان ما كرهه الكارهون ومنع عنه المانعون ليس لهم الى ذلك سبيل من برهان ولا دليل بل الدليل قائم على خلافه فاعتنمه ولا تضعه باهماله واسرافه والحديث يفسر بعضه بعضا فلا تكن من الذين خوطبوا: ﴿اَفْتَوْمِنُنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة)

قال ابو محمد: ..... والدليل الثانى هو العموم الذى يشمل دبر الصلواة وغيرها من الاوقات وهو ما رواه البيهقى فى سننه والحاكم وصححه عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال هذا الاخلاص يشير باصبعه الذى تلى الا بهام وهذا الدعاء فرغ يديه حذو منكبيه وهذا الابتهاال فرغ يديه مدا .

قال ابو محمد: ..... فهذا تعريف الدعاء الذى لا ينكره الذين هم للعلم وعاء والدعاء بعد المكتوبة فى الاخبار والاثار منصوصة والمطلق محمول على المقيد وهذا القول هو المسدد والمحال وان كانت كالفراش المبتوث ولكن وقع تصريحها ايضا المبحوث فهو عين الدين كما تراه حق اليقين فاعتصم به فانه حبل متين ولا تصغ الى الذى هو مهين ولا يكاديبين .

قال ابو محمد: ..... والثالث ان جماعة من السلف الذين فيهم قدوة للخلق فسروا عدة من الايات القرانية برفع الايدي العلانية فمنها قوله تعالى ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَالى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (الانشراح) فذكر الرملى فى تهذيب الاذكار عن ابن مسعود احد الصحابة الاخيار فاذا فرغت من الفرائض فانصب الى ربك فى المسئلة وانت جالس واخرج ابن جرير من طرق عن ابن عباس ابن عم سيد الناس انه قال اذا فرغت من الصلواة فانصب فى الدعاء واخرج عبد بن حميد عن قتادة احد التابعين السادة فاذا فرغت فانصب والى ربك فارغب قال امره اذا فرغ من الصلواة ان يرغب فى الدعاء الى ربه واخرج عبد بن حميد وابن نصر عن الضحاك التابعى النساك فاذا فرغت قال من الصلواة المكتوبة والى ربك فارغب قال فى المسئلة والدعاء .

قال ابو محمد: ..... وفى هذا المعنى ذكروا قوله تعالى ﴿وَلَقَدْ اخَذْنَاَهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا

نہ بنا دے اور ایک حدیث دوسری کا تفسیر کرتی ہے۔ ان میں سے مت ہونا جن کے لیے یہ عتاب ہے کہ ”کیا تم لوگ بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟“

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... دوسری دلیل احادیث سے دعا کے وقت کا عموم ثابت ہوتا ہے جو ہر نماز کے بعد والے وقت یا دوسرے اوقات میں دعا مانگنے کو شامل ہے، جیسا کہ بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے اور حاکم نے روایت کر کے صحیح کہا ہے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اخلاص ہے یعنی آپ تشہد والی انگلی کے ساتھ اشارہ کر رہے تھے جو انگلوٹھے کے قریب ہوتی ہے اور یہ دعا پھر کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے اور یہ خشوع (عاجزی) ہے پھر دونوں ہاتھ اٹھائے اور بلند کیے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... یہ دعا کی کیفیت اور حالت بیان کی گئی ہے جس کو علم ہے وہ انکار نہ کرے گا اور فرض نماز کے بعد دعا احادیث و آثار میں نصوص کے ساتھ ثابت ہے اور مطلق مقید پر محمول ہے۔ اور یہی بات ٹھیک ہے اگرچہ دلائل بکھرے ہوئے ہیں لیکن بحث شدہ مسئلہ کے متعلق احادیث میں صراحت آئی ہے اور یہی دین ہے جس طرح تو یقین کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ پس اس کو پکڑ لے۔ یہ رسی مضبوط ہے اور جو کمینہ ہے اس کی طرف کان نہ دھر اور وہ تو اپنی بات بیان بھی نہیں کر سکتا۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... تیسری دلیل یہ ہے کہ سلف کی جماعت جو کہ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ ہے انہوں نے کتنی آیات قرآنیہ کا تفسیر دعا میں ہاتھ اٹھانے سے کیا ہے۔ ان آیات میں سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (ترجمہ) جب تو فارغ ہو تو عبادت میں محنت کر اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔ تو اس کی تفسیر امام ربلی نے تہذیب الاذکار میں بیان کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یعنی جب تو فرائض سے فارغ ہو جائے تو اپنے رب کی طرف دعا مانگنے کے لیے محنت کر۔ اس حالت میں کہ تو بیٹھا ہوا ہو اور ابن جریر نے کئی طرق سے ابن عباس جو رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس کے بیٹے ہیں اور ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو اور عبد بن حمید نے قتادہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے میں رغبت کرو اور عبد بن حمید اور ابن نصر نے ضحاک تابعی سے روایت کیا ہے کہ پس جب تو فرض نماز سے فارغ ہو تو رب تعالیٰ کی طرف دعا کے لیے رغبت کر۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس معنی میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ذکر کیا ”اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تاہم یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ ہی آہ و زاری کی، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اپنے ہاتھوں کو روکتے ہیں“ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے“ (الانبیاء)

﴿ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴾ (المؤمنون) وقوله تعالى ﴿ يَقْبِضُونَ أَيديَهُمْ ﴾ (التوبة) وقوله تعالى: ﴿ يَدْعُونَنا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكانُوا لَنَا خَشِيعِينَ ﴾ (الانبياء)

قال ابو محمد: ..... المسئلة والدعاء ان ترفع يديك حذو منكبيك كما مر في الحديث مثله سواء ثم التابعى كالمتبوع فى حكمه وعمله ورسمه فكما ان الصلواة مع المصلين افضل كذا لك الدعاء مع الداعين عمل اكمل .

قال ابو محمد: ..... والدليل الرابع التصريح مع التوضيح والتنصيص مع تعيين الوقت والتخصيص فهناك الاخبار والاثار فاقرئها ترفع الغطاء عن الابصار فاخرج الطبرانى فى المعجم الكبير بسند وثق رجاله الهيثمى عن محمد بن يحيى الاسلمى قال رايت عبد الله بن الزبير وراى رجلا رافعا يديه يدعوا قبل ان يفرغ من صلواته فلما فرغ منها قال ان رسول الله ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلواته .

قال ابو محمد: ..... فهذا نص قوى و صحيح وجلى فى الباب وفيه دلالة على انه معتاد سيد الكونين ومختار رسول الثقلين واما ما اعتاده الناس من الخواص والعوام انهم يجتمعون للدعاء برفع الايدي مع الامام بعد اداء السنن والنوافل بالا لتزام حتى يكثرون على تاركة الطعن والملام فهو مما احثه الا كالون البطالون المكارون الضالون وليس له اثر فى الخبر ولا فى الاثر بل هو من اسوتهم السيئة وبدعتهم الرديئة لم يرض به الله ولا رسوله ﷺ -

قال ابو محمد: ..... وايم الذى خلقنا معشر الموحدين لا بطل حيل اتباع الهوى لو كان له اثر عمن يوثر عنه ما كنا لنذل ونخزي بل كنا اول من باثره يقتدى وبهداه يهتدى ويكفى لبطلانه انه ﷺ ما كان يتطوع الا فى بيته ويحث على ذلك ويزجر من جعل البيت كالمقبرة واهله كالميتة حتى قال صلوة فى البيت كلها خير الا المكتوبة اخرجه البخارى الامام فى صحيحة الذى تلقاه بالقبول العلماء الكرام بل قد انكر بعض الصحابة صحة سنة المغرب فى المسجد حتى يصيلها فى داره كما اخرجه الامام احمد .

قال ابو محمد: ..... فهذا عمل الشارع البارع ﷺ ثم الصحابة ذوى العلم الواسع فمن هذا الكاذب المخترع الوالع الذى جاء بعد هم بلا برهان قاطع فاحث ما لم يعلمه المبلغ ﷺ ولا السامع فاجبر الناس على القعود فى الجوامع حتى يدعوا مع

ابو محمد نے کہا:..... سوال کرنا اور دعا مانگنا یہ ہے کہ تو دونوں ہاتھ اٹھائے کندھوں کے برابر جس طرح حدیث میں اس کا بیان ہے، پھر تابعی کا حکم اور عمل بھی صحابی کی طرح ہے۔ جس طرح نماز جماعت کے ساتھ افضل ہے۔ اسی طرح جماعت کے ساتھ دعا مانگنا عمل کامل ہے۔

ابو محمد نے کہا:..... چوتھی دلیل یہ ہے کہ تصریح اور تنصیح وقت کے تعیین کے لیے یہ احادیث اور آثار پڑھتا کہ آنکھوں سے پردہ اٹھ جائے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں روایت لائے ہیں جس کے راویوں کی پیشمی نے توثیق کی ہے کہ محمد بن سحیب اسلمی نے روایت کی کہ عبداللہ بن زبیر کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص سے دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے تو جب ابن زبیر نماز سے فارغ ہوا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس باب میں یہ حدیث نص قوی اور صحیح اور جلی ہے۔ اس میں یہ دلالت ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی لیکن جو عوام اور خواص لوگوں نے عادت بنا رکھی ہے کہ سنن اور نوافل ادا کرنے کے بعد امام کے ساتھ مل کر التزام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور ترک کرنے والے پر طعنہ اور ملامت کرتے ہیں یہ بدعتی و پیٹ پجاری، باطل اور مکار بدعتیوں اور گمراہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ اس التزام کے لیے کوئی حدیث نہیں ہے، ان کے اس فعل سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہیں۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... قسم ہے اس ذات کی جس نے ہم کو موحد جماعت کر کے پیدا کیا کہ بدعتیوں کے حیلوں کو باطل کریں اگر کوئی اس کے لیے حدیث یا اثر ہوتا تو ہم رسوا نہ کرتے بلکہ اس کی سب سے پہلے ہم اقتدا کرتے۔ اس کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفل نماز گھر میں جا کر پڑھتے تھے اور اس کو تنبیہ کرتے جس نے اپنے گھر کو مقبرہ بنایا اور اپنے اہل کو مردہ بنایا حتیٰ کہ فرمایا گیا کہ ساری نماز گھر میں بہتر ہے سوا فرض نماز کے۔ اس کو بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے اس طرح بعض صحابہ نے مغرب کی سنت کی صحت کا مسجد میں ادا کرنے سے انکار کیا کہ یہ گھر میں پڑھنی جائے جس طرح امام احمد نے روایت کیا ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... پس یہ عمل یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ پس اس جھوٹے نے بعد میں آ کر بغیر کسی قطعی دلیل کے بدعت بنا کر جو رسول اللہ ﷺ کو پتا نہ تھا وہ لوگوں کو بتلا کر مساجد میں بیٹھنے اور نوافل کے بعد میں امام کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے پر مجبور کیا اور اس نے گمان کیا کہ یہ اچھائی اور نیکی کا کام ہے اور مشکلات کے دور کرنے کا باعث ہے۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ دین محمدی واضح اور روشن ہے اور ایسے بناوٹی دین کا مٹانے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس نے ایسی مخلوقات پیدا کی جن کو مضر اور منافع اور مہلک اور دافع چیزوں تک کی تمیز بھی نہیں۔

الامام بعد النوافل بالا یدی السواطع وظنوا انه هو للخیرات جامع وللمشکلات رافع ولا یعلمون ان الیدین المحمدی واضح ولا مع وهو للمختلقات والمخترعات ماسح وقامع فسبحان الذی خلق من لا یعلم المضر من النافع ولا یمیز بین المهلك والدافع .

قال ابو محمد: ..... واقبح من ذالك تثلیث الرفع فی الدعاء مع شدة الا لزام فی الصیف و الشتاء فهو من عضال الداء الذی لا یلتام و لیس له دواء اللهم الا ان یشاء الله فذالك علیه ایسر یسر وهو على كل شی قدير لا نهم هم الذین خالط دمهم ولحمهم وشحمهم البدع والا حداث فلا ترتجى طهارة من امتلئت عروقة بالا خباث وهم الذین باعوا الرشد بالغواية والهدایة بالصلالة ذالك بانهم دسوا سنن المصطفى ﷺ تحت التراب واهدموا دینه القویم قبل الشباب کانهم لا یخافون الحساب ولا یخشون العقاب لا لابتغاء مرضات الله كما هم یظهرون كثرة العبادة امام عباد الله بل لا كل اموال الناس بالمضرة الباطلة وصدھم عن سبیل الله السابلة اولئك الذین خاطبهم سبحانه وتعالى فی التنزیل: ﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ (الفجر)

قال ابو محمد: ..... وتعلقوا بحديث جاء فی تثلیث الدعاء ولا ننكر ذلك بل هم اول منكر لهذا الخبر وما عندهم الا ادعاء لانه فی الخبر تكريد الدعاء لا تكريد الرفع وثبوتہ فی حيز المنع بل هو ایجاد منهم وایزاد ومن عند انفسهم ایراد ومن عند انفسهم ایراد ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾ (البقرة)

قال ابو محمد: ..... فالمحصل من الخبر المنقول ان الدعاء مع الرفع بعد الصلوة سنة وعن سخطة الله وعذابه جنة لا سيما بعد المكتوبة مع الجماعة فانه من افضل العبادة .

قال ابو محمد: ..... والخبر الثاني ما اخرجہ ابن ابی شیبة كما قاله صاحب مسلك السادة عن الاسود العامري عن ابيه صليت مع النبي ﷺ صلوة فلما سلم انحرف و رفع يديه ودعا الحديث - وهذا الخبر ايضا صريح فی الباب كما لا يخفى على اولى الالباب لا ن قول الراوى صليت مع النبي ﷺ يدل على انه ﷺ بالناس وهو المدعى .

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس سے بھی برا یہ ہے کہ تین بار دعا مانگنے کو تاکید اور سختی کیساتھ گرمی اور سردی میں واجب کیا۔ یہ ایک بیماری ہے جس سے تندرستی کی امید نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی دوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چاہے تو ہو سکتا ہے کہ ان بدعات سے نجات مل جائے۔ کیوں کہ یہ کام اس ذات کے لیے بالکل آسان ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن یہ وہ ہیں جن کے خون اور گوشت اور چربی میں بدعات مخلوط ہو گئی ہیں، جن کی رگیں خباث سے بھری ہوئی ہیں ان کے پاک ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے رشد و ہدایت کو گمراہی و ضلالت کے عوض بیچ دیا اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو مٹی میں دفن کیا۔ اور سیدھا دین اس کی جوانی سے پہلے دفن کیا گویا کہ حساب اور عذاب سے نہیں ڈرتے۔ یہ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو لوگوں کے لیے جس طرح عبادت کثرت سے ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کا مال کھانے باطل طریقہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کے لیے۔ یہ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خطاب کیا کہ میراث سمیٹ کر کھاتے ہو اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... تین بار دعا مانگنے کی حدیث سے استدلال کیا، ہم بھی انکار نہیں کرتے لیکن وہ ہی اس حدیث کے منکر ہیں اور ان کے پاس صرف دعویٰ ہے۔ کیونکہ حدیث میں دعا کا تکرار سے مانگنا ہے نہ کہ تین بار ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور اس کا ثبوت انکار کے ساتھ ہے بلکہ یہ ان کی ایجاد اور بدعت ہے اور ان کی طرف سے زیادتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کھاتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کے لیے ہلاکت اور افسوس ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... حدیث سے ثابت ہوا کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لیے فرض کے بعد سنت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غصہ اور عذاب سے ڈھال ہے۔ خصوصاً فرض کے بعد جماعت کے ساتھ کیونکہ یہ افضل عبادت ہے۔ ابو محمد نے فرمایا دوسری حدیث وہ ہے جو ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ اسود عامری اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ایک نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو مڑ کر ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی اور یہ حدیث اس باب میں صریح ہے جس طرح عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے، کیونکہ راوی کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو یہ قول دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ ہماری دعویٰ ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... حدیث ثالث یہ ہے کہ جو بیہوشی نے سنن میں صحیح سند سے انس کے ساتھ قاریوں کے قصے میں بیان کی جو قتل ہوئے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ انہوں نے فجر پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے بد دعا کی جنہوں نے ان کو قتل کیا تھا اور اسی حدیث کے ہم معنی ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت



قال ابو محمد: ..... والخبر الثالث ما اخرجہ البيهقي في سننه باسناد صحيح عن انس في قصة القراء الذي قتلوا قال لقد رايت رسول الله ﷺ كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم يعنى على الذين قتلوهم و مثل معناه اخرجہ ابو نعيم الاصفهاني في حلية الاولياء قال حدثنا سليمان بن احمد نا على بن ايوب الصقر نا عفان بن مسلم عن سليمان بن المغيرة عن ثابت البناني عن انس فذكره .

قال ابو محمد: ..... وهذا السند لا مطعن فيه كما لا يخفى على العالم النبيه فاما شيخ ابى نعيم فهو ابو القاسم الطبراني صاحب المعاجم الثلاثة والتصانيف الكثيرة له ترجمة في تذكره الحفاظ للذهبي وطبقات الحفاظ للسيوطي وشذرات الذهب لابن العمادي واما شيخه فلم اجد له ترجمة فيما وقفت عليه من كتب الفن الا انه ايضا ملحق بالثقات بلا ريب وظن فقد نبه الهيثمي في المجمع حيث قال كل من كان من شيوخ الطبراني ولم يذكره الذهبي في الميزان الحقته بالثقات فالمرجم لا شك في كونه من الاثبات وبقية ❶ رجاله موثقون في التقريب وثابت هو ابن اسلم ابو محمد البصري ولا يقال ان عفانا انكره ابن معين قبل موته بسنة لان خبره هذا له شواهد كثيرة لا سيما في الفضائل .

قال ابو محمد: ..... والحديث الرابع ما اخرجہ ابو جعفر العقيلي في كتاب الضعفاء قال حدثنا احمد بن داود قال حدثنا ابو معمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا على بن يزيد عن سعيد بن المسيب عن ابى هريرة قال ان النبي ﷺ رفع يديه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة الحديث .

قال ابو محمد: ..... على بن يزيد ضعيف لكنه خبر معتبر في الشواهد لان مثل هذا الضعف خفيف وقال العقيلي بعد ذكر الحديث وقد روينا من غير هذا الطريق باسناد صحيح فهذه قوة الى قوة والاعتماد على الاخبار الصحيحة وكفى بها قدوة .

قال ابو محمد: ..... والحديث الخامس ما اخرجہ ابو نعيم في الحلية قال حدثنا حبيب

❶ وقد تويبع ايضا فقال احمد في مسنده ص ١٣٧ / ٣ ثنا هشام وعفا . المعبر قال - حدثنا سليمان عن ثابت قال كنا عند انس بن مالك ..... وفيه : فلقد رايت رسول الله ﷺ في صلاة الغداة رفع يديه ودعا عليهم - يعنى اس روایت کی متابعت امام احمد نے بھی کی ہے کہ انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے فجر نماز میں ہاتھ اٹھائے اور قاری صحابہ کے قاتلوں پر بددعا کی۔

کیا ہے کہ سلیمان بن احمد نے علی بن ایوب الصقر سے انہوں نے عفان بن مسلم سے انہوں نے سلیمان بن مغیرہ سے انہوں نے ثابت بنانی سے روایت کی ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس سند پر کوئی جرح نہیں ہے جس طرح باخبر عالم سے مخفی نہیں ہے۔ ابو نعیم کا شیخ ابو القاسم الطبرانی معجم کبیر، صغیر اور اوسط کے علاوہ بہت سی تصانیف کا مالک ہے اور اس کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی اور طبقات الحفاظ للسیوطی اور شذرات الذهب لابن العمادی میں موجود ہے لیکن اس کے شیخ کا ترجمہ میں نے نہیں دیکھا، لیکن وہ معتبر محدثین کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس طرح پیشی نے مجمع میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ طبرانی کے جن شیوخ کو ذہبی نے میزان میں ذکر نہ کیا وہ میں نے ثقات میں شمار کیے ہیں۔ اس لیے یہ معتبر راویوں میں سے ہے اور اس کے علاوہ جو راوی ہیں سارے معتبر ہیں اور ثابت بن مسلم ابو محمد البصری ہیں اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ عفان سے ابن معین نے موت سے ایک سال پہلے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ اس خبر کے شواہد بہت ہیں۔ خصوصاً فضائل میں۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... چوتھی حدیث جو ابو جعفر عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ذکر کی ہے اور کہا یہ حدیث بیان کی احمد بن داؤد نے علی بن یزید سے، انہوں نے کہا کہ سعید بن المسیب نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھائے سلام پھیرنے کے بعد اور وہ قبلہ رخ تھے۔ (حدیث)

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... علی بن یزید ضعیف ہے لیکن اس کی روایت بطور شاہد صحیح ہے اور معتبر ہے کیونکہ یہ ضعف خفیف ہے اور حدیث کے ذکر کرنے کے بعد عقیلی نے کہا کہ ہم نے اس سند کے علاوہ بھی اس کو روایت کیا ہے اور یہ تقویت بر تقویت ہے اور روایات صحیحہ پر اعتماد لازم ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... حدیث پانچویں وہ ہے کہ جس کو ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے حبیب بن حسن نے بیان کیا انہوں نے یوسف قاضی سے انہوں نے محمد بن ابی بکر سے بیان کیا انہوں نے عبدالرحمن بن مہدی، انہوں نے ابراہیم بن زہری سے انہوں نے ہند بنت حارث سے انہوں نے ام سلمہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی سلام پھیرتے نماز سے تو اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھ کر اٹھنے سے پہلے اشارہ کرتے تھے یعنی دعا مانگتے تھے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس حدیث کی سند اہل حق کے نزدیک بہترین ہے حبیب بن الحسن ابو نعیم کا شیخ ابو القاسم القران ہے۔ برقانی نے ضعیف کہا ہے اور میزان الاعتدال میں ہے کہ ابن ابی الفوارس اور خطیب اور ابو نعیم نے اس کی توثیق کی ہے۔ پس برقانی کی تضعیف نقصان نہ دے گی کیوں کہ جرح مبہم ہے۔ وہ جرح قبول نہ ہوگی خاص کر کے جب ایک جماعت کی توثیق موجود ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس کا شیخ یوسف قاضی وہ ابن یعقوب بن حماد بن زید بن درہم الازدی بصری پھر بغدادی

بن الحسن ثنا یوسف القاضی ثنا محمد بن ابی بکر ثنا عبدالرحمن بن مهدی ثنا ابراهیم بن الزهری عن هند بنت الحارث عن ام سلمة ان النبی ﷺ كان اذا سلم من الصلوة جلس فی مصلاه یشیر قبل ان یقوم .

قال ابو محمد: ..... هذا حدیث جید الاسناد عند اهل الحق والسداد فاما حبيب بن الحسن شیخ ابی نعیم فهو ابی القاسم القران ضعفه البرقانی و وثقه ابن ابی الفوارس والخطیب و ابو نعیم کذا فی المیزان للذهبی وتضعیف البرقانی لا یضر شیئا لانه جرح مبهم فلا یقبل لا سیما فی جنب تو ثیق الجماعة فتدبر .

قال ابو محمد: ..... اما شیخه یوسف القاضی فهو ابن یعقوب بن حماد بن زید بن درهم الازدی مولا هم البصری ثم البغدادی صاحب السنن قال ابو بکر الخطیب فی تاریخ بغداد كان ثقة صالحا عفیفا مهیبا شدید الاحکام .

ترجمة الذهبی فی تذکرة الحفاظ و وصفه بالا مامة والحفظ و یقوة رجاله کلهم موثق فی التقرب و شیخه هو محمد بن ابی بکر بن علی بن عطاء بن مقدم المقدمی ابو عبدالله الثقفی مولا هم البصری كما هو الظاهر من طبقته فقد عد صاحب التهذیب ابن مهدی من شیوخه و یعقوب القاضی من الاخذین عنه وهو ثقة وثقه ابن معین و ابو زرعة و ابن قانع و قال ابو حاتم صالح الحدیث محله الصدق کذا فی التهذیب و قال فی التقرب ثقة و ابن مهدی هو امام متقن النقاد من اهل الجرح والتعدیل .

قال ابو محمد: ..... وهذا الخبر فيه حجة واضحة و بینة لا ئحة والمراد من الاشارة المذكورة باصبع عند الاستغفار والدعاء له ثلاث احوال برفع الیدين حذو المنکین و بمدهما و با لا صبع ایضا كما اخرج ابن ابی شیبة فی مصنفه عن ابی هريرة قال ابصر النبی ﷺ سعدا وهو يدعو باصبعین کلینهما فنهاه و قال باصبع واحدة بالیمنى .

قال ابو محمد: ..... والخبر السادس ما اخرجہ مسلم فی صحیحہ و غیره عن ام عطية قالت امرنا رسول الله ﷺ ان نخر جهن فی الفطر والاضحی العواتق والحیض وذوات الخدور فاما الحیض فیعزلن الصلوة و یشهدن الخیر و دعوة المسلمین الحدیث .

صاحب السنن ہے اور خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ صالح، پاکباز، صاحب ہیبت اور احکام کا عامل تھا اور اس کا ترجمہ تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی نے دیا ہے اور اس کو امام و حافظ کہا ہے۔ اس کے بعد سارے راوی تقریب میں توثیق شدہ ہیں اور اس کا شیخ محمد بن ابی بکر بن علی بن عطاء بن مقدم المقدمی ابو عبد اللہ ثقفی بصری ہے جس طرح اس کے طبقہ سے ظاہر ہوتا ہے اور صاحب التہذیب نے کہا ابن مہدی کو ان کے شیوخ میں شمار کیا ہے اور یعقوب قاضی اس کے شاگردوں میں سے ہیں اور وہ معتبر ہیں اور اس کی ابن معین اور ابو زرعة اور ابن قانع نے توثیق کی ہے اور ابو حاتم نے اس کو صالح الحدیث کہا ہے۔ اس طرح تہذیب میں ہے اور تقریب میں اس کو ثقہ کہا گیا ہے اور ابن مہدی پختہ نقاد اور امام جرح و تعدیل ہے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... اس حدیث میں واضح دلیل ہے اور اشارہ مذکورہ سے استغفار کے وقت اشارہ کرنا ایک انگلی کے ساتھ مراد ہے اور دعا کی تین حالتیں ہیں: (۱)..... دونوں ہاتھ اٹھا کر کندھوں کے برابر کر کے دعا مانگنا۔ (۲)..... ہاتھوں کو دعا کے لیے لمبا کرنا اور (۳)..... انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے دعا مانگنا جس طرح ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے دیکھا سعد کو اور وہ دو انگلیوں سے دعا مانگ رہا تھا۔ پس اس کو روک دیا اور کہا کہ ایک انگلی دائیں کے ساتھ دعا مانگ۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... چھٹی حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عید الفطر اور عید النضحیٰ میں آزاد اور پردہ نشین اور حیض والی عورتوں کو گھروں سے نکال کر لے آئیں اور ان میں سے حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں اور وہ خیر اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شامل ہوں۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... یہ دلیل صحیح ہے جس کے لیے ہم نے دعویٰ کیا ہے اور علم صریح ہے، جس کی ہم تلاش کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس جگہ دعوت سے مراد دعا ہے ہاتھ اٹھا کر جماعت کے ساتھ عیدین کی نماز کے بعد جس کی دو وجہیں ہیں، ایک جو ہم نے دعا کا طریقہ بیان کیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی دعا کی پہچان ہاتھوں کے اٹھانے سے ہوتی تھی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حیض والی عورتوں کی شرکت سے منع ہوتی اور ان عورتوں کو ذوات الخدور اور برقعہ والیاں کہا گیا۔ اس پر امام نووی نے مسلم کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس حدیث سے جماعت کے ساتھ حاضر ہونا اور مسلمانوں کی دعا میں شرکت کرنا ذکر اور علم کے حلقوں میں شامل ہونا وغیرہ مستحب معلوم ہوتا ہے۔ اور امام شوکانی نے تحفۃ الذاکرین میں کہا کہ اس میں دلیل ہے کہ مسلمانوں کی مجلسیں دعا مانگنے کے مرکز ہیں۔

ابو محمد نے فرمایا کہ:..... آثار میں ایک اثر وہ ہے جو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ذکر کیا ہے کہ اسماعیل بن علی نے تیمی سے، انہوں نے ابی مجلز سے۔ اس کا نام لاحق بن حمید ہے اور وہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ جب سورج نکلا

قال ابو محمد: ..... هذا اصل صحيح لما ندعيه ووجدان صريح لما مبتغيه لان الدعوة ههنا الدعاء برفع الیدين مع الجماعة بعد صلواة العیدين لو جهين ضرورین احدهما لما ذكرنا من طريقة الدعاء وثانيهما ان دعوتهم ما كانت تعرف الا بالرفع والا فشرة الناس فيها ممتنع وسموها ذوات الخدور والبرقع قال النووی فی شرح مسلم فيه استحباب حضور الجماعة مع الخیر ودعوة المسلمین وحلق الذكر والعلم ونحو ذلك وقال الشوكانی فی تحفة الذاكرین: فهذا فيه دليل على ان مجامع المسلمین مواطن الدعاء .

قال ابو محمد: ..... ومن الاثار ما اخرجه ابن ابی شيبه فی مصنفه قال حدثنا اسماعیل ابن علیة عن التیمی عن ابی مجلز اسمه لاحق بن حمید انه كان مع ابن عمر فلما طلعت الشمس امر راحلته فرحلت وارتحل من منی فلما صلی العصر وقف بعرفة فجعل يرفع يديه او قال يمد الحديث وهذا السند كالسبيكة او السلسلة الذهبية فانه يرويه امام عن مثله فلا حاجة الى ذكر حاله ونقله وابن عليه هو ابن ابراهيم بن مقسم الاسدی مولا هم ابو بشر البصری وعلية اسم امه والتیمی هو سليمان بن بلال المدني وانظر حالهم فی تهذيب الكمال وتذهيبه و التهذيب وتقريبه .

قال ابو محمد: ..... ومنها ما اخرجه الفريابي فی الذكر كما فی شرح الأیاء عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال ارفعوا هذه الایدی بالدعاء قبل ان تغل بالا غلال .

قال ابو محمد: ..... والدعاء بعد الصلواة احمد ومع الجماعة اوكد .

قال ابو محمد: ..... ومنها ما اخرجه ابن ابی شيبه عن عائشة رضی الله عنها قالت ان الله يحب ان يدعى هكذا و اشار باصبع واحدة ومنهما ما اخرجه ابن ابی شيبه ايضا قال زيد بن الحباب قال اخبرنا موسى بن عبدة اخبرني زيد بن عبدالرحمن ابن ابی سلمة ابو سلامة عن ابی الرباب وصاحب له انهما سمعا ابا ذر رضی الله عنه يدعو قال فقال له رايناك صليت فی هذا البلد لم نر اطول مقاما وركوعا وسجودا فلما انفرغت رفعت يديك فتعوذت .

قال ابو محمد: ..... وهذا السند غبار عليه ولا فيه طعن يشار اليه ورجاله موثقون فی التقريب حاشا ابی الرباب وهو مصرف بن مالك القشیری فذكره ابن حبان فی

تو ابن عمر نے سواری کا حکم دیا تو سواری لائی گئی اور منیٰ سے چل پڑے پس جب عصر پڑھی تو عرفات میں کھڑا ہو گیا، پس وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے لگا یا بلند کرنے لگا اور یہ سند سنھری زنجیر کی طرح اور معتبر ہے کیونکہ راوی امام ہے۔ جس نے دوسرے امام سے لیا ہے پس ان کا حال ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور ابن علیہ وہ ابن ابرہیم بن مقسم اسدی ابو بشر بصری ہے اور عیلة اس کی ماں کا نام ہے اور تیمی وہ سلیمان بن بلال مدنی ہے اور ان کا حال تہذیب الکمال اور تہذیب میں اور تہذیب اور تقریب میں ہے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... ایک دلیل وہ اثر ہے جو فریابی نے کتاب الذکر میں نقل کیا ہے جیسا کہ شرح احیاء العلوم میں ہے کہ ابو درداء نے فرمایا ہے کہ دعا کے ساتھ یہ ہاتھ اٹھاؤ اس سے پہلے کہ گردن میں طوق نہ پڑ جائیں۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... نماز کے بعد دعا تمام بہتر ہے اور جماعت کے ساتھ دعا مانگنا تاکید کا کام ہے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... ان آثار میں سے یہ اثر ہے جو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس سے اس طرح مانگا جائے۔ اور پھر ایک انگلی سے اشارہ کیا۔

اور ان آثار میں سے ایک اثر ابن ابی شیبہ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں کہ وہ دعا مانگ رہا تھا کہ کسی نے کہا کہ تو نے نماز پڑھی۔ اس شہر میں تیرے جیسا قیام کرنے والا کوئی اور سجدہ کرنے والا نہیں دیکھا اور جب تو فارغ ہوا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور پناہ مانگی۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... تو اس سند میں کوئی غبار اور طعن نہیں ہے اور اس کے راوی تو شیعہ ہیں تہذیب میں ابی الرباب کے علاوہ اور وہ مصرف بن مالک قشیری ہے اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھی کی جہالت نقصان نہیں دیتی، کیونکہ اعتماد اسی پر ہے اور اس کے صاحب کے اوپر استناد نہیں ہے اور ابوسلمہ وہ ابن عبدالرحمن مشہور ہے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... تابعین کے آثار میں سے ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں روایت لائے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ابو بکر بن مالک نے ہم سے بیان کیا انہوں نے عبداللہ بن احمد بن حنبل سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے ابورواد سے انہوں نے کہا کہ میں نے طاوس اور اس کے اصحاب کو دیکھا کہ جب انہوں نے عصر پڑھی تو انہوں نے آپس میں کوئی بات کیے بغیر بڑی عاجزی سے دعا مانگی۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... یہ سند سورج کی طرح روشن ہے۔ ابو نعیم کا شیخ ابو بکر قطعی احمد ابن جعفر بن احمد بن مالک صدوق ہے۔ مقبول ہے مامون ہے اس کی حاکم نے تو شیعہ کی ہے۔ اس طرح میزان میں ہے اور صاحب المیزان کا قول کہ اس کو کچھ تغیر ہو گیا تھا، لیکن یہ نقصان کار نہیں ہے، کیونکہ خطیب نے تاریخ میں کہا ہے کہ کوئی ایک ہم نے نہیں دیکھا جس نے اس سے دلیل لینا چھوڑ دیا ہو۔

اور ابن صلاح کا قول کہ آخر عمر میں اس کو خلل ہو گیا تھا اس کو صاحب المیزان نے رد کیا اور کہا کہ یہ زیادتی

الثقات ولا تضر جهالة صاحبه لان الاعتماد عليه فلا استناد اليه و ابو سلمة هو ابن عبدالرحمن الشهير :

قال ابو محمد: ..... ومن آثار التابعين ما اخرج به ابو نعيم فى الحلية قال حدثنا ابو بكر بن مالك ثنا عبدالله بن احمد بن حنبل حدثنى ابى ثنا ابو سلمة عن ابى رواد قال رايت طاؤسا واصحابا له اذا صلوا العصر لم يكلموا احدا وابتهلوا فى الدعاء .

قال ابو محمد: ..... هذا اسناد كالشمس فشيخ ابى نعيم هو ابو بكر القطيعى احمد بن جعفر بن احمد بن مالك فهو صدوق مقبول وقال الحاكم ثقة مامون كما فى الميزان واما قول صاحب الميزان تغير قليلا فلا يضر فقد قال الخطيب فى تاريخه لم نر احدا ترك الاحتجاج به .

ثم هذا قول ابن الصلاح افتل فى آخر عمره فقد رده صاحب الميزان فقال هذا غلو و اسراف وقد كان ابو بكر سند اهل زمانه وكذا قول ابن ابى الفوارس لم يكن بذاك فى الحديث فقد قال البرقانى هو ثقة وقد كنت شديد التنفير والتنفيه عنه حتى تبين عندى انه صدوق لا يشك فى سماعه فالحاصل انه حسن الحديث وشيخه عبدالله هو الامام ابن الامام و ابو سلمة هم ابن عبدالرحمن وثقه صاحب التقريب و ابو رواد مقبول كما فى التقريب ايضا .

قال ابو محمد: ..... ومنها ما اخرج ابن ابى شيبه فى مصنفه قال حدثنا غندر عن شعبة قال قلت للمغيرة اكان ابراهيم . وهو النخعى . يكره اذا انصرف ان يقوم مستقبل القبلة يرفع يديه قال نعم .

قال ابو محمد: ..... وهذا السند يرويه كابر عن كابر وهو دليل على انه لا كراهة عنده فى الرفع قعودا بعد الانصراف كما هو المسنون .

قال ابو محمد: ..... والقضية الثانية دليلها وارد عبارة و اشارة فاخرج البخارى فى صحيحه عن انس بن مالك قال كان النبى ﷺ لا يرفع يديه فى شىء من دعائه الا فى الاستسقاء وانه يرفع حتى يرى بياض ابطيه .

قال ابو محمد: ..... فهذه العبارة فيها دلالة صراحة على عدم الرفع فلناخذها بالطاعة والسمع وهذا رد على من شدد الانكار على الترك كانه عمل بما وافق هواه من الامرين و اعرض عن الثانى بالحرك .

ہے۔ ابو بکر اپنے زمانے کی سند تھا اور اس طرح ابن ابی الفوارس کا قول کہ وہ حدیث میں اس مرتبہ کا نہ تھا تو برقانی نے ثقہ کہا اور کہا کہ پہلے میں اس سے متفر تھا، لیکن یہاں تک کہ واضح ہوا کہ ثقہ ہے اور اس کا شیخ عبداللہ وہ امام اور ابن الامام تھا اور ابوسلمہ وہ ابن عبدالرحمن ہے۔ اس کی توثیق صاحب التقریب نے کی ہے۔ ابورواد مقبول تھا جس طرح تقریب میں ہے۔

ابومحمد نے کہا کہ:..... یہ سند ثابت ہے۔ اس کے روایت کی ابن حجر نے تقریب میں توثیق کی ہے اور ان آثار میں سے وہ اثر ہے جس کو ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں لائے ہیں کہ ہم سے غندر نے بیان کیا شعبہ سے، انہوں نے کہا میں نے مغیرہ سے پوچھا کہ ابراہیم نخعی جب نماز سے فارغ ہوئے تھے تو اس وقت قبلہ رخ ہو کر دعا مانگتے تھے؟ کہا کہ ہاں۔

ابومحمد نے کہا کہ:..... اس سند میں ایک امام دوسرے امام سے روایت کرتا ہے اور یہ دلیل ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ یہ مسنون ہے۔

ابومحمد نے کہا کہ:..... قضیہ ثانیہ کی دلیل وارد ہے کہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ استسقاء کے سوا دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ اس وقت بغلوں کی سفیدی دیکھنے میں آتی۔

ابومحمد نے فرمایا کہ:..... اس عبارت میں ہاتھ نہ اٹھانے پر صریح دلالت ہے۔ ہم اس کو سنتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ ان کے لیے رد ہے جو کہتے ہیں کہ دعا کے لیے ہاتھ بالکل اٹھانے ہی نہیں ہیں، گویا جوان کی خواہش کے مطابق ہے اس پر عمل کرتا ہے اور جو اس کے خلاف ہے اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

جو علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت کو تو صرف عقل مند حاصل کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔

ابومحمد نے فرمایا کہ:..... انکار کرنے والوں نے کتب حدیث کے مطالعہ کے بغیر استدلال کیا اور ہاتھ اٹھانے سے بالکل منع کرتے ہیں کیوں کہ وہ اس کو کوئی نیکی اور عمل نہیں سمجھتے اور یہ قصور ان کا ہے اور قائدہ مسلم و مشہور ہے کہ جو کسی چیز کو جانتا ہے اس کی حجت ہے، اس کے اوپر جو جانتا نہیں ہے اور جس نے انکار کیا انہوں نے زیادتی کی اور انصاف نہ کیا کیوں کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ دعا میں اٹھاتے تھے، جس طرح حدیث میں ذکر ہوا۔ اب تو بار بار دیکھ کہ اس میں فرق نہیں، پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا دونوں باتوں پر عمل رہا ہے یعنی کبھی ہاتھ اٹھاتے تھے اور کبھی نہیں اٹھاتے تھے۔ یہی زیادہ قریب اعتدال ہے اگرچہ ہاتھ اٹھانا محبوب عمل ہے کیوں کہ زیادہ دلائل اس کی تائید کرتے اور اس کو مضبوط



والراسخون فی العلم یقولون امانا به کل من عند ربنا وما یذكر الا اولوا الالباب ربنا لاترغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا وهب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب .

قال ابو محمد: ..... والمفردون قد استدلووا به بدون مطالعة كتب الحديث بالرحلة والسير الحثيث فمنعوا عن الرفع اصلا لانهم ما راوه خيرا ولا عملا وهذا القصور منهم وتكلف لان لقائل ان یقول ان من عرف الشیء حجة علی من لم یعرف وهذا مسلم ومن انكر فقه اظلم ولم ینصف علی ان انسا بنفسه قد رای النبی ﷺ رافعا یدیه -  
كما مرفی الخبر الثالث من الدلیل الرابع من القضية الاولى فارجع البصر هل ترى من فطور . فثبت ان العمل من سید الدارين علی كلا الامرین تاره فتارة وهذا هو القول الاقرب و الاوسط وان كان الرفع احب لانه اثبت واضبط وللقلوب اربط وللا بهال انشط .

قال ابو محمد: ..... والاشارة من الروایة ما اخرجه بسنده عبد بن حمید فی مسنده قال حدثنا حماد بن عیسی البصری قال حدثنا حنظلة بن ابی سفیان قال سمعت سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب عن ابیه عن جده قال كان رسول الله ﷺ اذا مد یدیه فی الدعاء لم یزدهما حتی یمسح بهما وجهه .

قال ابو محمد: ..... حماد بن عیسی ضعیف وبقية رجاله موثقون فی التقرب ولكن له شاهد عند الطبرانی عن الولید بن المغیث قال قال رسول الله ﷺ اذا دعا احدکم فرفع یدیه فان الله عزوجل جاعل فی یدیه بركة ورحمة فلا یردهما حتی یمسح بهما وجهه وله شاهد آخر ایضا عند الطبرانی عن ابن عمر .

قال ابو محمد: ..... ففی هذا الخبر اشارة الى الاختیار كما تشير الیه الفاظ النبی المختار علیه الوف صلواة وسلام الى يوم القرار .

قال ابو محمد: ..... فكلا الامرین سنة ولكل منهما حجة وبینة فالایان والترك سواء بلاعيب وامتراء فلا یعيب التارك علی الآتی ولا الآتی علی التارك فالمتوسطون یرفعون ویتركون وهو احسن المسالك الا ان للمثبت ترجیح نجیح علی الراي السوی الصحیح لانه وان ثبت كلاهما لكنه صریح وهذا مسلم و الانكار عنه قبیح وبه تنتهی المسئلة الاولى مع الجواب الملیح .

بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلبی ربط کا سبب اور عاجزی کا موجب ہے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... اس کی طرف وہ روایت بھی اشارہ کرتی ہے جو عبد بن حمید نے اپنی مسند میں بیان کی ہے کہ حماد بن عیسیٰ بصری نے حنظلہ بن ابی سفیان سے اور انہوں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہاتھ دعا کے لیے بلند فرماتے تو ان کو واپس نہ لوٹاتے تھے، جب تک اپنے چہرے پر نہ پھرتے تھے۔

ابو محمد نے کہا کہ:..... حماد بن عیسیٰ ضعیف ہے اور دوسرے راویوں کی صاحب تقریب نے توثیق کی ہے اور اس کا طبرانی میں ولید بن مغیث سے شاہد ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے دعا مانگے اور ہاتھ اٹھائے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں میں برکت اور رحمت ڈالنے والا ہے۔ پس ہاتھوں کو واپس نہ کرے، حتیٰ کہ منہ کے اوپر نہ ٹھہرے اور اس کے لیے اور بھی شاہد ابن عمر سے طبرانی میں ہے۔ ابو محمد نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اختیاری ہے جس پر پیارے پیغمبر ﷺ کے الفاظ شاہد ہیں اور ان کی ذات بابرکات پر قیامت تک لاکھوں درود و سلام ہوں۔ ابو محمد نے فرمایا دونوں امر سنت ہیں اور ہر ایک کے لیے دلیل ہے۔ اجتماعی ہاتھ اٹھانا یا نہ اٹھانا دونوں برابر ہیں۔ اس لیے اس کا تارک عمل کرنے والے کو برا نہ سمجھے اور نہ عمل کرنے والا اس کے تارک کو برا سمجھے اور درمیانی راہ پر چلنے والے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے بھی ہیں اور کبھی چھوڑتے بھی ہیں اور یہی سب سے بہتر مسلک اور طریقہ ہے، مگر پھر بھی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا مانگنے والے عمل کو ترجیح ہے، اگرچہ دونوں عمل ثابت ہیں لیکن ہاتھ اٹھانا زیادہ صریح ہے اور اس کا انکار فعل قبیح ہے اور اس کے ساتھ مسئلہ احسن جواب کے ساتھ اختتام کو پہنچتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوال: ..... ابوا النبي صلى الله عليه وسلم ماتا على الاسلام أم على الكفر وعلى الثاني هل هما الى الآن كذلك ام لا وقد روى حديث صححه القرطبي ان الله احياهما فأما به صلاة عليه وسلم اكراماً له بينوا بالادلة البينات والبراهين الواضحات ليحق الحق الحقيقي والباطل تهوى به الريح في مكان سحيق

الجواب: ..... اقول مستعينا من الله الودود واصول متمسكاً بذى العرش المحمود الحق انهما ماتا على الكفر وهما الى الآن كذلك ولم يثبت شئ غير ذلك وهو اصح المسالك ودونه هالك وحالك والذين اثبتوا لهما نجاته تشيعوا في مسالك صفاة تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى فذهب بعضهم من هنا وبعضهم من هنا قد اتى فلم يجعلوا لهم مكانا سوى ولم يتمسكوا باوثق العاي فاؤل ما ابدأ بمذاهبهم وبالمفاسد الواقعة ومشابهم ثم اتى بالدلائل فان الاثبات بعد النفي عين السديد كما في كلمة التوحيد .

قال ابو محمد: ..... فمنهم من قال انهما ماتا على الفطرة قبل البعثة وهذا مجرد دعوى لا دليل معها ولا داعية اليها وما ذكروه من الآيات كقوله تعالى وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا وغيره من الكريمات ويكفي من الاستدلال بها والا استنباط منها انه لا ينكر وصولهما دعوة عيسى عليه السلام لوجه يلزم او بطرق يسلم ثم تصريح النبي صلى الله عليه كما سند كره في الدليل الرابع ينفيه وما بنوا من المشرفة الكاذبة يسويه ثم ذكروا من الاحاديث الواردة في امتحان اهل الفترة فهذا هو النقش قبل اثبات العرش وحسبك برّد ذلك ان عبدالمطلب هو ايضاً من اهل الشرك كما هو المصرح في الدليل الآخر فثبت انه ليس من اهل الفترة فابنه ايضاً كذلك وبطل تعلقهم بذلك .

قال ابو محمد: ..... ثم تلك الاخبار بعضها ضعيف جداً من عطيه ابن سعيد العوفي المدلس وما ادعى اهل العلم صحته فمضطرب المتن ففي خبر الاسود بن سريع عند احمد واسحاق بن راهويه والبيهقي في كتاب الاعتقاد واما الذي مات في الفترة فيقول يارب ما اتاني لك رسول فيأخذ موثيقهم ليطيعه فيرسل اليهم ان ادخلو النار فمن دخلها كانت عليه برذا وسلاماً ومن لم يدخلها يستجر اليها وفي

## رسول اللہ ﷺ کے والدین کے ایمان کا معاملہ

سوال:..... اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ کے والدین کی وفات حالت کفر میں ہوئی یا وہ مسلمان تھے؟ اور اگر ان کی وفات حالت کفر میں ہوئی تو کیا وہ اب بھی اسی حالت پر ہیں یا نہیں؟ ایک روایت بیان کی جاتی ہے جسے قرطبی نے صحیح کہا ہے ”ان اللہ احیاءہما فامنا بہ ﷺ اکر امالہ“ یعنی ”اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اکرام کی خاطر انہیں زندہ فرمایا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔“  
مذکورہ بالا مسئلہ کو واضح دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے تاکہ سچی حقیقت ثابت ہو جائے اور باطل کو دلائل کی آندھی دور پھینک دے۔

الجواب:..... اللہ مہربان صاحب عرش عظیم کی مدد مانگتے ہوئے اور اسی پروردگار کا سہارا لیتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں حالت کفر میں فوت ہوئے اور وہ دونوں اب تک اسی حالت پر ہیں اور اس کے علاوہ کوئی اور چیز ثابت نہیں ہے۔ یہ ہی صحیح ترین نکتہ نظر ہے اور اس کے علاوہ ہلاکت اور بربادی ہے۔ رہے وہ حضرات جو ان کے لیے نجات ثابت کرتے ہیں وہ خود مختلف وادیوں ”فَنَسْرَةٌ“ عربی میں خالی وقت یا وقفے کی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر مراد ہے عیسیٰ علیہ السلام اور آپ ﷺ کے درمیان کا وقت۔ میں بھٹک رہے ہیں۔ بظاہر اٹھے ہیں لیکن درحقیقت کوئی ایک بات کرتا ہے تو دوسرا کچھ اور ہی بیان کرتا نظر آتا ہے۔ لہذا وہ خود ایک بات پر متفق نہیں اور نہ انہوں نے کسی مضبوط دلیل کو ہی پکڑا ہے۔

### آپ ﷺ کے والدین کی نجات کے قائلین کا نکتہ ہائے نظر:

سب سے پہلے میں ان کے نکتہ ہائے نظر کو بیان کروں گا اور اس سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا بھی ذکر کروں گا اس کے بعد اپنے نکتہ نظر کے دلائل پیش کروں گا اس لیے کہ باطل کی نفی کے بعد حق کا اثبات بالکل درست طریقہ ہے جیسا کہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ میں بیان ہوا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ:..... تو ان قائلین میں سے بعض کا کہنا ہے کہ ان کی وفات بعثت نبوی سے پہلے حالت ”فَنَسْرَةٌ“ میں ہوئی، حالانکہ یہ خالی خولی دعویٰ ہے جس کے لیے نہ تو دلیل ہے اور نہ اس طرح کے دعویٰ کی کوئی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں جو آیات پیش کرتے ہیں جیسے کہ اللہ کا یہ فرمان ”وما لکنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً“ یعنی ہم تب تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں، اور اس کے علاوہ اس مضمون کی آیات ان آیات سے اس طرح کی دلیل پکڑنے یا مسئلہ نکالنے کے جواب میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ

حديث ثوبان عند الحاكم لو دخلوها اول مرة كانت عليهم برداً وسلاماً وهذا تناقض ظاهر وفي حديث انس عند البزار وابي يعلى فيقول لهم اني كنت ابعث الى عبادي رسلاً من انفسهم واني رسول نفسي اليكم ادخلوا هذه وهذا ايضاً خلاف في ذكر ارسال الرسل ثم في هذا الخبر فيقول من كتب عليه الشقاء يارب اتد خلدنا وما كنا نعرف ومن كتب له السعادة فيمضي ويقتحم فيها مسرعاً فيقول الله قد عصيتموني فانتم لرسلي اشد تكذيباً ومعصية فيدخل هؤلاء الجنة وهؤلاء النار .

قال ابو محمد: ..... فهذا ان صح اول دليل لا بطلان تعلقها به وقاطع للنزاع لانه يحتاج الى التعيين في كون الابوين في احد الفريقين بالدليل اللماح وأما قولهم لا يظن بابوي النبي صلى الله عليه وسلم الاخيراً فما نراه الا وهما وحيراً وهو لا يثقل مع القواطع والجزم بخلافه والتعيين بمذهب ابي طالب واسلاقه كما سيأتي مكانه مع ذكر الدليل وبيانه .

قال ابو محمد: ..... ثم قوله تعالى لا يذوقون فيها برداً والاشرباً (النبأ) يكذب ذلك فانه دليل على ان الذي يدخل نار جهنم لا يجده برداً ولا سلاماً قال ابو محمد والعجب من القائلين بانه يرجي له التثبيت لابويه عند الامتحان ولا معنى لهذا الترجي بعد ما افتى به سيد بنى عدنان وهذا ابو ابراهيم وابن نوح وزوجته وزوجة لوط ثم عم المصطفى صلى الله عليه وسلم والجد وهذا كله رد لزعيمهم ولما افشوه سرّاً .

قال ابو محمد: ..... ثم خصّوا هذا الحكم بمن لم تبلغه الدعوة ولم يشبوا ذلك لابوين وهذه سفسطة بل قطعة صلى الله عليه وسلم بانه في النار ثم امتناعه للامه عن الاستغفار دليل على انهما بلغتهما الدعوة وكانا من اهل الانكار فاحفظ فانه نفيس لاتجده في الاسفار ولودرت لحصوله في الاقطار ثم يكذب هذا قوله تعالى يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة ويضل الله الظالمين ويفعل الله ما يشاء (ابراهيم) نسأ لهم هل ماتا على الكفر او على الايمان على الثاني يكذبه الحديث وعلى الاول لا يرجي لهم التثبيت اصلاً ان سلمنا الامتحان لان المثبت هو الله تعالى وحده وقد انكر ذلك .

قال ابو محمد: ..... واحتجوا لذلك باخبار ساقطة وضافوا هية نحن نتكلم عليها

ان تک عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے پہنچنے کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ایسا انکار جو ثابت ہو جائے اور اعتراضات سے محفوظ ہو۔ پھر خود نبی ﷺ کی تصریح جو کہ ہم چوتھی دلیل میں بیان کریں گے اس بات کی نفی کرتی ہے اور جو جھوٹی عمارت انہوں نے بنائی ہے اسے ملیا میٹ کر دیتی ہے۔

پھر وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن میں ”اہل الفترہ“ دور فترت کے لوگوں کا امتحان مذکور ہے۔ یعنی پہلے دعوے کے ثبوت سے پہلے ہی اس کے حق میں دلائل ❶ اور اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ عبدالمطلب خود اہل شرک میں سے ہیں جیسا کہ آئندہ دلیل میں بیان ہوگا لہذا ثابت ہوا کہ وہ اہل فترت میں سے نہیں تو پھر ان کے بیٹے بھی اسی طرح اہل فترت میں سے نہ ہوں گے اور یوں ان قائلین کا یہ استدلال بھی باطل ہوا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ:..... پھر یہ روایات ان میں سے بعض تو انتہائی ضعیف ہیں جو کہ عطیہ بن سعید العونی جو کہ مدلس ہے سے مروی ہیں۔

اور جن روایات کے صحیح ہونے کا دعویٰ اہل علم نے کیا ہے ان کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ لہذا اسود بن سریج رضی اللہ عنہ سے جو روایت امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں ”واما الذی مات فی الفترۃ فیقول بارب ما اتانی لک رسول فیاً خذ مواثقہم لیطیعنہ فیر سل الیہم ان ادخلوا النار فمن دخلها کانت علیہ بردا وسلاما ومن لم یدخلها یسحب الیہا“ (اور جو شخص حالت فترت میں فوت ہو وہ کہے گا اے پروردگار میرے پاس تیرا کوئی رسول نہیں آیا تو اللہ ان سے پکا عہد لے گا کہ ضرور اللہ کی بات مانو گے پھر انہیں حکم دے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ تو جو اس میں داخل ہوا اس کے لیے وہ ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو نہ داخل ہوا اسے گھسیٹ کر اس میں ڈال دیا جائے گا)۔

جبکہ ثوبان رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ ”لو دخلوها اول مرة کانت علیہم برد او سلاما“ یعنی ”اگر پہلی دفعہ ہی وہ داخل ہو جاتے تو ان پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جاتی“ دونوں روایتوں میں جو تناقص ہے یہاں پر وہ واضح ہے۔

بزار اور ابو یعلیٰ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ”فیقول لہم انی کنت ابعث الی عبادی رسلا من انفسہم وان رسول نفسی الیکم ادخلوا ہذہ“ تو اللہ ان سے فرمائے گا یقیناً میں نے اپنے بندوں کی طرف ان میں سے رسول بھیجے تھے اور تمہاری طرف اپنا یہ پیغام خود بھیجتا ہوں کہ اس (آگ) میں داخل ہو جاؤ یہاں پر جو رسولوں کے بھیجنے کا ذکر ہے وہ مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے مختلف ہے۔

بما يكفى ويشفى فذكروا حديثاً أخرجه ابن جرير في تفسيره قال حدثني عباد بن يعقوب قال حدثنا الحكم ابن ظهير عن السدي عن ابن عباس في قوله تعالى وسوف يعطيك ربك فترضى قال من رضى محمد صلى الله عليه وسلم ان لا يدخل احد من اهل بيته النار .

قال ابو محمد: ..... هذا خبر كذب بحق والاحتجاج به حرام سحت لان في سنده الحكم بن ظهير قال في التقريب متروك روى بالرفض واتهمه ابن معين أه وفي الكامل لابن عدي قال يحيى وصالح جزره كذاب وزاد يضع الحديث وقال ابن حبان يشتم الصحابة ويروى عن الثقات الموضوعات وقال البحارى وابو زرعة وابو حاتم والنسائي متروك وزاد النسائي وقال ابو داؤد ايضاً لا يكتب حديثه وضعفه احمد وقال الجوزجاني ساقط لميله كذا في التقريب وقال صاحب الميزان هو من غلاة الشيعة ورعوس البدعة . أه فهوان كان صادقاً في نفسه تكن خبره لا يقبل لانه كان ممن يدعوا الى بدعته وروايته مطرحة كما هي في الاصول مصرحة فقد قال ابن حبان في ثقافته كان داعياً الى الرفضه ومع ذلك يروى المناكير عن المشاهير فاستحق الترك أه . قال ابو محمد ويكفى لبطلانه انه يبطله قوله تعالى يانساء النبي من يأت منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين (الاحزاب ٣٠) ثم يلزم من هذا ان يكون ابو طالب وسائر المشركين من اهل قرابته ناجياً ولا نعلم احداً من هؤلاء الظالمين لذلك راجياً بل والذي بعثه بالحق لم يكن يرضى نجاته نفس من اهل الشرك والطغى .

قال ابو محمد: ..... وحديث آخر قالوا اخرجه الحاكم في المستدرک وصححه عن ابن مسعود قال قال شاب من الانصار لم ادر جلاً كان اكثر سؤالا لرسول الله صلى الله عليه وسلم منه قال يا رسول الله ارأيت ابواك في النار فقال ما سألت ربي فيعطيني فيهما واني لقاتم يومئذ المقام المحمود .

قال ابو محمد: ..... لقد تعقبه الذهبي في تلخيص المستدرک فقال بعد قول الحاكم "صحيح" لا والله فعثمان ضعفه الدارقطني أه ولا نعلم الذهبي حائثاً فيما حلف بل صدق فيما قال وما حلف فقال ابن معين ليس بشئ وكان يحيى وابن مهدي لا يحدثان عنه وكان شعبة لا يرضاه وقال ابن عبد البر ضعفه كلهم وقال ابو احمد

پھر آگے اسی روایت میں ہے ”فیقول من کتب علیہ الشقاء یا رب اتد خلناھا ومنھا کنا نفرق ومن کتب له السعادة فیمضی ویقتحم فیھا مسرعا فیقول اللہ قد عصیتمونی فانتم لرسلی اشد تکذبا ومعصیة فیدخل هولاء الجنة وهولاء النار“

تو جس کے لیے یہ بختی لکھ دی گئی ہوگی کہے گا اے پروردگار کیا تو ہمیں اس آگ میں داخل کر دے گا حالانکہ اسی بات کا تو ہمیں ڈر تھا اور جن کے لیے نیک بختی لکھی ہوگی تو وہ جائے گا اور تیزی سے اس (آگ) میں گھس جائے گا پھر اللہ فرمائے گا تم لوگوں نے میری نافرمانی کی تو تم میرے رسولوں کی نافرمانی اور جھٹلانے میں تو اس سے بھی بڑھ کر ہوتے تو وہ (داخل ہونے والے) جنت میں جائیں گے اور یہ دوسرے جہنم میں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو یہ بات اگر ثابت ہو جائے اہل فترت کے امتحان کے متعلق تو یہ پہلی دلیل قاطع ہے ان کے دعوے کو باطل کرنے کے لیے کیونکہ یہ چیز والدین پیغمبر کے مذکورہ دونوں گروہوں میں سے کسی ایک گروہ میں سے ہونے کے لیے دلیل یقینی کا تقاضا کرتی ہے اور رہی یہ بات کہ پیغمبر ﷺ کے والدین کے بارے اچھا گمان ہی کرنا چاہیے ہمارے نزدیک یہ خالی خولی وہم اور وسوسہ ہے جو کہ ان یقینی اور قطعی دلائل کے مقابلے میں باقی رہ نہیں سکتا جو کہ ابوطالب اور ان کے بڑوں کے مذہب اور عقیدے کے متعلق واضح ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ:..... پھر اللہ کا یہ فرمان ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا﴾ اس بات کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اس آیت میں واضح ہے کہ جو جہنم میں داخل ہو وہ اسے ٹھنڈک اور سلامتی والی نہ پائے گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے کہ:..... اور قائلین کی یہ بات باعث حیرت ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کے لیے امتحان کے وقت ثابت قدم رہنے کی امید کی جاتی ہے حالانکہ آپ ﷺ کے واضح فرمان کے بعد اس امید کا کوئی معنی نہیں رہتا اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا والد، نوح علیہ السلام کا بیٹا اور بیوی، لوط علیہ السلام کی بیوی پھر محمد مصطفیٰ ﷺ کا چچا اور دادا اور یہ تمام امور ان کے گمان کی تردید کے لیے کافی ہیں اور ان کے بیانات کے لیے مسکت ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اس حکم کو خاص قرار دیتے ہیں ان کے لیے جن کے پاس دعوت نہ پہنچی ہو اور یہ بات والدین رسول کے لیے ثابت نہ کر سکے اور یہ کج بحثی ہے۔

بلکہ آپ ﷺ کا واضح فرمان کہ وہ جہنم میں ہے پھر اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت سے رک جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں کی پاس دعوت پہنچی اور وہ منکر ہوئے سو اس بات کو ذہن میں سنبھال کر رکھنا یہ باریک بات ہے جو بڑی بڑی کتابوں میں نہ پاؤ گے اگر چہ دنیا چھان مارو۔ پھر اللہ کا یہ فرمان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے کہ ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَ



الحاكم ليس بالقوى عندهم وقال ابن حبان اختلط حتى لا يدري ما يقول لا يجوز الاحتجاج به وقال ابن عدى ردئ المذهب قال فى التشيع يؤمن بالرجعة ويكتب حديثه مع ضعفه وقال الدارقطنى متروك وقال ابو حاتم واحمدو البخارى منكر الحديث كذا فى التهذيب .

قال ابو محمد: ..... قول ابن عدى يكتب حديثه اى للعبرة لا للاحتجاج ولا الاستشهاد كيف وقد قال البخارى من قلت فيه منكر الحديث فلا تحل الرواية عنه .

قال ابو محمد: ..... ثم لو صح لكان عليهم لالهم لان فيه تقريره صلى الله عليه وسلم لقوله ابو اك فى النار ثم قد ثبت انه صلى الله عليه وسلم ما سأل ربه النفى ثم الوا وفى قوله وانى لقائم يومئذ دليل على انه لا يسأل فيهما ربه يومئذ ايضاً .

قال ابو محمد: ..... وذكر واحديثاً اخرجه ابو سعيد فى شرف النبوة عن عمران بن حصين سألت ربي ان لا يدخل النار احداً من اهل بيتى فاعطانى ذلك . اورده المحب الطبرى فى ذخائر العقبى قال ابو محمد: هذا خبر بلا سند فليس بمستند ومنتنه يكذبه ويطله وعن الاحتجاج ويسقطه وينزله لمخالفته الآية المذكورة وايضاً وقد قال صلى الله عليه وسلم لبتته انقذى نفسك من النار فانى لا املك لك من الله شيئاً اخرجه مسلم وايضاً فالمشرك ليس من اهل النبى صلى الله عليه وسلم فقد عاتب الله سبحانه وتعالى نبيه نوحاً عليه السلام فقال يا نوح انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح فلا تسئلن ما ليس لك به علم انى اعظك ان تكون من الجاهلين (هود) وحاش لله ان يسأل النبى صلى الله عليه وسلم للمشرك وهو يتلوا هذه الآية آناء الليل و آناء النهار .

قال ابو محمد: ..... وذكر واحديثاً اخرجه ابو القاسم التمام الرازى فى فوائده عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم القيامة شفعت لابي وامى وعمى ابى طالب واخ لى فى الجاهلية .

قال ابو محمد: ..... هذا خبر لا يستدل به عاقل وقد راجعنا الى عين فوائده للتمام فى سننهم الوليد بن مسلمة الطبرى الازدى قال ابو حاتم والدارقطنى ذاهب الحديث وزاد متروك الحديث وقال دحيم والعقبلى عن مسهر كذاب وقال همام منكر

يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿﴾ (ابراہیم : ۲۷) ترجمہ: (اللہ ثابت قدم رکھے گا ایمان والوں کو دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور ظالموں کو بھٹکا دے گا اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔  
تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی یا ایمان پر؟ دوسری بات کو تو حدیث رسول جھٹلاتی ہے اور اگر پہلی شق لیں تو ان کے لیے ثابت قدمی کی امید بالکل نہیں رہتی اگر ہم اہل فترت کے لیے امتحان تسلیم کر بھی لیں کیونکہ اس کا اثبات خود قائلین کر رہے ہیں اور دوسری ہی سانس میں انکار بھی کر دیتے ہیں۔  
راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اپنے اس دعوے کی دلیل میں کچھ ضعیف اور گری پڑی روایتیں لاتے ہیں ہم ان پر بھی کافی اور شافی کلام کیے دیتے ہیں۔ ایک روایت بیان کرتے ہیں جسے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ ”من رضى محمد ان لا يدخل احد من اهل بيته النار“ یعنی آپ ﷺ کی رضا تو یہ ہے کہ ان کے گھر والوں میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... یہ روایت خالص جھوٹ اور اس کو دلیل بنانا قطعاً حرام ہے کیونکہ اس کی سند میں الحکم بن ظہیر ہے جس کے متعلق التقریب میں آیا ہے ”متروک“۔

پھر اس سے بھی لازم آتا ہے کہ ابو طالب اور آپ ﷺ کے تمام مشرک رشتے دار بھی ناجی قرار پائیں اور ان میں سے ہم کسی کو اس بات کا قائل نہیں پاتے بلکہ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کا پیامبر بنا کر بھیجا وہ کسی مشرک اور سرکش کی نجات کو پسند کرنے والے نہ تھے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... ایک اور حدیث جیسے حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے اور عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ ابن مسعود نے فرمایا ایک انصاری نوجوان جو کہ بکثرت آپ ﷺ سے سوالات کیا کرتا تھا اس نے کہا کہ ”آپ کے والدین جہنم میں؟“ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ”ما سالت ربي فيعطيني فيهما واني لقائم يومئذ المقام المحمود“<sup>①</sup> یعنی جس دن میں مقام محمود میں کھڑا ہوں گا جو سوال اپنے پروردگار سے کروں گا وہ ان دونوں کے حق میں مجھے عطا کرے گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”لا والله فعثمان ضعفه الدار قطنی“ نہیں اللہ کی قسم یہ روایت صحیح نہیں ہے عثمان بن عمیر کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔

① ترجمہ (میں نے ان کے بارے میں اپنے رب سے سوال نہیں کیا کہ وہ مجھے ان کے بارے میں عطا کرتا اور بیشک میں اس دن مقام محمود پر کھڑا ہوں گا) کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں۔

الحديث وقال ابن حبان يضع الحديث على الثقات وقال ابن عدى احاديثه غير محفوظة وقال ابو زرعة جاء ابنه عنه بالا وابد كذا في لسان الميزان للعسقلاني .  
قال ابو محمد: ..... وقال التمام ابو القاسم نفسه في فوائد: بعد ذكر الخبر والوليد بن سلمة منكر الحديث اه وقد اقر السيوطي في مسالك الحنفاء بضعفه وهو كما ترى بلغ درجة الموضوع فهو كذب مختلق مصنوع .

قال ابو محمد: ..... وهذا الخبر يستلزم اسلام ابى طالب وهو خلاف النصوص الصريحة وهو كاف بعطلان هذه الرواية المخترعة وايضاً فكيف يشفع النبي صلى الله عليه وسلم لمن نهى النبي عنه الاستغفار له كما سيأتى وقد قال الله تعالى ولا يشفعون الا لمن ارتضى وهم من خشيته مشفقون (الانباء) وبيقين ندرى ان الله لا يرضى بشفاعة الشرك لانه قد انكر من غفرانه .

قال ابو محمد: ..... ولقائل ان يقول ان المراد بالشفاعة سؤال الاستيذان للمغفرة كما هو الظاهر من قصة عمه اوامه وستأتى وايضاً فالدليل الآخر كاف لتكذيب هذا الخبر فانه يقتضى جواز الشفاعة لابي طالب ايضاً .

قال ابو محمد: ..... ومنهم من قال لم يثبت عنهما الشرك بل كانا على الحنيفية ملة ابراهيم عليه السلام وهذا ابطل من الاول يرد عليه القطع والتخصيص وليس لهم عن ذلك محيص واستدلوا لذلك من المقدمتين الاولى ان كل اصل من اصوله صلى الله عليه وسلم من ادم الى والده خير الخلق والثانية انه لم تخل الارض من لدن نوح الى بعثته صلى الله عليه وسلم من مات على الفترة وقالوا فلو كان من الشرك لم يكونا من خير الناس .

قال ابو محمد: ..... ويرد على الاول ان الخيرية من حيث النسب لا من حيث الشرع الا ترى ان والد ابراهيم اذر كان مشركا وقد تفوا هو ابانه كان عمه لا ابوه وهو خلاف القرآن والآيات في ذلك كثيرة لاسما قوله تعالى واذ قال ابراهيم لابيه اذر اتبخذ اصناما الهة انى اراك وقومك فى ضلال مبين (الانعام) ثم قوله صلى الله عليه وسلم ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل من ولد اسماعيل بنى كنانه واصطفى من بنى كنانه قريشا واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفانى من بنى هاشم اخرجه الترمذى . فهل ترى هذا الاصطفاء من حيث النسب ام لاجل

اور ہم ذہبی کو اس کی قسم میں قصور وار نہیں سمجھتے بلکہ اس نے جو کہا سچ کہا ہے اس عثمان بن عمیر کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں ”دلیس بشی“ ”یہ تو کچھ بھی نہیں“ یحییٰ بن سعید اور عبداللہ بن مہدی اس سے روایت بیان کرتے تھے اور شعبہ اسے پسند نہ کرتا تھا اور ابن عبدالبر کہتا ہے ”ضعفه کلہم“ ہر ایک نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو احمد الحاکم نے خود تسلیم کیا ہے کہ ”لیس بالقوی عندہم“ کہ یہ راوی محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ اور ابن حبان کہتا ہے اختلط حتی لا یدری ما یقول لا یجوز الاحتجاج بہ“ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا یہاں تک کہ اسے پتہ ہی نہ پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا بد مذہب ہے شیعہ میں رجعت کے عقیدے کا قائل ہے دارقطنی نے کہا متروک ہے۔ ابو حاتم احمد اور بخاری نے کہا کہ منکر الحدیث ہے۔ یہ تمام اقوال التہذیب میں منقول ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ابن عدی نے کہا ہے کہ ”یکتب حدیثہ مع ضعفہ“ اس کی حدیث ضعیف ہونے کے باوجود لکھ لی جائے“ اس سے مراد یہ ہے کہ عبرت اور تنبیہ کے لئے نہ کہ حجت یا شہادت کے لیے اس لیے کہ امام بخاری کہتے ہیں جسے میں منکر الحدیث کہتا ہوں اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔ راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو بھی ان قائلین کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اس سے آپ ﷺ کی جانب سے انصاری نوجوان کے سوال ”ابواک فی النار“ آپ کے والدین جہنم میں کی تصدیق ثابت ہوتی ہے پھر (ماسالت) ما (نافیہ) سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنے رب سے کوئی سوال نہیں فرمایا پھر ”وانی لقائم یومئذ“ کا واؤ اس بات پر دال ہے آپ ﷺ اس دن بھی ان کے لیے سوال نہ فرمائیں گے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ایک حدیث بیان کرتے ہیں جسے ابوسعید نے شرف النبوة میں عمران بن حصین سے روایت کیا ہے ”سالت ربی ان لا یدخل النار احدا من اهل بیتی فاعطانی ذالک“ اس روایت کو محبت الدین الطبری نے ذخائر العقبیٰ میں نقل کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ روایت بغیر سند کے ہے لہذا غیر معتبر ہے اور اس کا متن ہی اس کی تکذیب اور ابطال کے لیے کافی ہے جو کہ اسے دلیل بنانے سے مانع ہے مذکورہ بالا آیت کی مخالفت بھی اس کی تردید کرتی ہے اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ سے فرمایا ”انقذی نفسک من النار فانی لا املك لك من اللہ شیئا“ اپنے آپ کو جہنم سے بچانا کیونکہ اللہ کی بارگاہ میں تمہاری لیے کسی چیز کا مالک نہیں“ (صحیح مسلم) اور مزید یہ کہ مشرک اہل النبی ہے ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام پر عتاب فرماتے ہوئے اس کے بیٹے کے متعلق فرمایا ﴿قَالَ يَنْوُحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعْظَمُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (ہود: ۶۶) (سورہ ہود) تو اللہ تعالیٰ نے

التوحيد والاسلام . فتفكر .

قال ابو محمد: ..... ويرد على الثانية انه قول لا دليل لقائله ومستند لعامله وما اتوا به من الآثار فمنها ضعيفة ومنقطعة وبعضها غير صريحة ثم هي ليست حجة عند اهل الحق وانما الحجة المرفوع وما سواه مد فروع فبطلان المقدمتين يستلزم بطلان النتيجة لما لا يخفى على طالب الحقيقة

قال ابو محمد: ..... استدلوا لذلك ايضاً بحديث البخارى ومسلم عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت عمرو بن لحي الخزاعي يجر قصب من النار كان اول من سيب لسوائب .

قال ابو محمد: ..... فاي دليل على اتباع الابوين له بل اخباره صلى الله عليه وسلم بانه في النار دليل على انه لم يتعرض له بالانكار ثم ليس الشرك منحصرأ في هذا بل له اقسام غير ذلك فالاستدلال له في غاية السقوط ولا يفيد لهم الا الهزوط .

قال ابو محمد: ..... واستدلوا بقوله تعالى وجعلها كلمة باقية في عقبه (الزخرف) وقالوا اخرج عبد بن حميد في تفسيره عن ابن عباس في تفسيره قال لا اله الا الله باقية في عقب ابراهيم ولم يذكر واله سناً فكيف يكون مسنداً ثم هذا لا يلزم منه ان لا يكون احد من ذريته مشركاً وهذا يرد عليه كفر عبدالمطلب وذكر واعن قتاده بن دعامة ايضاً انه قال التوحيد لا يزال في ذريته من يقولها بعده والجواب عنه كالذي قبله ويرد هذا كله قوله تعالى واذا بتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن قال انى جائك اماماً قال ومن ذريتي قال لا ينال عهدى الظالمين (البقره)

ففى الكريمة دلالة على ان من ذريته من لا ينال عهد الله لاجل ظلمه واصرح من ذلك قوله تعالى ومن ذريتهما محسن وظالم لنفسه بين (الصافات) ثم هو جملة فقوله صلى الله عليه وسلم ابي في النار مستثنى منها .

قال ابو محمد: ..... واستدلوا بقوله تعالى رب اجعل هذا البلد آمناً واجنبنى وبنى ان نعبد الاصنام (ابراهيم) ويخدش الاستدلال منه موت ابي طالب على الكفر وهو من ذريته بل من عصمه الله تعالى فهو المعصوم ثم هو من باب تعارض العام مع الخاص فيقدم عليه كما ذهب اهل الاصول اليه .

قال ابو محمد: ..... وذكروا ثراً عن ابن جرير في تفسير الكريمة عن مجاهد قال

فرمایا اے نوح یہ تیرے اہل میں سے نہیں اس کا عمل اچھا نہیں تو تو مجھ سے ایسی چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (سورہ ہود)

اور اللہ پاک اور برتر ہے اس بات سے کہ اس کا رسول اس آیت کو پڑھنے کے بعد بھی کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور روایت بیان کرتے ہیں جسے ابو القاسم التمام الرازی سے فوائد التمام میں بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اذا كان يوم القيامة شفعت لابی وامی وعمی ابی طالب واخ لی فی الجاهلیة“ جب قیامت ہوگی تو میں اپنے باپ، ماں، چچا ابو طالب اور زمانہ جاہلیت کے ایک بھائی کے لیے شفاعت کروں گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ روایت چھوٹی ہے اور کسی عقلمند کے لیے اس سے دلیل پکڑنا مناسب نہیں ہم نے جب اس روایت کو فوائد التمام میں دیکھا تو اس کی سند میں الولید بن سلمہ الطہری کو پایا جس کے متعلق ابو حاتم اور دارقطنی کہتے ہیں ”ذاهب الحدیث“ گئی گزری روایت والا مزید کہا ”متروک الحدیث“ ترک شدہ روایتوں والا جبکہ دجیم اور عقیلی نے مسھر سے اس کے متعلق نقل کیا ”کذاب“ جھوٹا اور ہمام نے کہا منکر الحدیث ناپسندیدہ روایتوں والا ابن حبان کہتے ہیں جھوٹی روایتیں ثقہ راویوں سے منسوب کرتا ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی روایتیں غیر محفوظ ہیں۔ اور ابو زرعہ کہا کرتے اس کا بیٹا اس سے جنگلی (اوابد) روایتیں لاتا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... التمام ابو القاسم نے خود اس روایت کو درج کرنے کے بعد کہا ہے کہ الولید بن سلمہ منکر الحدیث سے مسالک الخفاء میں سیوطی نے خود اقرار کیا کہ روایت ضعیف ہے حالانکہ یہ من گھڑت کے مقام کو جا پہنچی ہے لہذا یہ روایت جھوٹ، گھڑی ہوئی، تیار کردہ ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور اس روایت سے ابو طالب کا مسلمان ہونا بھی لازم آتا ہے جو کہ واضح نصوص کے خلاف ہے اور یہ ہی اس جھوٹی روایت کو باطل قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ اس کے لیے بخشش کی دعا کیسے کر سکتے ہیں جس سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهَمَّ مِنْ خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ﴾ اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لیے اللہ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں (الانبیاء) اور ہم پورے وثوق سے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مشرک کی شفاعت کو پسند نہیں فرمائے گا کیونکہ اس نے خود سخت الفاظ میں مشرک کی مغفرت سے انکار فرمایا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت سے یہاں پر مراد ہے شفاعت کے

فاستجاب الله لابراهيم دعوته في ولده فلم يعبد احد من ولده صنماً بعد دعوته في ولده. وهذا ان كان المراد من اولاده نفسه فصحيح مسلم والافيرد عليه باقى الحديث الصحيح من قول ابى طالب انا على دين عبد المطلب وابى ان يقول لا اله الا الله. فقد قال السيوطى فى مسالك الحنفاء الحنفاء بعد ذكر الحديث ظاهر الحديث يقتضى ان عبد المطلب مات على الشرك أهـ ثم فى السند المثنى بن ابراهيم الأملى شيخ ابن جرير لا يدري من هو.

قال ابو محمد: ..... واستدلوا بقوله تعالى رب اجعلنى مقيم الصلوة ومن ذريتى. وهذا الاستدلال فى غاية السخافة ولا ينكر ذلك الامن به سفاهة لانه لم يقل اجعل جميع ذريتى مصلين بل "من ذريتى" ومن ههنا للتبعيض فلا يتم به الاستدلال ولا يزيل الاشكال.

قال ابو محمد: ..... وذكروا ثراً عن ابن جرير اخرجهُ ابن المنذر فى الكريمة قال فلن تزال من ذريت ابراهيم ناس على الفطرة يعبدون الله وهو بلا سند فليس بمعتمد ثم لو صح لكان صريحاً فى التبعض ولا يلزم كون الابوين منهم بل هو محتاج الى دليل آخر ثم الخبر الصحيح المرفوع الصريح قاضى عليه فلا يلتفت اليه قال ابو محمد: ..... ومنهم من قال ان الله تعالى احياهما حتى آمنا به وهذا القول ارد من القولين واوهن من الوجهين واستدلوا لما قالوا بخبر باطل كذب فالقول به من اعجب العجب

قال ابو محمد: ..... وهو ما اخرجهُ ابن شاهين فى الناسخ والمنسوخ قال حدثنا محمد بن الحسن بن زياد مولى الانصارى حدثنا احمد بن يحيى الحضرمى بمكة حدثنا ابو غزوية محمد بن يحيى الزهرى ثنا عبد الوهاب بن موسى الزهرى عن عبدالرحمن بن ابى الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم نزل الى الحجون كثيراً فاقام به ماشاء الله عز وجل ثم رجع مسروراً فقلت يا رسول الله نزلت الى الحجون كثيراً فاقمتم به ماشاء الله ثم رجعت مسروراً قال سألت ربي عز وجل فاحى امى فأمنت به ثم ردها.

قال ابو محمد: ..... هذا اسناد مظلم والاستناد به محرم فان عبد الوهاب بن موسى قال الذهبى فى ميزانه لا يدري من ذا الحيوان الكذاب فان قلت تعقبه صاحب

لیے اجازت طلب کرنا جیسا کہ آپ ﷺ کے چچا اور والدہ کے قصے میں ہے اور اس کا مزید بیان آگے بھی آئے گا۔ اس بات کی تکذیب کے لیے کہ وہ دوسری دلیل کافی ہے کیونکہ اس سے ابوطالب کے لیے بھی شفاعت کو جائز ماننا پڑے گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بعض قائلین کہتے ہیں کہ ان دونوں سے مشرک ثابت نہیں ہے بلکہ وہ دونوں حنیفیت اور دین ابراہیمی پر تھے۔ یہ بات پہلی سے زیادہ باطل ہے جس کے خلاف قطعی اور مخصوص دلائل موجود ہیں جس سے بچاء کا ان قائلین کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔

اپنے اس دعوے کے لیے انہوں نے دو مقدمے ترتیب دیے ہیں۔ ”المقدمة الاولى: یہ کہ آپ ﷺ کے اجداد آدم علیہ السلام سے ان کے والد ماجد تک چنے ہوئے ہیں۔ المقدمة الثانية: دوسرا یہ کہ نوح علیہ السلام سے آپ ﷺ تک زمین کبھی اہل فترت سے خالی نہیں رہی۔ اور کہتے ہیں اگر وہ اہل شرک ہوتے تو چنے ہوئے (منتخب) نہیں ہو سکتے تھے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پہلی بات کا جواب یہ کہ انتخاب نسب کے اعتبار سے ہے شریعت کے اعتبار سے نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ از مشرک تھا جس کے متعلق منہ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ وہ اس کا چچا تھا باپ نہیں تھا حالانکہ یہ بات صریح قرآن کے خلاف ہے بہت سی آیات میں یہ مذکور ہے۔ خاص طور پر یہ آیت کہ ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَرَا أَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ (الانعام)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ ارز سے کہا کہ کیا تم نے بتوں کو معبود بنا رکھا ہے، میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔“ پھر آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ”اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو منتخب فرمایا اور اسماعیل کی نسل میں سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا (ترمذی) اب بتاؤ یہ انتخاب نسب کا ہے یا توحید اور اسلام کا لہذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... دوسری بات کا جواب یہ کہ یہ بلا دلیل بات ہے اور اس کے حق میں جو آثار بیان کیے جاتے ہیں ان میں سے بعض ضعیف، بعض منقطع اور بعض غیر واضح ہیں۔ اور پھر یہ اہل حق کے نزدیک دلیل ہی نہیں بنتے کیونکہ دلیل صرف قول مرفوع یعنی فرمان رسول ہے۔ لہذا ان دونوں مقدموں کا باطل ہونا ان لوگوں کے نکالے ہوئے نتیجے کو بھی باطل کر دیتا ہے جو کہ بالکل واضح ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ لوگ بخاری و مسلم کی ایک حدیث کو بھی دلیل کے طور پر لاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”رایت عمر و بن لحي الخزاعي يجبر قصبه في النار كان اول من



اللسان بان المتهم غيره ونقل عن الدارقطني توثيقة قلت توثيق الدارقطني لا يفيد من ثبت كذبه الذهبى لم يجهله وانما عرفه بالكذب وهو من اهل الاستقراء التام فى نقد الرجال قاله العسقلانى فى شرح النخبة ثم صاحب اللسان لم ينكر كونها كذباً وانما اراد الذب عن عبد الوهاب وجعل الحمل على غيره . قال ابو محمد ثم فى السند ابو غذيه محمد بن يحيى الزهرى ضعفه الازدى وقال الدارقطني متروك كذافى الميزان ونقل فى اللسان عن الدارقطني منكر الحديث وقال فى المترجم فى ترجمة عبد الوهاب المذكور رماه الدارقطني بالوضع اه وجهله ابن الجوزى فى الموضوعات فان جهل فهالك

وان عرف فحالك ولنعم ما قيل

وان كنت لاتدرك فتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

قال ابو محمد: ..... وتلميذ احمد بن يحيى الحضرمى قال ابن الجوزى فى الموضوعات مجهول وقال صاحب اللسان لم يظهر لنا من مسند النقاش ما يميز به وفى طبقته جماعة كل منهم احمد بن يحيى واقربهم الى السند احمد بن يحيى بن زكريا مصرى اه فهذا الحافظ ايضاً لم يقدر على تعريفه بل اقر على جهله و من جعله اقرب الى السند فقال فيه الدارقطني لم يكن مرضياً فى الحديث كذافى اللسان . والسيوطى ثم ذيله لعصمة الحديث من الوضع قداطال الكلام فى اللاتى المصنوعة بما لا يفيد المرام جعله احمد بن يحيى الحضرمى كما فى السند وهو ذكره صاحب الميزان وقال لينه ابو سعيد بن يونس اه فاياه كان فليس المترجم اهلاً ان يروى عنه ثم اختلافهما فى تعيينه دليل على جهالته وقال المدارسى فى كشف الاحوال مجهول- اه

قال ابو محمد: ..... وشيخ ابن شاهين محمد بن حسن بن زياد النقاش مشهور بوضع الحديث قال طلحة بن محمد يكذب فى الحديث وقال الباقرى حديثه منكر وقال ابو القاسم اللالكاعى فى تفسيره شفاء الصدور ليس بشفاء الصدور وقال الخطيب فى حديثه مناكير باسانيد مشهورة ووهاه الدارقطني وذكر له ابن الجوزى حديثاً موضوعاً كذافى اللسان ورماه الذهبى فى الميزان فى ترجمة محمد بن مسعر

سیب السوائب“ میں نے عمرو بن لُحی خزاعی کو دیکھا کہ اپنی آنتیں جہنم میں گھسیٹ رہا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو بتوں کے لیے وقف کیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو پھر یہاں کون سی دلیل ہے کہ والدین نبی نے اس کی پیروی نہیں کی۔ بلکہ آپ ﷺ کا یہ بتانا کہ وہ جہنم میں ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اس بات کے انکار سے تعرض ہی نہیں فرمایا۔ پھر یہ کہ شرک صرف اس چیز ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی اور کئی اقسام ہیں۔ لہذا یہ دلیل انتہائی بودی اور کمزور ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور اس ارشاد باری تعالیٰ سے دلیل لاتے ہیں کہ ﴿وجعلها كلمة باقية في عقبه﴾ (الزخرف) اور اس بات کو اپنی نسل میں باقی چھوڑا“ کہتے ہیں کہ عبد بن حمید نے اس کی تفسیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا ”لا اله الا الله“ یہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں باقی رہنے والا کلمہ تھا۔ اس روایت کی کوئی سند نہیں لائے پھر اس سے استدلال کیسے؟ پھر اس سے لازم آتا ہے کہ نسل ابراہیم میں سے کوئی بھی مشرک نہ ہو جبکہ عبدالمطلب کا کفر ہی اس کے بطلان کے لیے کافی ہے۔

اور قتادہ سے بھی روایت لاتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ رہیں گے جو کہ ان کے بعد کلمہ توحید کہتے رہیں گے۔ اس بات کا جواب وہ ہی ہے جو کہ پچھلی کا۔

مزید یہ کہ اللہ کا یہ فرمان اس پر وارد ہوتا ہے ﴿وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ (البقرہ) اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں کے ذریعے آزمایا تو اس نے انہیں پورا کر دکھایا اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا عرض کی اور میری اولاد میں سے فرمایا میرا عہد ظالموں کو حاصل نہ ہوگا۔ (البقرہ)

اس آیت مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ ان کی ذریت میں سے ایسے بھی ہوں گے جس کو یہ عہد مسعودان کے ظلم کی بنا پر حاصل نہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صریح اللہ کا یہ فرمان کہ ﴿وَمَنْ ذَرِيَّتَهُمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مَبِينٌ﴾ اور ان دونوں (اسماعیل اور اسحاق) کی نسل میں سے بھلائی کرنے والے اور واضح طور پر اپنے جانوں پر ظلم کرنے والے بھی ہیں۔ (الصافات)

پھر یہ کہ کلمہ توحید کا ان کے پچھلوں میں باقی رہنا ایک مجموعی بات ہے جب کہ آپ ﷺ سے مروی یہ فرمان ”ابی فی النار“ میرے والد جہنم میں ہیں اس سے استثناء ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اللہ کے اس فرمان کو بھی دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ﴿رب اجعل هذا البلد آمناً واجنبی وبنی ان نعبد الا صنم﴾ اے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچا“ (سورہ ابراہیم)

بوضع الحديث وكذبه في ترجمة محمد بن الحسن شيخ محمد بن اسحاق بن محمد السوسى وقال ابن الجوزى في الموضوعات والمدارسى ليس بثقة وزاد حدث بمناكير -

قال ابو محمد: ..... وله سند آخر قال محب الدين احمد بن عبدالله المكي الطبرى فى كتابه سيرة النبى انا ابو الحسن المقبرى انا الحافظ ابو الفضل محمد بن ناصر السلاسى اجازة انا ابو منصور محمد بن احمد بن على بن عبدالرزاق الحافظ انراهد انا القاضى ابو بكر محمد بن عمر بن الاخضر ثنا ابو غزیه محمد بن يحيى الزهرى فذكره .

قال ابو محمد: ..... هذا السند ليس بدون الاول فان مداره على ابى غزیه وعبد الوهاب المذكورين ثم الشيخ الطبرى ابو الحسن لايدرى من هو ولا ابن من هو وهل هو ثقة ام لا وعلى الثانى هل ضعفه خفيف او شديد ولم يكلفنا الله تعالى ان نأخذ ديننا عنم لانعرفه .

قال ابو محمد: ..... وله سند آخر قال الخطيب فى السابق واللاحق اخبرنا ابو الجلاء الواسطى حدثنا الحسين بن على بن محمد الحلبي حدثنا ابو طالب عمر بن الربيع الزاهد حدثنا على بن ايوب الكعبى حدثنا محمد بن يحيى الزهرى ابو غزیه ثنا عبد الوهاب بن موسى حدثنا مالك ابن انس عن ابى الزناد فذكره . قال ابو محمد هذا السند ظلمة فى ظلمة ومدارة ايضاً على الكذابين المذكورين وعلى بن ايوب الكعبى ذكره صاحب الميزان فقال لا يكاد يعرف اه وبين صاحب اللسان انه هو ابن احمد الكعبى وأول من قال ايوب ابن الجوزى ثم ذكره فى ترجمة ابن احمد فذكر فيه مايدل على ان الدارقطنى اتهمه بوضع وقد جهله ابن عساكر فى تاريخه .

قال ابو محمد: ..... وعمر بن الربيع ابو طالب الخشاب قال الذهبى فى ميزانه كذاب اه فلا يفيد قول سلمة بن قاسم تكلم فيه قوم و وثقه اخرون بعد قول الذهبى المذكور لانه جرح مفسر فحسب وقال المدارسى فى الكشف ضعفه الدارقطنى اه .

واشار صاحب اللسان الى كونه متهماً . قال ابو محمد ثم الحلبي فيه ايضاً قال ابن عساكر له غرائب كما فى اللسان واما قول الخطيب ما علمت من حاله الاخيراً فانه

اس آیت سے استدلال اس لیے بھی کمزور ہے کہ ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی اور وہ ان کی ذریت میں سے ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جسے اللہ نے بچایا۔

پھر یہاں پر عام اور خاص حکم کے مابین تعارض ہے اس لیے خاص کو ترجیح حاصل ہوگی جیسا کہ اصولوں کا اس امر پر اتفاق ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... ابن جریر طبری نے ایک روایت اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں مجاہد سے نقل کی ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی اولاد میں سے کس نے اس کے بعد کسی بت کی پوجا نہ کی۔ مجاہد کی یہ بات اگر ان کے بیٹوں کے متعلق ہے تب تو درست ہے تسلیم شدہ ہے۔ اور اگر یہ ان کی نسل سے متعلق ہے تو پھر حدیث صحیح میں جو ابوطالب کا قول منقول ہے وہ واضح طور پر اس کے خلاف ہے کہ ”انا علی دین عبدالمطلب“ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور ”لا الہ الا اللہ“ کہنے سے انکار کر دیا خود سیوطی مسالک الخفاء میں اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں ”ظاہر الحدیث یقتضی ان عبدالمطلب مات علی الشریک“ بظاہر یہ حدیث مقتضی ہے کہ عبدالمطلب حالت شرک میں فوت ہوا۔ مزید یہ کہ اس روایت کی سند میں المثنیٰ بن ابراہیم الاہلی جو کہ ابن جریر کا شیخ ہے اس کا پتہ ہی نہیں کہ وہ ہے کون؟

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اللہ کے اس فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ﴿رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی﴾ اے پروردگار مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے ”حالانکہ یہ دلیل انتہائی کمزور اور ناقابل التفات ہے کیونکہ انہوں نے یہ دعا نہیں کی کہ میری تمام نسل کو نمازی بنا بلکہ میری نسل میں سے فرمایا یہاں پر حرف ”من“ بعض کے معنی میں ہے اس لیے یہ دلیل نہیں بنتی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... ابن جریر سے ایک روایت جسے ابن المنذر نے نقل کیا ہے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ”نسل ابراہیم میں سے کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر اللہ کی عبادت کرتے رہے ہیں“ یہ اثر بے سند ہے لہذا ناقابل استدلال ہے۔ اور اگر صحیح بھی مان لیا جائے پھر بھی واضح طور پر کچھ لوگوں پر دلالت کرتا ہے اور نبی پاک کے ماں باپ کا ان چند لوگوں میں سے ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس کے لیے کسی الگ صحیح صریح مرفوع دلیل کی حاجت باقی رہتی ہے جب کہ صحیح صریح مرفوع دلیل اس کے مقابل موجود ہے اس لیے اسے دیکھنے کی بھی حاجت نہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور ان قائلین میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ ان پر ایمان لے آئے۔ یہ قول پچھلے دنوں اقوال سے بھی گیا گزرا ہے۔ اپنے اس قول کے لیے ایک بیکار جھوٹی روایت سے بھی استدلال کرتے نظر آتے ہیں جو انتہائی حیران کن امر ہے۔

وان لم يعرفه فعرفه ابن عساكر فهو حجة عليه .

قال ابو محمد: ..... فهذا حال الحديث الذي عولوا عليه ويعتمدوا عليه وهو كما ترى يدور على الكذابين الوضاعين والمجاهيل الذين لا يزالون يأتون بالعجائب والا باطيل افتري من شأن المسلم ان يحمل امراً من امور الدين على هذا الخبر المظلم .

قال ابو محمد: ..... ولا يقال ان السند يعضد بعضه بعضاً لوجوه الاولى ان مداره على السند الواحد والثاني ان هذا مسلم ان كان الضعف خفيفاً لا كما نحن فيه لان ضعفه بلغ الغاية بل جاوز النهايه ففي مثل هذا الحديث لا تزيد زيادة الطرف الاضعفا كذافي نصب الراية للزيلعي . والثالث ان هذا الضعف بخلاف هذا فانه موضوع فلا يصغى اليه ولا هو مسموع .

قال ابو محمد: ..... وقد حكم عليه بالوضع اهل العلم بالحديث المميزون بين الطيب والخبيث فذكره ابن الجوزي في الموضوعات وقال الدارقطني في غرائب مالك وهو منكر باطل اه وقال الذهبي في الميزان في ترجمة عبدالوهاب بن موسى هذا حديث كذب مخالف لما صح انه عليه السلام استأذن ربه من الاستغفار فلم يأذن له اه وقال ابو الفضل بن ناصر هذا الحديث موضوع كذافي مسالك الحنفاء وقال الحافظ ابو الخطاب عمر بن دحيه ان الحديث في ايمان امه وابيه موضوع يرده القرآن العظيم وحكم الجوزجاني بوضعه ايضاً في كتاب الاباطيل كما في اللسان وذكر العلي القاري في الموضوعات فقال حديث احياء ابويه صلى الله عليه وسلم موضوع وقال الباجي موضوع كما في انجاح الحاجه حاشيه ابن ماجه وقال ابن عساكر في تاريخه هذا حديث منكر اه والمراد نكارة البطلان كما هو الظاهر من الكلام الدارقطني المذكور انفاً اه قال ابو محمد: ثم في السند بلالاً آخر الاولى عبدالرحمان ممن تغير حفظه ولا يدري حدث بهذا الحديث قبل الاختلاط اوبعده فيجب عن روايته الاجتناب للاحتياط فان قيل تابعه مالك عند ابن عساكر قلنا قال الدارقطني هذا كذب على مالك كما في اللسان في ترجمة عبدالوهاب وثانيها الاضطراب وذلك انه ذكره ابن عساكر في غرائب مالك من طريق ابن غزويه حدثني مالك عن ابي الزناد عن هشام فذكره وقال لا يعرف لابي الزناد رواية عن

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... وہ روایت وہ ہے جسے ابن شامہین نے النسخ والمسنوخ میں نقل کیا ہے جس کی سند یہ ہے۔

عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضى الله عنها وه فرماتی ہیں کہ ”نبی ﷺ حجون کی طرف تھکے ماندے غمگین اترے پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ وہاں پر رہے پھر خوش و خرم واپس لوٹے تو میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ آپ حجون کی جانب تھکے ماندے اور غمگین گئے پھر جب تک اللہ نے چاہا آپ وہاں رہے پھر آپ خوش و خرم لوٹے (تو یہ کیا معاملہ ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا، سالت ربی عزوجل فاحی امی فامنت بی ثم ردھا“ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ نے میری والدہ کو زندہ فرمایا پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں اور پھر اللہ نے انہیں (عالم برزخ) لوٹا دیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... یہ سند تاریکیوں سے پر ہے اور اسے دلیل بنانا حرام ہے کیونکہ عبدالوہاب بن موسیٰ کے متعلق ذہبی کا میدان میں کہنا ہے کہ پتا نہیں یہ جھوٹا جانور کون ہے ”لا یدری من ذالل حیون الکذاب“ پھر اگر تم کہو کہ صاحب لسان المیزان نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ متہم بالكذب کوئی اور ہے اور دارقطنی سے اس کی توثیق کی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے اسے دارقطنی کو توثیق کوئی نفع نہیں دے سکتی اور ذہبی اس سے ناواقف نہیں ہے بلکہ جھوٹے کے طور پر اسے پہچانتا ہے اور ذہبی رجال کی چھان پھٹک میں ماہرین میں سے ہے نخبۃ الفکر کی شرح میں ابن حجر عسقلانی نے اس امر کا اعتراف کیا ہے مزید یہ کہ صاحب لسان نے اس روایت کے جھوٹ ہونے کا انکار نہیں کیا صرف عبدالوہاب کا دفاع کر کے ملبہ دوسرے پر ڈال دیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... پھر اس سند میں ابو غزیہ محمد بن یحییٰ الزہری ہے جسے ازدی نے ضعیف قرار دیا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ متروک ہے جیسا کہ میزان میں مذکور ہے اور لسان المیزان میں نقل کیا گیا ہے کہ دارقطنی نے کہا منکر الحدیث ہے۔

اور ابن الجوزی نے موضوعات میں اسے مجہول قرار دیا ہے لہذا اگر مجہول ہے تو تباہی ہے اور اگر معروف ہے تو بربادی ہے اور کیا خوب کہا گیا ہے

وان كنت لا تدري فتلك مصيبة

وان كنت تدري فالمصيبة اعظم

اور اگر تم نہیں جانتے تو وہ ایک مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو پھر تو مصیبت اور بھی زیادہ ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور ابو غزیہ کا شاگرد احمد بن یحییٰ الحضرمی جس کے متعلق ابن الجوزی نے موضوعات میں کہا ہے کہ مجہول اور صاحب لسان کا کہنا ہے کہ مسند النقاش سے ہمارے اوپر واضح نہیں ہو سکا یہ کون ہے؟

هشام وهشام لا يدرك عائشة فلعله سقط من كتابي عن ابيه اه  
 وثالثها الانقطاع ايضاً كما هو الظاهر من طريق ابن عساكرو كلام المذكور قال ابو  
 محمد فقال بعضهم يعمل به في الفضائل وهذا لا يفيد فيما نحن فيه لان ضعفه  
 شديد لا خفيف كما تقرر في مقره ثم المشروط ان يكون ذلك الحكم مندرجاً  
 تحت الاصل العام وليس كذلك ههنا ثم ليس هو من باب الفضائل بل هو من باب  
 العقائد كما لا يخفى على اولي النهي .

قال ابو محمد: ..... ثم الادلة الاخرى تدل على كون الخبر كذباً محضاً وانه لا يزيد  
 في الدين الا فساداً او حرضاً فمنها انه يخالف الآيات القرآنية فقال الله تعالى  
 وليست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا حضروا حدهم الموت قال انى تبت  
 الآن ولا الذين يموتون وهم كفار اولئك اعتدنا لهم عذاباً اليماً (النساء 18) فهذا  
 اخبار منه سبحانه وتعالى بان الذين ماتوا على الكفر فلا توبة لهم فاي دليل اولى من  
 هذا او اجل فانه لو سلمنا احياهما يكون تكذيباً لآية ومن اصدق من الله قياً لان  
 ذلك الخبر يدل على انها ماتت كافرة لانه لا معنى لاحياء المسلم فاذا ثبت انها  
 ماتت على حالة الكفر فلا توبة لها بنص القرآن الكريم قال ابو محمد وقال الله  
 تعالى ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فاولئك حبطت اعمالهم في  
 الدنيا والآخرة واولئك اصحاب النار هم فيها خالدون (البقره) فهذا تكذيب  
 صريح وتديد صحيح لمن يدعى احياء من مات على الكفر للتوبة او الايمان استناداً  
 لرواية الكذاب الاشر .

قال ابو محمد: ..... ونظيره قوله تعالى حتى اذا جاء احدهم الموت قال رب الرجعون  
 لعلى اعلم صالحاً فيما تركت كلا انها كلمة هو قائلها ومن وارثه برزخ الى يوم  
 يبعثون (الانبيا)

بل قد عاتب سبحانه وتعالى نوحاً عليه السلام حين سأل لولده فقال لا تسئل  
 ما ليس لك به علم انى اعظك ان تكون من الجاهلين (هود)

قال ابو محمد: ..... اعتراض بعضهم فقال تعلييل الحديث بانه مخالف للقرآن ليس  
 من طريقة اهل الحديث وهذا باطل لوجهين احدهما انا ابطلناه اولاً من حيث  
 الرواية ثم صرفنا عنان القلم الى ميلان الدراية فالخبر بكلا الوجهين مردود ومن

اور اس کے طبقے میں کافی لوگ احمد بن یحییٰ نام کے حاصل ہیں اور ان میں سے اس سند کے نزدیک احمد بن یحییٰ بن زکریا لکھتا ہے یہاں حافظ ابن حجر بھی اس بندے کی پہچان کروانے سے قاصر رہے اور اس کے مجھول غیر معلوم ہونے کا اعتراف کر گئے اور جس کو انہوں نے اقرب الی السند قرار دیا اس کے متعلق دارقطنی فرماتے ہیں ”لم یکن مرضیا“ پسندیدہ نہ تھا حدیث کے معاملے میں جیسا کہ لسان المیزان میں منقول ہے سیوطی نے اس روایت کو من گھڑت قرار دینے سے بچانے کے لیے آستینیں چڑھالیں اور السلاسی المصنوعہ میں لمبی چوڑی بحث کی مگر بے فائدہ۔ تو انہوں نے اسے احمد بن یحییٰ الحضرمی قرار دیا جیسا کہ سند میں ہے اور وہ وہ ہی ہے جسے صاحب میزان نے درج کر کے کہا ہے کہ ”لینہ ابو سعید بن یونس“ ابو سعید بن یونس نے اسے ڈھیلا راوی قرار دیا ہے۔ لہذا کوئی بھی ان دونوں میں سے ہو بہر حال اس قابل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے پھر اس کی تعیین میں اختلاف اس کے مجھول ہونے کے لیے کافی ہے اور مدراسی نے کشف الاحوال میں اسے مجھول ہی کہا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت میں ابن شاہین کا شیخ محمد بن الحسن بن زیاد النقاش روایات گھڑنے کے لیے مشہور ہے طلحہ بن محمد نے کہا کہ یہ حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولتا ہے اور برقانی نے کہا ”حدیث منکر“ اس کی روایت منکر ہے اور ابو القاسم نے کہا کہ اس کی تفسیر ”شیفاء الصدور“ دلوں کے لیے شفا گر نہیں ہے خطیب بغدادی نے کہا کہ اس کی روایات میں مشہور سندوں سے منکرات بھرے ہیں۔ دارقطنی نے اسے واہیات قرار دیا۔ ابن الجوزی نے اس کے حوالے سے ایک من گھڑت روایت نقل کی جیسا کہ لسان میں ہے جب کہ ذہبی نے اس کو میزان میں وضع الحدیث کے مجرم کے طور پر گردانا ہے محمد بن مسهر کے حالات کے بیان میں۔ اور محمد الحسن شیخ محمد بن اسحاق بن محمد کے حالات میں اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن الجوزی نے موضوعات میں اور مدراسی نے کہا کہ ”لیس بثقة“ قابل اعتماد نہیں مزید کہا کہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت کی ایک اور سند ہے جس کو محبت الدین الطبری نے سیرۃ النبی میں نقل کیا ہے ”انا ابو الحسن المعتمری انا الحافظ ابو الفضل محمد بن ناصر السلاسی اجازۃ انا ابو منصور محمد بن احمد ابن علی بن عبدالرزاق الحافظ الزاہہ انا القاضی ابو بکر محمد بن عمر بن الاخضی ثنا ابو غزیہ محمد بن یحییٰ الزہری“ پھر آگے اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ سند بھی پہلی سے مختلف نہیں کیونکہ اس کا دارو مدار بھی ابو غزیہ اور عبدالوہاب پر ہے جن کا ذکر خیر ہو چکا پھر ابو الحسن شیخ الطبری اس کا پتہ ہی نہیں کہ وہ کون ہے کس کا بیٹا ہے؟ وہ ثقہ ہے کہ



اقام المطروح معدود وثانيها ان ذلك ايضاً من طريقة اهل الحديث لانهم يتكلمون في الاسانيد اذالم تبين لهم كذب الخبر ومثل هذا الخبر الذي كونه كذبا اظهر من الشمس فيصلح كل من له ادنى مهارة لهذا الفن ان يرده بدون رؤية سندهم وانظر لذلك كتب الفن وكثيراً ماترى انهم يكذبون الراوى لاجل حديث الذى تدل الفاظة انه مما صنعتته يداه .

قال ابو محمد: ..... ومنها انه يخالف لاحاديث الصحيحة كما مر كلام الذهبى وسيأتى ذكر فالخبر مع كونه كذباً صريحاً يباين حديثاً صحيحاً ومنها انه قد ادعى ابو الخطاب الاجماع على خلاف ذلك فقال فيمن مات كافر الم ينفعه الايمان بعد الرجعة بل لو آمن عند المعاينة لم ينفع فكيف بعد الاعادة كذا فى التعظيم والمنة للسيوطى .

قال ابو محمد: ..... ومنها انه يخالف العقل نعم لو كان ثبت على خلاف العقل وعن سيد الرسل باصح الاسانيد والسبل .

فلا عبرة للمعقول بمقابلة المنقول وليس كذلك فلا يقدر فى العقل بخبر هالك .  
قال ابو محمد: ..... ولا يحكم عليه ماورد فى التنزيل من احياء قتيل بنى اسرائيل واحياء عيسى عليه السلامه من الاموات وغير ذلك من الواقعات لانه اولاثبت من اصدق الاخبار بخلاف مانحن فيه لانه من الآثار ثم ليس هو لهذا المعنى بل لاظهار القدرة واما احياء احد من الكفار للايمان اوللتوبة فليس له فى الكتاب والسنة اثرة فالمدعى مكلف ان يثبت من الكتاب والسنة احياء نفس واحدة لاجل هذا الغرض فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتبهون فى الارض كلا والله هذه العقيدة التى ما اخبر بها الله تعالى ولا رسوله صلاة عليه وسلم ولا اعتقدها احد من الامم .

قال ابو محمد: ..... وقد خرج السيوطى متمثلاً برواية لافوق لها ولا تحت فقال وقد ظفرت باستدلال اوضح منه وهو ماورد ان اصحاب الكهف يبعثون فى آخر الزمان و يحجون ويكفون هذه الامة نشريفاً لهم بذلك وورد عن ابن عباس مرفوعاً اصحاب الكهف اعوان المهدي اخرج ابن مردويه فى تفسيره . اه  
قال ابو محمد: ..... هذا الخبر لاسند له ولا عجب من السيوطى فى الاحتجاج بمثل

نہیں ہے؟ اور اگر ثقہ نہیں ہے تو پھر کیا سخت ضعیف ہے یا نہیں؟ بہر حال ہمیں اللہ نے اس چیز کا مکلف نہیں بنایا کہ ہم اپنا دین ان لوگوں سے لیں جنہیں ہم جانتے ہی نہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت کی ایک اور سند ہے خطیب بغدادی نے السابق واللاحق میں کہا ہے کہ ”اخبارنا ابو العلاء الواسطی حدثنا الحسين بن علي بن محمد الحلبي حدثنا ابو طالب عمر بن الربيع الزاهد حدثنا علي بن ايوب الكعبي حدثنا محمد بن يحيى الزهري ابو غرية حدثنا عبدالوهاب بن موسى حدثنا مالك بن انس عن ابي الزناد پھر ایسی روایت کو نقل کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ سند تاریکی پر تاریکی ہے اور اس کا مدار بھی مذکورہ دونوں جھوٹوں پر ہے مزید یہ کہ علی بن ایوب الکعبی کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب میزان نے کہا کہ تقریباً مجہول ہے۔ ( لا یکاد یعرفہ ) اور صاحب لسان نے فرمایا ہے کہ یہ ابن احمد الکعبی ہے اور سب سے پہلے اس کو ابن ایوب کی نسبت سے ابن الجوزی نے منسوب کیا پھر ابن احمد کے تذکرے میں جو کچھ بیان کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارقطنی نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام عائد کیا ہے اور ابن عساکر تو اسے اپنی تاریخ میں مجہول گردانا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور عمر بن الربیع ابو طالب الخشاب ذہبی نے اسے میزان میں کذاب جھوٹا کہا ہے لہذا سلمہ بن قاسم کی یہ بات اسے مفید نہیں ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے اور دوسروں نے اس کی توثیق کی ہے کیونکہ ذہبی کی جرح مفسر ہے پس کافی ہے۔ اور مدراسی نے کشف الاحوال میں کہا ہے کہ دارقطنی نے اسے ضعیف قرار دیا اور صاحب لسان نے اس کے متھم بالکذب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر یہ حلبی حسین بن علی اس کے بارے میں ابن عساکر کا کہنا ہے کہ ”لہ غرائب“ اس کی روایات عجیب ہیں جیسا کہ لسان میں ہے اپنی خطیب کی یہ بات کہ میں اس کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ تو خطیب نہیں جانتا ابن عساکر تو اسے پہچانتا ہے اس لیے وہ اس پر حجت ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو یہ ہے حالت اس روایت کی جس پر یہ لوگ اعتماد کر رہے ہیں اور اس کی اوٹ لے رہے ہیں جو کہ جھوٹوں گھڑنے والوں اور مجھولوں کے مابین گھوم رہی ہے جو کہ ہمیشہ عجیب و غریب اور بیکار باتیں لاتے رہتے ہیں۔ کیا یہ کسی مسلمان کے لائق ہے کہ وہ دین کا کوئی مسئلہ ایسی تاریک روایت کے ساتھ منتهی کر دے؟

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مختلف اسناد سے ایک دوسرے کو تقویت ملتی ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام اسناد اصل میں ایک ہی سند پر گھوم رہی ہیں اور دوسری بات کہ تقویت

هذا الحديث لانه يجمع بين الغث والسمين والطيب والخبيث وكان كما قال السخاوى فى الضوء اللامع سريع الكتابة فقط فلا تفنع بما يذكر من الرواية ثم اصحاب الكهف لم يموتوا على الكفر بل قد حكى سبحانه وتعالى فى القرآن اعتقادهم وانهم كانوا من اهل الايمان فلا معنى الفرحة بهذا فانه اين هذا من ذائم قوله تعالى ونقلبهم ذات اليمين وذات الشمال (الكهف) دليل على نومهم لاحيائهم فبطل الاستدلال جملة فتفكر .

قال ابو محمد: ..... ومنها ان متن هذا الخبر كاف لتكذيبه ولا حاجة الى تخريجه فقد قال ابن ناصر ان هذا الحديث موضوع لان قبرامه بالانواء كما ثبت فى الصحيح وابو غزويه هذا زعم بالحجون كذا فى اللسان فى ترجمة عبدالوهاب وهكذا قال ابن سعد فى الطبقات قال ابو محمد فهذا حال الخبر الذى جعلوه اساساً فى الدين وترجوا به ثواباً عند الله المتين وقال بعضهم هذا ليس يبيعد ان يكون ذلك من خصائصه صلى الله عليه وسلم وقد اغناه الله تعالى عن مثل هذا الخصوصية المكذوبة التى فيها توهين لا تشرىف كما زعموه ان فيه نسبة الكذب اليه .

قال ابو محمد: ..... فقال بعضهم ماروى نبى معجزة او خصلة الا ووتى نبينا صلى الله عليه وسلم مثلها وهذه القائدة اتفق عليها الامة وقد احيها الله تعالى لعيسى عليه السلام الموتى من قبورهم فلا بد ان يكون نبينا صلى الله عليه وسلم مثل ذلك لم يرو من هذا النوع الا هذه القصة فلم يستعبد ثبوتها وفيه ان قصة حنين الجزع ابلغ من ذلك فحسبك ولا حاجة الى ذلك من الاخبار المكذوبة أو الاثار المصنوعة .

قال ابو محمد: ..... ثم هذا الخبر لامه صلى الله عليه وسلم ولم يأت خبر لو االدم قط ان هو الأتمويه وليس له وجه وجيه ولا تفتريا طالب الحق بتصحيح القرطبى فان فيه مصائب لا تعدو ولا تحصى ومفاسد الدين لا تخفى ولا تنسى وقد قال السيوطى انه ضعيف باتفاق المحدثين بل قيل انه موضوع لكن الصواب ضعفه لا وضعه وكذبه وابطلنا ما اتى به السيوطى من الاعذار الباردة والانكار الثارده ثم لو تنزلنا وسلمنا انه ضعيف فقط فهذا القدر ايضاً كاف لمن له قلب صاف لانه على التقدير مع ضعفه مخالف للصحيح فالاسناد به قبيح والحذر عنه نجيح وعند اهل الحق مليح .

تب ملتی ہے جبکہ ضعف ہلکا ہونہ کہ ایسا معاملہ جو کہ اس روایت میں ہے کیونکہ یہاں پر تو ضعف انتہا کو پہنچ چکا بلکہ انتہا سے بھی گزر چکا ہے۔ لہذا اس طرح کے معاملے میں اطراف کے زیادتی ضعف کو اور پختہ ہی کرے گی جیسا کہ زبلیعی کی نصب الرایہ میں ہے تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ ضعیف روایت میں ہوتا ہے بخلاف اس روایت کے کیونکہ یہ تو موضوع ہے سو یہ بات یہاں پر تو قطعاً غیر ممنوع سننے کے قابل ہی نہیں ہے اور بالکل ناقابل توجہ۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... محدثین نے پہلے ہی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے لہذا ابن الجوزی نے اسے الموضوعات (من گھڑت روایات) میں بیان کیا۔ دارقطنی نے غرائب مالک میں کہا کہ یہ روایت منکر ہے باطل ہے۔ ذہبی نے میزان میں کہا کہ یہ روایت جھوٹ اور صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار سے ان کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو اللہ نے اس بات کی اجازت نہ دی (میزان ترجمہ عبد الوہاب) ابو الفضل بن ناصر نے کہا کہ یہ روایت موضوع ہے جیسا کہ مسالک الخفاء للسیوطی میں ہے۔ حافظ ابو الخطاب عمر بن دحیہ نے کہا کہ آپ ﷺ کے والدین کے ایمان والی روایت من گھڑت ہے قرآن پاک ہی اس کی تکذیب کرتا ہے اور جو زجانی نے بھی اس کے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔ جیسا کہ کتاب الاباطیل میں ہے (لسان المیزان) ملا علی قاری نے الموضوعات میں کہا ہے کہ حدیث احواء ابو یوسف ﷺ موضوع ہے باجی نے بھی اسے موضوع کہا ہے جیسا کہ ابن ماجہ کے حاشیہ انباج الحلبہ میں ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ روایت منکر ہے۔ اور یہاں پر منکر سے مراد باطل ہے جیسا کہ دارقطنی کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اس روایت میں اور بھی بگاڑ ہیں اول یہ کہ ابو الزیاد عبد الرحمان ان میں سے ہے جن کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ اس نے یہ روایت تغیر حفظ سے پہلے کی یا بعد میں پھر اگر کہا جائے کہ ابن عساکر کے ہاں امام مالک نے اس کی متابعت کی ہے اس کا جواب یہ کہ دارقطنی نے کہا ہے یہ امام مالک جھوٹ ہے جیسا کہ لسان المیزان میں مذکور ہے عبد الوہاب کے تذکرے میں۔ دوم یہ کہ اضطراب اور وہ یوں کہ ابن عساکر نے اسے غرائب مالک میں ابو غزیہ کے طریق سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حدیثی مالک عن ابی الرناد عن ہشام پھر روایت کو بیان کر کے کہا ہے کہ ہشام نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا پھر شاید میری کتاب سے عن ابیہ کا لفظ گر گیا ہے۔ اور تیسرا انقطاع جیسا کہ ابن عساکر کے کلام سے ظاہر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بعض قائلین نے کہا کہ یہ روایت فضائل میں لی جاسکتی ہے لیکن یہ تاویل بھی مردود ہے کیونکہ ایسا ضعف خفیف میں ہوتا ہے نہ کہ ضعف شدید میں جیسا کہ یہاں پر ہے پھر یہ بھی شرط ہے کہ وہ بات کسی عام مسلمہ قاعدے کے ماتحت ہو اور یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر یہ کہ یہ معاملہ فضائل کا نہیں

قال ابو محمد: ..... ومنهم من قال يجب في ذلك التوقف وسب الاموات منهي عنه وهذا القائل يدري كل احد انه لم يثبت عن اسلامهما بوجه قوى و طريق نقى فقال ذلك على سبيل التقوى وانت تعلم ان الفتوى فوق التقوى ثم هذا ليس بسب بل لظهار الحقيقة التي لا بد من اظهارها لاصلاح العقيدة .

قال ابو محمد: ..... وان كان سباً فاول سب هو النبي صلى الله عليه وسلم نفسه اذا خبر عن ذلك ثم الاصحاب الآخذون عنه ثم التابعون الى يومنا هذا .

قال ابو محمد: ..... والتوقف انما يلزم اذا انفارض الدليلان مع تساويهما في الصحة وعدم وجود ما يرجح احد هما عن الآخر ولا يعلم المتقدم من المتأخر بخلاف فيما نحن فيما فيه فان كل ما اتوا به فهو في غاية البطلان ثم هو غير منصوص في البيان فلا يقابل الصحيح رده ينافي الصريح

قال ابو محمد: ..... فبقيت الادلة الصحيحة الثابتة الصريحة فيها نحن نسوقها لكم مع قيل عليها من الخصم والجواب عنها بما لا مزيد عليه ولا محيص عنه .

قال ابو محمد: ..... فمنها حديث ابى هريرة رواه يزيد بن كيسان عن ابى حازم عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم استأذنت ابى فى ان استغفر لامى فلم يؤذن لى واستأذنت فى ان ازور قبرها فاذن لى . اخرجه مسلم فى صحيحه قال حدثنا يحيى بن ايوب ومحمد بن عباد واللفظ ليحيى حدثنا مروان بن معاوية عنه وقال حدثنا ابو بكر بن ابى شيبة وزهير بن حرب قال حدثنا محمد بن عبيد عنه وأخرجه النسائي فى سننه قال اخبرنا قتيبة حدثنا محمد بن عبيد عنه واخرجه ابو داؤد فى سننه قال حدثنا محمد بن سليمان الانبارى نا محمد بن عبيد عنه قال ابو محمد ورجال السند كلهم موثق فى التقريب و ابو حازم هو سليمان الاشجعي و ابو بكر ابى شيبة هو صاحب المصنف عبد الله بن محمد بن ابى شيبة ابراهيم بن عثمان الواسطى و محمد بن عبيد هو الطنافسى وقتيبة هو ابن سعيد .

قال ابو محمد: ..... واعترض عليه بوجهين فقيل قال صاحب التقريب فى ترجمة يزيد بن كيسان صدوق يخطئ اه وفيه اولاً انه لا يضر بعد قوله صدوق وقد وثقه امام هذا الشأن ابن معين ثم النسائي واحمد بن حنبل والدارقطنى وثانياً انه ليس فى حديثه هذا ما اخطأ فيها فلا يضر ذلك لانه قلما يسلم الانسان من الخطأ والوهم

بلکہ عقائد سے متعلق ہے جیسا کہ یہ داناؤں پر مخفی نہیں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... مزید یہ کہ دوسرے دلائل اس روایت کے واضح جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے دین میں صرف فساد اور ابتری ہی پھیلے گی۔ ان میں سے ایک تو یہ کہ یہ آیات قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْعَنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ اور ان لوگوں کی کوئی توبہ نہیں جو نافرمانیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آئے تو وہ بولے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی ہی توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مرجائیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے توبہ اللہ کے طرف سے اعلان ہے کہ جو کفر پر مرجائیں ان کے لیے کوئی توبہ نہیں پھر کون سی دلیل ہوگی جو کہ اس دلیل قرآنی سے زیادہ واضح اور معتبر ہو؟ کیونکہ اگر ہم ان دونوں کا زندہ کیا جانا اور ایمان لانا مان لیں تو یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تکذیب ہوگی اور اللہ کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہوگی کیونکہ یہ روایت خود ہی دلالت کرتی ہے کہ ان کی موت کفر پر ہوئی کیونکہ پہلے ہی مسلمان کے زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کا تو کوئی معنی ہی نہیں بنتا پھر اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی موت حالت کفر میں ہوئی تب تو ان کے لیے نص قرآنی کے مطابق کوئی توبہ نہیں۔

اور اللہ فرماتا ہے ﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ تو تم میں سے جو تمہارے دین سے پھر اور کفر کی حالت میں مرا تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے اور وہ ہی جہنمی ہیں جو کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ واضح تردید اور تکذیب اس شخص کی جو کہ مدعی ہے کفر پر موت کے بعد کسی کے زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کا ایک جھوٹے بد معاش کی روایت کو سند بناتے ہوئے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اسی طرح سے اللہ کا یہ فرمان کہ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِي لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومنون) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آئے تو کہتا ہے اے پروردگار مجھے واپس لوٹا دے کہ کہیں وہ نیک اعمال جو میں نے چھوڑ دیے انجام دوں۔ ہرگز نہیں یہ تو محض ایک بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو عتاب فرمایا جب کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے ان سے دعا فرمائی تو فرمایا ﴿فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ (ہود) مجھ سے وہ

وقال ابن حبان في ثقاته كان يخطئ ويخالف لم يفحش خطأ حتى يعدل به عن سبيل العدول ولا أتى بما ينكر فهو مقبول ان ما يعلم انه اخطأ فيه فيترك خطأه كغيره من الثقات اه وثالثاً ان لروايته شواهد يأتى ذكرها فاندفعت شبهة الخطأ فيه قال ابو محمد وقيل قال القطان فيه ليس ممن يعتمد عليه وقال ابو احمد الحاكم ليس بالحافظ عندهم وفيه انه ايضاً لا يضر بعد قول القطان نفسه انه صالح وسط ثم توثق الدارقطنى واحد كاف فيه لانهما من المعتدلين فى الجرح والتعديل كما صرح به العلامة عبد الحى لكهنوى فى الرفع والتكميل نقلاً عن السخاوى ثم تعديل ابن معين والنسائى فانهما من المتشدين وتعديل المتشدد غنيمة فاغتنمها ولهذا قال صاحب التقریب فيه صدوق وقد صرح فى اول التقریب انه يقول فى كل راوى باعدل ما قيل . اه

قال ابو محمد: ..... وقد حكم على هذا الحديث بالصحة الذهبى فى ميزانه فى ترجمة عبد الوهاب بن موسى وهو صحيح عند مسلم فلهذا خله فى صحيحه ثم سكت عليه ابو داؤد فهو عنده صحيح فى الرسالة المنسوبة الى ابى داؤد انه كتبها الى اهل مكة وان كان فيه حديث منكر بينته انه منكر وليس على نحوه فى الباب غيره وما كان فى كتابى من حديث فيه وهن شديد فقد بينته ومنه ما لا يصح سنده ومالم اذكر فيه شيئاً فهو صالح وبدفها اصح من بعض اه فهذا دليل على انه ليس فى هذا الحديث نكارة ولا وهن ولا ما يوجب ضعف السند فتدبر .

قال ابو محمد: ..... ومسكت عليه المنذرى ايضاً فى الترغيب والترهيب فهو صالح عنده ايضاً وقال الحاكم فى مستدر كه هذا حديث صحيح على شرط مسلم واقره على ذلك الذهبى فى تلخيصه وقال الحازمى فى الاعتبار هذا حديث صحيح واقر بصحته السيوطى فى مسالك الحنفاء .

قال ابو محمد: ..... هذا الحديث نص صريح لا مجال فيه للتأويل وقد بوب عليه النسائى "بزيارة قبر المشرك" وابن ماجه فى سننه "بباب ماجاء فى زيارة قبور المشركين"

قال ابو محمد: ..... ومنها حديث بريدة بن الحصيب اخرج ابن ابى شيبه فى مصنفه قال حدثنا محمد بن عبد الله الاسدى عن سفيان عن علقمة بن مرثد عن سليمان بن

سوال نہ کر کہ جس کا تجھے علم نہیں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ روایت کو معلول قرار دینا اس بنا پر کہ وہ قرآن کے خلاف ہے یہ اہل حدیث جماعت کا طریقہ نہیں ہے یہ اعتراض دو وجوہ سے باطل ہے پہلی بات یہ کہ ہم نے ابتدا میں اس حدیث کو روایت باطل ثابت کیا اور اس کے بعد تحریر کا رخ درایت کی جانب پھیرا لہذا یہ روایت بروایت اور درایت پر دو اعتبار سے مردود ہے۔

دوسری بات یہ کہ درایت روایت کی چھان پھٹک یہ بھی اہل حدیث یعنی محدثین کا ہی طریقہ ہے کیونکہ وہ سندوں سے بحث تب ہی کر کرتے ہیں جب ان کے سامنے روایت کا جھوٹا ہونا واضح نہیں ہوتا۔ اب اس طرح کی روایت جس کا جھوٹ ہونا سورج سے زیادہ روشن ہے اس کے لیے تو جسے اس فن کی معمولی مہارت ہو وہ اسے رد کر سکتا ہے اس کی سند کو دیکھے بغیر۔ اس کے لیے اس فن کی کتابوں کو دیکھئے بہت سے مقامات پر پاؤ گے کہ وہ کسی راوی کو اس کی روایت کی بنا پر جھوٹا قرار دے رہے ہوتے ہیں جس کے الفاظ دلالت کر رہے ہوں کہ یہ آں جناب کی صنعت گری ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ روایت احادیث صحیحہ کی بھی مخالف ہے جیسا کہ اس بارے میں ذہبی کا قول گزر چکا ہے اور آگے بھی اس کا ذکر آ رہا ہے۔ سو یہ روایت واضح جھوٹ ہونے کے ساتھ صحیح روایت کے بھی مخالف ہے۔ مزید یہ کہ ابو الخطاب نے اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ جو حالت کفر میں مرا سے لوٹنے کے بعد ایمان نفع نہ دے گا بلکہ اگر عذاب کو دیکھ کہ ایمان لایا دنیا میں ہی تب بھی نہیں تو پھر لوٹنے کے بعد کیونکہ؟ جیسا کہ سیوطی کی ”التعظیم والمنة“ میں ہے۔ مزید یہ کہ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے یہاں اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مسلمہ سند کے ذریعے ایسی بات ثابت ہو جائے تب تو نقل صحیح کے مقابل عقل ناقص کا کیا کام؟ لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہیں لہذا اس تباہ کن روایت کی بنا پر عقل کو مورد الزام نہیں ٹھیرایا جاسکتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بنی اسرائیل کے مقتول کے زندہ ہونے کا بیان قرآن پاک میں یا عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور اس کے علاوہ واقعات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ چیزیں انتہائی معتبر اسانید سے ثابت ہیں جب کہ یہ روایت بدترین اسناد سے مروی ہے۔ پھر یہ کہ وہاں زندہ کیا جانا قدرت الہی کے اظہار کے لیے ہے کافر کو مسلمان کرنے کے لیے نہیں۔ جب کہ کسی کافر کو مسلمان کرنے کے لیے زندہ کرنا اس کی نظیر قرآن و سنت میں کہیں نہیں ہے لہذا مدعی سے شرعاً مطالبہ ہے کہ قرآن و سنت سے کسی ایک شخص کو اس غرض سے زندہ کیا جانا ثابت کر دے کیونکہ ایسا کرنا تو ان کے لیے محال ہے پہلے چالیس سال تک خاک چھانتے پھریں یہ ہرگز ایسی بات نہیں لاسکتے کیونکہ یہ وہ عقیدہ ہے جس کی خبر نہ تو اللہ و رسول نے دی ہے اور



بريدة عن ابيه قال لما فتح رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة التي حرم قبر فجلس اليه فجعل كهيئة الخاطب وجلس الناس حوله فقام وهو يبكي فتلقيه عمر وكان من اجراء الناس عليه فقال بابي انت وامى يا رسول الله ما الذى ابكاك قال هذا قبر امى سألت ربي الزيارة فاذن لى وسألت الاستغفار فلم يأذن لى فذكرتها فذرفت نفسى فبكيت فلم ير يوماً أكثر باكياً من يومئذ .

قال ابو محمد: ..... وهذا السند لا مطعن فيه ورجاله كلهم موثق فى التقريب وسفيان وهو ابن سعيد ابن مسروق الثورى الشهير قال ابو محمد: واعترض عليه بان فيه محمد بن عبدالله السدى قال فيه صاحب التقريب قد يخطئ فى حديث الثورى و حديثه هذا عنه وفيه ان حرف "قد" للتقليل فثبت انه لا يخطأ فى جميع ما يحدثه عنه بل احياناً وهل هذا الحديث مما اخطأ فيه هذا يحتاج الى دليل آخر ثم ليس فى الحديث ما اخطأ فيه .

قال ابو محمد: ..... ثم له شاهد قوى عند البيهقى قال اخبرنا الحسن بن الحسن بن عبدان انبأ احمد بن عبيد الصفار ثنا احمد بن ابراهيم بن سلمان ثنا عمرو وهو ابن خالد ثنا زهير عن زبير عن محارب بن دثار عن ابى بريدة عن ابيه قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر فنزلنا منزلاً ونحن معه قريباً من الف راكب فقال صلى ركعتين ثم اقبل علينا وعيناه تذرفان فقام اليه عمر ففداه بالاب والام وقال له مالك يا رسول الله قال انى استأذنت ابى فى استغفارى لأمى فلم يأذن فبكيت لها رحمة من النار وانى كنت نهيت عن زيارة القبور فزورها الحديث .

قال ابو محمد: ..... ورجال السند كلهم ثقات فشيخ البيهقى و شيخه الصفار وثقهما الخطيب فى تاريخه واحمد بن ابراهيم بن سلمان ذكره الخطيب ايضاً فى تاريخه ونقل عن الدارقطنى توثيقه وبقية رجاله و ثقهم صاحب التقريب وعمدا وهو ابن خالد بن فروخ الخزاعى ابو الحسين الحرانى هكذا يعلم من طبقتهم فقد ذكر صاحب التهذيب ابن سلمان من تلامذته وزهيرا فى شيوخه واصحابه المذكورين فى التهذيب وزبير هو ابن الحارث بما وقع مصرحاً فى صحيح مسلم والسنن للبيهقى وابن بريدة هو سليمان .

نہ کسی امت نے یہ نکتہ نظر اپنایا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... محترم سیوطیؒ ایک روایت اس دعوے کے ساتھ لاتے ہیں گویا اس کے بعد کچھ کہنے سننے کی حاجت ہی نہیں رہتی فرماتے ہیں ”میں اس سے بھی واضح دلیل تلاش کرنے میں کامیاب رہا ہوں اور وہ یہ کہ اصحاب کہف آخری زمانے میں زندہ کیے جائیں گے، حج کریں گے اور اس امت میں سے شمار ہوں گے ان کی عزت افزائی کے لیے اور عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ ”اصحاب الکھف اعوان المہدی“ ابن مردویہ نے اسے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے ”یعنی اصحاب کہف مہدی کے مددگار ہوں گے۔“

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت کی کوئی سند نہیں اور سیوطی کے اس سے استدلال پر کوئی حیرت نہیں کیونکہ اچھا برا کھرا کھوٹا جمع کرنا ان کی عادت ہے اور جناب ایسے ہی تھے جیسا کہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں لکھا ہے ”سریع الکتابہ فلا تقنع بما یذکر من الروایۃ“ بس لکھنے میں تیز ہے لہذا جو روایت بیان کر دے اس پر بھروسہ مت کریں مزید یہ کہ اصحاب کہف کی موت کفر پر نہ ہوئی تھی بلکہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ وہ اہل ایمان تھے لہذا اس روایت کو لے کر اترانے کی ضرورت نہیں کیونکہ کہاں یہ بات اور کہاں وہ!

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور یہ کہ اس روایت کا متن ہی اس کی تکذیب کے لیے کافی ہے اور تخریج کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ ابن ناصر نے کہا یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ آپ ﷺ کی والدہ کی قبر نواء میں ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ ابو غزیہ دعویٰ کر رہا ہے اس کے حجون میں ہونے کا! جیسا کہ لسان میں عبدالوہاب کے حالات میں مذکور ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اسی طرح کہا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو یہ حالت ہے اس روایت کی جسے انہوں نے دین میں بنیاد بنا کر ثواب کی امید کر رکھی ہے اللہ کے ہاں! اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا ہونا بعید نہیں ممکن ہے یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس طرح کی کسی بھی جھوٹی خصوصیت سے بے نیاز کر دیا ہے اور یہ امانت ہے عزت افزائی نہیں جیسا کہ ان لوگوں کا گمان ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کی جانب جھوٹ کی نسبت ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بعض کہتے ہیں کہ پھر نبی کو جو معجزہ اور فضیلت دی گئی آپ ﷺ کو بھی وہ معجزہ اور فضیلت حاصل ہو اور اس قاعدے پر امت کا اتفاق ہے لہذا چونکہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مردوں کو قبروں سے چلایا سو لازم ہے کہ آپ ﷺ کے لیے بھی ایسا ہی معجزہ اس قاعدے کی رو سے ثابت ہو اور اس طرح کی کوئی چیز اس واقعے کے علاوہ منقول نہیں لہذا ایسا ہونا مسبعد نہیں ہے۔

قال ابو محمد: ..... فان قيل اخرجهُ مسلم في صحيحه عن يحيى بن يحيى عن زهير بن معاوية وليست فيه زيادة قصة امه قلنا وان لم يذكرها يحيى بن يحيى فكان ما ذا وهذا من زيادة ثقة فهي مقبولة عند اهل الاصول فقد زادها عمرو بن خالد وهو ثقة وثقه ابن حبان ومسلمة بن قاسم وقال فيه العجلي ثقة ثبت وقال الدارقطني ثقة حجة وقال ابو حاتم صدوق كما في التهذيب .

قال ابو محمد: ..... وقد تابعهُ ثقة آخرو هو احمد بن عبد الملك بن واقد الحراني وثقه صاحب التقريب وقال تكلم فيه بلا حجة اه وحديثه عند البيهقي فانزلت تهمة الخطأ بل زاد الخبر قوة الى قوة ثم قد تابعهُ زهير ايضاً في ذكره هذه الزيادة عبد الله بن محمد بن نفيل قال صاحب التقريب ثقة حافظ اه . واخرج حديثه الحاكم في مستدركه وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين واقرة على ذلك الذهبي في تلخيصه فلا شك في صحة الحديث وقد اخرج ابن حبان في صحيحه .

قال ابو محمد: ..... فيها حديث ابن مسعود اخرجهُ الحاكم في مستدركه قال حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا بحرن ثنا عبد الله بن وهب انبأ ابن جريج عن ايوب بن هاني عن مسروق الاجدع عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه قال خرج رسول الله صلى الله على وسلم ينظر في المقام وخرجنا معه وامرنا فجلسنا ثم تخطأ القبور حتى انتهى الى قبر منها فناه طويلاً ثم ارتفع يخب رسول الله صلى الله عليه وسلم باكياً فبكينا لبكائه ثم اقبل الينا فتلناه عمر بن الخطاب فقال يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ما الذي ابكاك فقد ابكنا ببكائك وافزعنا فجعاء وجلس الينا فقال افزعكم بكائي قال نعم يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فقال ان القبر الذي رأيتموني اناجى فيه قبر امي امنة بنت وهب واني استأذنت ربي في زيارتها فاذن لي فيه فاستأذنته في الاستغفار لها فلم يأذن لي فيه ونزل على "ماكان للنبي والذين آمنوا ان يستغفروا للمشركين حتى ختم الآية و ماكان استغفار ابراهيم لابيئه الا موعدة وعدھا اياه فاخذني ماياخذ الولد لوالدهم من الرقة فذلك الذي ابكاني .

قال ابو محمد: ..... قال الحاكم صحيح على شرطهما ولم يخرجاه اه تعقبه الذهبي في التلخيص فقال ايوب بن هاني ضعفه ابن معين اه لكن ذكره ابن حبان في

اس کے متعلق عرض ہے کہ ”حنین الجذع“ کھجور کے تنے کا آپ ﷺ کے فراق میں رونا اس سے زیادہ واضح معجزہ ہے لہذا کسی معجزے کے اثبات کے لیے اس طرح کی واہی تباہی جھوٹی روایات کی چنداں حاجت نہیں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... مزید یہ کہ یہ روایت آپ ﷺ کی والدہ سے متعلق ہے جب کہ آپ ﷺ کے والد کے لیے تو ایسی کسی روایت کا سرے سے ذکر ہی نہیں لہذا یہ بات بھٹکانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جس کے لیے کوئی مناسب وجہ موجود ہی نہیں۔ اس لیے اے حق کے طلبگار قرطبی کی تصحیح سے اس معاملے میں دھوکہ مت کھانا کیونکہ اس میں وہ تباہیاں ہیں کہ جن کا شمار نہیں اور دینی حوالے سے وہ خرابیاں ہیں جو نہ چھپ سکتی ہیں اور نہ انہیں جھٹلایا جاسکتا ہے۔

سیوطی خود کہہ چکا ہے کہ یہ روایت با تفاق محدثین ضعیف ہے بلکہ کہا گیا کہ یہ موضوع ہے لیکن درست بات یہ کہ ضعیف ہے موضوع یا جھوٹ نہیں، اور سیوطی نے جو ٹھنڈے بہانے بنائے ہیں اور دور از کار افکار لایا ہے اپنی اس بات کے اثبات کے لیے اس کا ابطال ہم کر چکے۔

پھر اگر ہم علی سبیل التزل اس کا ضعیف ہونا ہی مان لیں تب بھی اس کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ فرض کریں یہ ضعیف ہے تب بھی صحیح کے مخالف ہے لہذا اسے سند بنانا غلط اور بچنا ہی مناسب ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... بعض کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں سکوت واجب ہے اور فوت شدہ لوگوں کو برا کہنا ممنوع ہے۔ اس قول کا قائل خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کسی کا اسلام دلیل قوی یا صحیح سے ثابت نہیں اس لیے یہ بات اس نے تقویٰ کی بنا پر کی ہے اور یہ تو تم جانتے ہو کہ تقویٰ سے فتویٰ کی اہمیت زیادہ ہے۔ مزید یہ کہ یہ برا بہلا کہنا نہیں ہے بلکہ حقیقت حال کا اظہار ہے جس کا بیان عقیدے کی اصلاح کے لیے نہایت ضروری ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور اگر یہ برا بہلا کہنا ہے تو پھر سب سے پہلے برا بہلا کہنے والے تو خود آپ ﷺ اور پھر ان سے روایت کرنے والے صحابہ اور ان سے نقل کرنے والے تابعین اور بعد میں روایت کرنے والے ہمارے زمانے کے!

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور تو قف تو اس صورت میں ہوتا ہے جب دلیلیں قوت میں برابر اور باہم متعارض ہوں اور کوئی وجہ ترجیح نہ ہو متقدم اور متاخر کا پتہ نہ ہو جب کہ یہاں پر ایسا کچھ نہیں ہے کیونکہ جو دلیلیں وہ لائے ہیں نہایت ہی باطل ہیں لہذا صحیح دلیل کے مقابل نہیں لائی جاسکتیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... جب ان دلائل کا بطلان ثابت ہو چکا تو پھر صحیح دلائل اپنے جگہ پر قائم اور مستحکم ہیں تو اب ہم انہیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں اور معترضین کے اعتراضات اور ان کا جواب بھی جس کے

الثقات وفي التهذيب عن الدار قطنى يعتبر به وعن ابى حاتم شيخ صالح أه  
وتشدد ابن معين مشهور ثم جرحه مبهم فهو حسن الحديث ولهذا قال فيه فى  
التقريب صدوق فيه لين أه ومثل هذا لا يطرح حديثه لاسيما مع كثرة الشواهد  
والمتابعات واما قول ابن عدى "لا اعرفه" فلا يضره لانه قد عرفه غيره .

قال ابو محمد: ..... وبقيه رجاله كرههم ثقة فشيخ الحاكم مذكور فى تذكرة الذهبى  
وبقيه رجاله لهم ذكر فى التهذيب والتقريب وابن جريح اسمه عبد الملك ابن  
عبد العزيز بن جريح .

قال ابو محمد: ..... واعتراض عليه ايضا فقيل الآية نزلت فى ابى طالب كما هو  
المشهور والمذكور فى الحديث فهذا يدل على كون الخبر خطأ قلنا ليس فى الخبر  
انها نزلت حينئذ ولم يقل صلى الله عليه وسلم انها نزلت الآن وانما اخبرها نزلت  
على فى مثل هذا المعنى لان فى قصة ابى طالب كما سيأتى فقال النبى صلى الله  
عليه وسلم لا استغفرن لك ما لم انه عنك فانزل الله عز وجل ما كان للنبي والذين  
آمنوا- الآية واحسن منه ذلك انما ابا نعيم اخرج هذا الحديث فى تاريخه من هذا  
الطريق وفيه ثم استأذنت فى الاستغفار فلم يأذن لى وقرأ ما كان للنبي الخ فهذا دليل  
على انها لم تنزل فى ذلك الوقت بل قرأها النبى صلى الله عليه وسلم .

قال ابو محمد: ..... وفى الباب عن زيد بن الخطاب عن الطبرانى فى الكبير قال  
الهيثمى فى المجمع فيه من لم اعرفه وعن ابن مسعود بلفظ جاء ابنا مليكة فقالا يا  
رسول الله ان امنا كانت تكرم الضيف وقد أدت فى الجاهلية فاين امنا فقال امكما  
فى النار فقاما وشق ذلك عليهما فدعاهما رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان  
امى مع امكما . الحديث اخرج ابن شاهين من طريق عثمان ابن عمر الهالك  
المذكور وقد احتجوا بحديثه فلهذا ذكرناه الزاماً لهم والا فقد اغنانا الله تعالى عن  
مثل هذه الاخبار الواهية بالاحاديث الصحيحة الثابتة .

قال ابو محمد: ..... فالمنع عن الاستغفار لها دليل ظاهر على كونها على غير الملة  
لاسيما مع التنصيص فى قوله تعالى ما كان للنبي والذين آمنوا ان يستغفرو  
للمشركين الآية . وقد بوب عليه ابن حبان فى صحيحه فقال ذكر ما يستحب للمرء  
ان يترك الاستغفار لقربته المشركين اصلا لاحد فهذا نص جلى لا يرد بروايات

بعد کسی سوال کی گنجائش ہی نہ رہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ان دلائل میں سے وہ روایت کہ جسے یزید بن کیسان نے ابو حازم سے اور اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ”استاذنت ربی فی ان استعفر لامی فلم یثوذن لی واستاذنت فی ان ازورہا قبر فاذن لی“، میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت دے دی ”اخرجه مسلم فی صحیحہ“ قال حدثنا یحییٰ بن ایوب و محمد و اللفظ لیحییٰ حدثنا مروان بن معاویۃ عنہ و قال حدثنا ابو بکر ابی شیبہ وزہیر بن حرب قال حدثنا محمد بن عبید عنہ و اخرجہ النسائی فی سننہ قال اخبرنا قتیبہ حدثنا محمد بن عبید عنہ و اخرجہ ابو داود دفی سننہ قال حدثنا محمد بن سلیمان الانباری نا محمد بن عبید عنہ:

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور سند کے تمام راوی ثقہ ہیں ابو حازم یہ سلیمان الاشجعی ہیں اور ابو بکر بن ابی شیبہ یہ صاحب مصنف عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان الواسطی ہیں اور محمد بن عبید طنافسی ہیں اور قتیبہ کے بیٹے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے دو طرح سے ایک یہ کہ صاحب تقریب نے یزید بن کیسان کے متعلق کہا ہے ”صدوق مخلطی“ صادق اللسان ہے غلطی کرتا ہے اس کا جواب یہ کہ صدوق مان لینے کے بعد ”یخطی“ سے راوی کے معتبر ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا جب کہ امام الجرح والتعدیل ابن معین اور ابن حنبل، نسائی اور دارقطنی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے اپنی اس روایت میں تو کوئی غلطی نہیں کی ہے باقی غلطی کا ہونا تو اس سے کوئی شرمناک نہیں ابن حبان نے الثقات میں کہا ہے کہ غلطی کرتا تھا اور مخالفت بھی لیکن اس کی غلطیاں زیادہ نہ تھیں کہ اسے معتبر نہ مانا جائے اور نہ ہی اس نے کوئی منکر روایت بیان کی لہذا وہ روایت میں قابل قبول ہے سوائے ایسی صورت کے جہاں اس کی غلطی ظاہر ہو جائے تو وہ ترک کر دی جائے گی جیسا کہ اس کے علاوہ بھی ثقہ راویوں کا معاملہ ہے۔ مزید یہ کہ اس کی روایت کے لیے شاہد روایات موجود ہیں جن کا تذکرہ آگے آئے گا لہذا غلطی کا شبہ بھی جاتا رہا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... کہا جاتا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے اس کے متعلق کہا کہ قابل بھروسہ نہیں ”لیس ممن یعتمد علیہ“ اور ابو احمد الحاکم نے کہا کہ محدثین کے نزدیک حافظ حدیث نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ کہ خود القطان کا یہ قول موجود ہے کہ ”صالح وسط“ اچھا درمیانہ ہے اس لیے وہ معتبر ہی رہے گا پھر دارقطنی اور ابن حنبل کی تو ثیق ہی کافی ہے کیونکہ وہ معتدل علماء جرح و تعدیل میں سے ہیں جیسا کہ عبدالحی

واهي لا يثبت منها شئ.

قال ابو محمد: ..... وتأويل بعضهم في هذا يحتمل ان يكون النهى عن الاستغفار الأمر آخر لا للكفر بدليل انه كان في صدر الاسلام ممنوعاً من الصلوة على من عليه دين وهو مسلم فلعله كانت عليها تبعاً غير الكفر فنهى عن الاستغفار لها.

قال ابو محمد: ..... لهذا مجرد قول لادليل لقائله ثم تلاوته صلى الله عليه وسلم الآية المذكورة قاطعة للنزاع ثم انما نهى عن الصلوة على من عليه دين لاعن الاستغفار فالمقياس مع كونه باطلا يكون فيها عن فيه عين الباطل ثم لقائل ان يقول فلم احيها لتؤمن وتتوب والحال ان عليها تبعات كما قيل فبطل ما حيل.

قال ابو محمد: ..... وقيل يمكن ان يكون ذلك المنع في اول الاسلام ثم اجازة تعالى وهذا تموية بلا برهان وتحكم بلا سلطان ثم ننشدهم بالله فنقول هل كانت مشركة ام لا على الاول لم ينسخ النهى عن الاستغفار للمشرك وعلى الثانى لم يمنع عن الاستغفار لغير المشرك اصلاً وقد قال الله تعالى ويغفر مادون ذلك لمن يشاء (النساء) ولا حاجة الى هذا التكلف الذى هو عين التعسف.

قال ابو محمد: ..... وقيل ان بكائه صلواته عليه وسلم تأسفاً عليها فانها لم تدركه وقت الايمان وهذا كاف في الباب ان سلموه ولم يثبت ايمانها بعد موتها بوجه من الوجوه ثم يكذب ذلك قوله صلى الله عليه وسلم فلم يأذن لى فذكرتها فذرفت نفسى فبكيت كما في حديث بريدة عن ابن ابى شيبه وكذا يبطله ويخذله قوله صلى الله عليه وسلم فاخذنى ما يأخذ الولد لوالده فذلك الذى ابكاني كما في حديث ابن مسعود عند الحاكم.

قال ابو محمد: ..... وقيل انما سمنعه ربه عن الاستغفار لها لانه كان في علمه انه يحييها بعد فتو من وهذا ابطل مما مضى لانه لو كان احيها على تقدير الثبوت للايمان فالاستغفار قبل موتها مما لا بد منه فانه تعالى اذا اراد ان يغفر لاحد يوفقه الاستغفار والتوبة ولكن انا امنع عن ذلك اصلاً فهو آخر الانكار عن ان يتوب عليه.

قال ابو محمد: ..... فقيل ارتجى النبى صلى الله عليه وسلم شفاعتهما هما يوم القيامة فلا حاجة للاستغفار وفيه ان مراده من الخبر الباطل كما مضى فهو مثله ثم

لکھنوی نے السرفع والتکمیل میں سخاوی سے بالصراحت نقل کیا ہے مزید یہ کہ نسائی اور ابن معین کی تعدیل جب کہ وہ تشددین میں سے ہیں اور تشدد کے تعدیل تو غنیمت ہے اس لیے اسے کافی سمجھو۔ اسی لیے صاحب التقریب نے اسے صدوق کہا ہے اور وہ تقریب کے مقدمے میں تصریح کر چکے ہیں کہ وہ ہر راوی کے بارے میں اعدل الاقوال یعنی مناسب ترین قول درج کریں گے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ذہبی نے میزان میں عبد الوہاب کے تذکرے میں اس روایت کو صحیح قرار دیا جب کہ مسلم نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا اس لیے یہ ان کے نزدیک بھی صحیح ہے پھر ابو داؤد نے سنن میں اس پر سکوت کیا جس کا مطلب کہ ان کے نزدیک بھی یہ روایت صالح (ٹھیک) ہے کیونکہ ابو داؤد کی طرف منسوب رسالہ جو کہ اہل مکہ کی طرف انہوں نے لکھا اس میں ہے اگر اس (سنن) میں کوئی روایت منکر (غیر معتبر) ہے تو میں نے اس کا منکر ہونا بیان کر دیا ہے اور اگر روایت میں شدید کمزوری (وہن شدید) ہو تو بھی بتا دیا ہے اور اسی طرح جس کی سند ثابت نہ ہو اور جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا تو وہ روایت صالح (ٹھیک) ہے اور بعض روایات زیادہ صحیح ہیں بعض کچھ کم ابو داؤد کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ اس روایت میں نہ تو نکارت ہے اور نہ وہن (کمزوری) اور نہ ہی شدید ضعف خوب اچھی طرح سمجھ لو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... منذری نے بھی الترغیب والترہیب میں اس پر سکوت کیا ہے لہذا ان کے نزدیک بھی یہ روایت ٹھیک ہے۔ حاکم نے المستدرک میں کہا کہ یہ روایت امام مسلم کے قاعدے کے مطابق صحیح ہے (صحیح علی شرط مسلم) ذہبی نے بھی تلخیص میں اس امر کا اقرار کیا ہے حازمی نے الاعتبار میں کہا کہ یہ روایت صحیح ہے اور سیوطی نے مسالک الحنفیاء میں اس کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... روایت نص صریح ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور نسائی نے اس پر مشرک کی قبر پر جانا ”باب ماجاء فی زیادہ قبور المشرکین“ کا باب باندھا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ان دلائل میں سے ایک وہ روایت ہے جسے بریدۃ بن الحصیب سے روایت کیا ہے ابن ابی شیبہ نے کہا ”حدثنا محمد بن عبد اللہ الاسدی عن سفیان عن علقمة بن مرثد عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ قال لما فتح رسول اللہ ﷺ مکة اتی حزم فبر مجلس الیہ فجعل کھیئہ الخاطب و جلس الناس حوله فقام وهو بیکی قد لقاہ عمر و کان من اجراء الناس علیہ فقال بابی انت وامی یا رسول اللہ ما الذی ابکاک قال ہذا قبر امی سألت ربی زیارة فاذن لی وسألت الاستغفار فلم یاذن لی فذکر تھا قدرفت نفسی فبکیت قلم یوم اکثر باکیا من یومئذ بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ایک قبر پر آئے اور بیٹھ گئے گویا گفتگو کر رہے ہوں اور لوگ ان کے گرد



الاستغفار لا يوضع عنه لمن ترجى شفاعته أو نجاته فتذكر .

قال ابو محمد: ..... هذا كله في والدته صلى الله عليه وسلم خاصة واما في والده فمنها حديث انس رواه حماد بن سلمة عن ثابت عنه قال ان رجلاً قال يا رسول الله اين ابى قال فى النار فلما قفى دعاه فقال ان ابى و اباك فى النار اخرجهُ مسلم فى صحيحه قال حدثنا ابو بكر بن ابى شيبة حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت عنه ان رجلاً قال يا رسول الله اين ابى قال فى النار فما قفل دعاه قال ان ابى و اباك فى النار اخرجهُ مسلم فى صحيحه قال حدثنا ابو بكر بن ابى شيبة حدثنا عفان حدثنا حماد بن سلمة فذكره واخره ابو داؤد فى سننه قال حدثنا موسى بن اسماعيل نا حماد فذكره واخرجه ابو عوانة فى صحيحه قال حدثنا جعفر بن محمد الصائغ قال حدثنا عفان قال حدثنا حماد بن ابى سلمة ح وحدثنا ابو داؤد السجزي قال حدثنا مالك بن اسماعيل قال حدثنا حماد بن سلمة فذكره .

قال ابو محمد: ..... هذا حديث صحيح اسناده ورجاله كلهم ثقات لهم ذكر و التقريب و التهذيب و ثابت هو ابن اسلم البناني و عفان هو ابن مسلم و ابو بكر بن ابى شيبة اسمه عبد الله بن محمد بن عثمان و ابو داؤد السجزي هو السجستاني سليمان بن اشعث صاحب السنن الشهير لوجوه . الاول: انا ابو عوانة تارة يقول السجزي و تارة اخر اى يقول السجستاني و الثانى نسبة الى سجستان على خلاف القانون كما نبه عليه ابن ماكولا فى الاكمال و السمعاني فى الأنساب و الذهبى فى مشتبه النسبة و الثانى ان ابن ماكولا ذكره فى الاكمال فيمن انتسب اليهم فقال فى باب السجزي و ابو داؤد سليمان ابن الاشعث السجزي صاحب كتاب السنن و غيره من التصانيف امام حافظ ثقة امين - و الرابع ان ابا داؤد اخرج هذا الحديث فى سننه عن موسى بن اسماعيل بهذا الاسناد كما ذكرنا .

قال ابو محمد: ..... و ابو داؤد الامام الثقة لا يسئل عن مثله بن هو يسئل عن مثلنا فالحديث جيد الاسناد و جرى بالاعتماد و اعترض عليه بوجوه فقيل حماد تكلم فيه و هذا لاشئى لانه و ثقة الائمة و اثنوا عليه حتى قال ابن المدينى و ابن عدى من تكلم فيه فاتهوا فى الدين و قال النسائى من يجترى ان يتكلم فيه كما فى التهذيب و وثقة فى التقريب فهو اعدل الاقوال فيه فتدبر و لمن وثقة كما فى التهذيب ابن

بیٹھ گئے پھر کھڑے ہوئے اور وہ رو رہے تھے تو عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور وہ لوگوں میں سے زیادہ جرات مند تھے تو عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان اے رسول اللہ کس چیز نے آپ کو رلا دیا تو آپ نے فرمایا یہ میری ماں کی قبر ہے میں نے اپنے پروردگار سے اس قبر کی زیارت کی اجازت مانگی جو اللہ نے دے دی پھر میں نے ان کے لیے بخشش کی دعا کی اجازت مانگی جو اللہ نے نہ دی تو میں نے انہیں یاد کیا جس سے میرا دل پسچ گیا تو میں رو پڑا پھر اس دن سے زیادہ کوئی دن رونے والا نہ تھا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور یہ سند اس میں کوئی کلام نہیں اور اس کے تمام راوی معتبر ہیں سفیان وہ ابن سعید بن مسروق الثوری مشہور ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں محمد بن عبد اللہ الاسدی ہے جس کے بارے میں صاحب التقریب نے کہا ہے کہ قد تخطی فی حدیث الثوری "ثوری سے روایت میں کبھی غلطی کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرف "قد" تقلیل کے لیے یعنی کبھی کبھی کے معنی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیشہ غلطی نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے اور کیا یہ روایت وہ ہے کہ جس میں اس سے غلطی ہوئے ہے؟ اس کے لیے الگ سے دلیل درکار ہے اور یہاں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں اس سے غلطی ہوئی ہو

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اس کے لیے ایک قوی شاہد موجود ہے بیہتی روایت کرتے ہیں کہ "اخبرنا الحسن بن علی بن عبدان انبا احمد بن عبید الصفار ثنا احمد بن ابراہیم بن سلمان ثنا عمرو و هو ابن خالد ثنا زہیر عن زبیر عن محارب ابن دثار عن بریدة عن ابیہ قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فنزلنا منزلا ونحن معه قریبا من الف راکب فقال صلی رکعتین ثم اقبل علينا وعیناه تذرفان فقام الیہ عمر ففداه بالاب والام وقال له مالک یا رسول اللہ قال انی اساذنت ربی فی استغفاری لامی قلم یاذن لی فبکیت لہا رحمة من النار وانی کنت نہیت عن زیارة القبور فزور وها الحدیث بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں نکلے پھر ایک منزل پر ر کے اور ہم ایک ہزار کے قریب لوگ تھے پھر کہا کہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے تو عمرؓ آپ کی جانب اٹھ کر آئے اور ماں باپ قربان کرتے ہوئے عرض کی کہ آپ کو کیا ہوا ہے آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی دعا کی تو اللہ نے اجازت نہ دی تو میں ان کے لیے رو پڑا آگ کے ڈر سے اور میں نے قبروں پر جانے سے روکا تھا تو اب بہلے جایا کرو الحدیث۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس سند کے راوی سارے ثقہ ہیں بیہتی کے شیخ اور ان کے شیخ الصفار کو خطیب نے

معين والعجلى وابن سعد والنسائي وقال الباجى كان حافظ ثقة وادعى ابن حبان اجماع اهل النقد على ثقته وأمانته .

قال ابو محمد: ..... وقيل حما دتغير . بآخره وهذا لا يضره حديثه هذا لانه قبل الاختلاط فقال البيهقى هو احد ائمة المسلمين الا ان كبر ساء حفظه فلذا تركه البخارى واما مسلم فاجتهد واخرج من حديثه من ثابت ماسع منه قبل تغييره كذافى التهذيب فهذا دليل على ان حديثه هذا عن ثابت فى الاصول كما صرح به صاحب التهذيب نقلاً عن البيهقى والحاكم .

قال ابو محمد: ..... وقال السيوطى فى مسالك الحنفاء وقع فى احاديثه مناكير ذكره ان ربيعة دسها فى كتبه وكان حماد لا يحفظ بها فوهم فيها وهذا الرواية غير ثابتة فذكرها صاحب التهذيب عن عباد بن صهيب ثم قال عباد ايضاً ليس بشئ فهو كما قال فى الميزان احد المتروكين قال ابن المدينى ذهب حديثه قال البخارى والنسائي وغيرهما متروك فقال ابن حبان كان قديراً داعية ومع ذلك يروى اشياء اذا سمعها المتبدي فى هذه الضاعة شهد لها بالوضع . فهذه خيانة من السيوطى حيث نقل هذه العبارة عن التهذيب ولم يذكر ما فيه عن الجرح عليها ونسال الله العافية .

قال ابو محمد: ..... وقال السيوطى ايضاً لم يخرج له البخارى شيئاً ولا اخرج له مسلم فى الاصول عن ثابت . وفيه ان كل من لم يخرج له البخارى ليس ممن لا يحتج به كما لا يخفى على اولى النهى بل قد ثبت عن البخارى نفسه توثيقه فى التهذيب نقلاً عن ابن حبان لم يخرج له البخارى معتمداً عليه بل التشهد به فى مواضع ليبين انه ثقة . واما مسلم فاخرج عنه فى الاصول من روايته عن ثابت كما سمع السيوطى ونقل ذلك عن الحاكم فى مدخله وهذه روايته عنه فلا معنى لهذا الاعتراضه .

قال ابو محمد: ..... وقال ايضاً مجيباً فى هذا الحديث الجواب ان هذه اللفظ وهو قوله ان ابى واباك فى النار لم يتفق على ذكرها الرواة وانما ذكرها حماد بن سلمة عن ثابت عن انس وهى ..... التى رواه مسلم فيها وقد خالفه معمر عن ثابت فلم يذكرها ولكن قال له اذا مررت بقبر كافر فبشره بالنار

قال ابو محمد: ..... فهذا جفاء منه وحيلة باطلة لابطال الحق لانه لا منافاة بين هذين

اپنی تاریخ میں ثقات میں شمار کیا ہے اور احمد ابن ابراہیم بن سلمان کو بھی خطیب نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور دارقطنی سے اس کی توثیق نقل کی ہے اور اس کے باقی رواۃ کی صاحب تقریب نے توثیق کی ہے اور یہ عمرو ابن خالد بن فروخ الحدادی ابو الحسن الحرانی ہے اس کے طبقہ سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ صاحب تقریب نے ابن ملحان کو اس کے شاگردوں اور زہیر کو اس کے استادوں میں شمار کیا ہے اور زبیر وہ ابن الحارث الیامی جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن بیہقی میں تصریح ہے۔ اور ابن بریدہ یہ سلیمان ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اگر یہ اعتراض ہو کہ اس روایت کو مسلم نے اپنی صحیح میں یحییٰ بن یحییٰ عن زہیر بن معاویہ سے روایت کیا ہے اور اس میں آپ ﷺ کی والدہ کے قصے کا تذکرہ نہیں اس کا جواب یہ کہ اگر یحییٰ نے اسے بیان نہ کیا تو اس سے کیا خلل واقع ہوا؟ یہ ایک ثقہ راوی کا مزید بیان ہے جو کہ اہل اصول کے نزدیک مقبول ہے۔ عمرو بن خالد نے زیادہ بیان کیا ہے نا؟ تو وہ ثقہ ہے اسے ابن حبان اور مسلم بن قاسم نے ثقہ کہا ہے اور عجلی نے کہا کہ ”ثقة ثبت“ قابل اعتماد معتبر ہے اور دارقطنی نے کہا کہ ”ثقة حجة“ قابل اعتماد قابل دلیل ہے اور ابو حاتم نے کہا صدوق سچا ہے۔ یہ تمام اقوال تہذیب سے منقول ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ایک اور ثقہ راوی نے اس کی متابعت کی ہے اور وہ ہے احمد بن عبد الملک اب واقد الحرابی صاحب تقریب نے اس کی توثیق کی ہے اور کہا کہ اس کے متعلق بلا دلیل کلام کیا گیا ہے (تکلم فیہ بلا حجة) اور اس کی روایت بھی بیہقی کے ہاں منقول ہے لہذا غلطی کی تہمت زائل ہوگئی بلکہ اور زیادہ قوی نہ ہوگی۔ پھر زہیر نے بھی اس کی متابعت کی ہے اس مزید بیان میں عبد بن محمد بن نفیل صاحب تقریب نے اس کے متعلق کہا کہ ثقہ حافظ اور حاکم نے مستدرک میں اس سے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم کے شرط پر صحیح ہے اور تلخیص میں ذہبی نے بھی اس بات کا اقرار کیا لہذا روایت کی صحت میں کوئی شک نہیں رہ جاتا اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس روایت کو درج کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور ان روایات میں سے ابن مسعود کی بھی روایت ہے جسے حاکم نے بیان کیا ہے ”حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب حدثنا بحر بن نصر حدثنا عبدالله بن وهب انبا ابن جريج عن ايوب بن هاني وعن مسروق الاجدع عن عبدالله بن مسعود قال خرج رسول الله ﷺ ينظر في المقابر وخر جنا معه وامرنا فجلسنا ثم تخطا القبور حتى انتهى الى قبر منها فناه طويلا ثم ارتفع نحب رسول الله ﷺ باكيا فبكينا لبكائه ثم اقبل الينا فتلقاه عمر بن الخطاب فقال يا رسول الله ما الذي ابكاك فقد ابكانا ببكائك وافز عنا فجاء وجلس الينا فقال افزعكم بكائي قال نعم يا رسول الله فقال ان القبر الذي رايتموني انا جى فيه قبر امى امنة بنت وهب وانى استاذنت ربي

اللفظين بل هما حديثان مستقلان على حدهما يصدق احدهما الآخر ويؤيد انه جواب سوال السائل "فاين ابوك" وسياتي هذا الحديث ثم هذه الزيادة وان لم يذكرها معمر ولكن حماد ثقة فزيادته مقبولة مالم تقع منافاة فيه الاصول كما تقرا في الاصول وصرح السيوطى نفسه بقول الزيادات الثقات فى "تدريب الراوى" والفية الحديث .

قال ابو محمد: ..... ثم قال ايضاً وهو اثبت من حيث الرواية فان معمرأ اثبت من حماد تكلم فيه ووقع فى احاديثه مناكير واما معمر فلم يرو مسلم فيه ولا استنكر شئ من حديثه واتفق على التخريج له الشيخان فكان لفظه اثبت .

قال ابو محمد: ..... حماد لم يثبت الكلام فيه اصلاً كما مر ثم معمر ايضاً تكلم فى حديثه عن البصريين والكوفيين انظر التهذيب نقلاً عن ابن معين فبطل قوله لم يستنكر شئ من حديثه ثم لم يذكر السيوطى سند حديث معمر لنرى حال بقية رجاله وكيف يكون اثبت من حماد على الاطلاق واما اخرج الشيخين له فلقاتل ان يقول لم يخرج احد منهما حديثه هذا واما حديث حماد المذكور فاحتج به احداهما فهذا وجه وجيه للترجيح بالعكس ثم فى روايته معمر عن ثابت كلام قال صاحب التقريب ثقة ثبت فاضل الا ان فى روايته عن ثابت والاعمش وهشام بن عروة شيئاً وكذا فيما حديث به بالبصرة وقال ابن معين و معمر عن ثابت ضعيف و قال ايضاً حديثه عن ثابت وعاصم بن ابى النجود وهشام بن عروة مضطرب كثير الاوهام كذا فى التهذيب .

قال ابو محمد: ..... وحماد اثبت من جميع الآخرين عن ثابت فى التقريب هو اثبت الناس فى ثابت وفى التهذيب نقلاً عن ابن المدينى لم يكن فى اصحاب ثابت اثبت من حماد بن مسلمة وعن احمد بن حنبل اثبتهم فى ثابت حماد بن سلمة . فهذا دليل على ان حديثها اصح من حديث معمر عنه وهذا وجه ثالث لترجيح حديثه حتى قال امام هذا الشأن ابن معين من خالف حماد بن سلمة فى ثابت فالقول قول حماد وقال الامام احمد بن حنبل حماد بن سلمة فى ثابت عن معمر كذا فى التهذيب .

قال ابو محمد: ..... فهذا دليل على انه الصحيح عن ثابت مارواه حماد عنه وان خالفه

فی زیارتها فاذن لی فیہ فاستاذنتہ فی الاستغفار لها فلم یاذن لی فیہ ونزل علی  
 ماکان للنبی والذین آمنوا ان استغفروا للمشرکین حتی ختم الایہ وما کان استغفار  
 ابراهیم لابیه الا عن موعدة وعدھا ایاہ فاخذنی ما یأخذ الولد لوالدہ من الرقة  
 فذالك الذی ابکانی . ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ قبروں پر نظر ڈالنے کے  
 لیے نکلے اور ہم بھی ان کے ساتھ نکلے ہمیں بیٹھنے کا حکم ملا پھر آپ ﷺ قبروں پر سے ہوتے ہوئے ایک قبر  
 تک پہنچے اور پھر خاموشی سے کافی دیر دعا کرتے رہے پھر آپ ﷺ کے رونے کی آواز بلند ہوئی تو آپ  
 ﷺ کے رونے پر ہم بھی رونے لگے پھر ہماری جانب متوجہ ہوئے تو عمرؓ ان کے پاس آئے پھر کہا کہ اے  
 اللہ کے رسول کس چیز نے آپ کو رلا دیا ہے کہ آپ کے رونے پر ہمیں بھی رونا آ رہا ہے اور ہم سہمے ہوئے  
 ہیں تو آپ ﷺ آئے اور ہماری جانب توجہ کر کے بیٹھے پھر فرمایا کیا میرے رونے نے تمہیں سہا دیا ہے؟  
 جواب دیا کہ جی ہاں تو فرمایا کہ وہ قبر جس کے پاس تم نے مجھے دعا کرتے پایا میری ماں امنہ بنت وہب کی  
 قبر ہے اور میں نے اپنے پروردگار سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت عطا فرمائی پھر میں  
 نے ان کے لیے استغفار کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت نہ دی اور مجھ پر یہ فرمان خدا نازل ہوا کہ ”نبی  
 اور اہل ایمان کے لیے روانہ نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دعا کریں“ اور ابراہیم کا استغفار اپنے باپ کے لیے  
 صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس کے ساتھ کیا تھا پھر جب ان کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ  
 خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا (توبہ) تو مجھے اسی نرمی کے احساس نے آلیا جو کہ اولاد کو  
 ماں باپ کے لیے ہوتی ہے تو اس بات نے مجھے رلا دیا۔“

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... حاکم نے کہا کہ صحیح علی شرط الشیخین ولم یخر جاہ جبکہ ذہبی  
 نے تلخیص میں تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایوب بن ہانی کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن  
 حبان نے اسے ثقات میں درج کیا ہے اور تھذیب میں ہے کہ دارقطنی نے کہا معتبر بہ یعنی قابل اعتبار ہے  
 اور ابو حاتم نے کہا شیخ صالح۔ چونکہ ابن معین کا تشدد مشہور ہے پھر یہ کہ اس کی جرح محکم ہے لہذا اس راوی  
 کی روایت حسن شمار ہوگی اسی لیے تقریب میں اس کے متعلق کہا ہے کہ صدوق فیہ لین یعنی سچا ہے اس میں  
 تھوڑی کمزوری ہے اور اس طرح کے راوی کی روایت رد نہیں ہو سکتی خاص طور پر جبکہ بکثرت شواہد اور  
 متابعات موجود ہوں۔ رہی بات ابن عدی کی کہ لا اعرفہ تو اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ اسے جاننے والے  
 بکثرت ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس کے باقی راوی سارے ثقات ہیں۔ حاکم کا تذکرہ شیخ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ  
 میں مذکور ہے اور اس کے علاوہ راوی التھذیب اور تقریب میں مذکور ہیں اور ابن جریج کا نام عبد الملک بن

معمر او غيره كائنامن كان وهذا كله اذا وقعت المنافاة بين روايتيهما فكيف اذا وافقت احدهما الاخرى فالحاصل ان الحديث صحيح لا غبار عليه ومن احتج به فلا عار عليه وادخال مسلم وابى عوانة له فى صحيحهما دليل على كونه صحيحاً عند هما وسكت عليه ابو داؤد فهو صالح عنده .

قال ابو محمد: ..... فهذا الحديث صالح لا مدخل فيه للتاويل وقد بوب عليه ابو عوانة فى صحيحه "والكافر لا ينفعة معرفة اذا مات" وبوب عليه النووى على متن مسلم فقال "باب بيان ان من مات على الكفر فهو فى النار ولا تناله الشفاعة ولا تنفعة قرابة المقربين .

قال ابو محمد: ..... ومنها حديث عبدالله بن الخطاب اخرج ابن ماجه فى سننه قال حدثنا محمد بن اسماعيل البخترى الواسطى حدثنا يزيد بن هارون عن ابراهيم بن سعد عن الزهرى عن سالم عن ابيه قال جاء اعرابى الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان ابى كان يصل الرحم وكان وكان فاين هو قال فى النار فكانه وجد من ذلك فقال يا رسول الله فاين ابوك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث مامررت بقبر مشرك فبشرة بالنار قال فاسلم الاعرابى بعد فقال لقد كلفنى رسول الله ﷺ تعباً ما مررت بقبر كافر الا بشرته بالنار .

قال ابو محمد: ..... هذا اسناد ايضاً صحيح رجاله كلهم وثقهم فى التقريب وابرهم بن سعد هو الزهرى وسالم هو ابن عبدالله عمر بن الخطاب احد افقهاء السبعة وابوه صحابى ابن صحابى رضى الله عنها قال ابن اسحاق اصح الاسانيد كلها الزهرى عن سالم عن ابيه كما فى التهذيب .

قال ابو محمد: ..... فجوابه صلى الله عليه وسلم فى قول السائل "اين ابوك" دليل على انه مات على الشرك والا فيكون الكلام لغواً والحديث قد ادخله ابن ماجه فى "باب ماجاء فى زيارة قبور المشركين" والاتفات الى ما ذكره السيوطى من العذر الذى لا يقبله اهل النظر حيث قال هذا الجواب دليل على انه لم ينص على كون ابيه فى النار بل لمشرك والكافر وهذ كما ترى ناى عن الحق وتاويل القول بما لا يرضى به قائله فان سوال الاعرابى يبقى بلا جواب ومثل هذا سيمى مغالطة وشان سيد المرسلين اجل من ذلك وارفع فيما قاله لا يصفى اليه والا يسمع .

عبدالعزیز ابن جریج ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ایت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ مشہور ہے اور احادیث میں مذکور ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس روایت میں غلطی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت میں ایسی کوئی بات نہیں کہ ایت اسی موقع پر نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے نہیں فرمایا کہ یہ مجھ پر ابھی نازل ہوئی ہے بلکہ صرف یہ بتایا کہ یہ ایت جو مجھ پر نازل ہوتی ہے اسی معنی میں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”لا ستغفر لك مالم انه عنہ“ تو اللہ نے یہ ایت نازل فرمائی اور اس مفہوم کے لیے اس سے واضح الفاظ وہ ہیں جنہیں ابو نعیم نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اسی طریق سے کہ ”ثم استاذنت في الاستغفار فلم ياذن لي“ وقرأ ما كان للنبي الى اخر الآية۔“ پھر میں نے استغفار کی اجازت مانگی تو مجھے نہ دی اور آپ ﷺ نے یہ ایت پڑھی کہ ماكان للنبي الايه۔ تو یہ بات دلیل ہے کہ وہ ایت اس وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ اسے آپ ﷺ نے پڑھا استدلال کے لیے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور اسی موضوع پر زید بن خطاب سے المعجم الكبير للطبرانی میں ہے جس کے متعلق ہیشمی نے مجمع الزوائد میں کہا کہ ”فيه من لم اعرفه“ اس میں ایک راوی ہے جس کو میں نہیں جانتا اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ ملیکہ کے دو بیٹے آئے اور بولے کہ اے اللہ کے رسول بیشک ہماری ماں مہمان نوازی کیا کرتی تھی اور جاہلیت میں انہیں دفن کر دیا گیا تو ہماری ماں اب کہاں ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”امكما في النار“ تم دونوں کی ماں جہنم میں ہے تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور یہ بات ان پر شاق تھی تو آپ ﷺ نے انہیں بلایا پھر فرمایا کہ ”ان امي مع امكما“ بیشک میری ماں تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے الحدیث اس روایت کو ابن شاہین نے عثمان بن عمر تباہ کن (الھالک) کے طریق سے روایت کیا ہے چونکہ انہوں نے اس کی روایت سے دلیل پکڑی ہے اس لیے ہم نے بھی الزامی طور پر اسے ذکر کر دیا ورنہ اللہ کے فضل سے صحیح روایات کے ہوتے ہوئے ہم اس طرح کی واہمی تباہی روایات سے بے نیاز ہیں فلله الحمد۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... استغفار سے منع کیا جانا واضح دلیل ہے ان کے ملت اسلامیہ پر نہ ہونے کی خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نص کے ہوتے ہوئے کہ ”ماكان للنبي والذين امنوا استغفروا للمشرکین“ اور اس پر ابن حبان نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے کہ ”ذکر ما يستحب للمؤمن ان يترك الاستغفار لقرابته المشرکین اصلا لاحد“ اس کا بیان کہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے لیے استغفار نہ کرنا مستحب ہے کسی کے لیے بھی نہیں، سو یہ واضح نص ہے جسے واہیات روایات کی بنا پر رد نہیں کیا جاسکتا کہ جن سے کوئی چیز ثابت ہو ہی نہیں سکتی۔



قال ابو محمد: ..... ومنها حديث سعد بن ابى وقاص اخرجهُ البزار والطبرانى فى الكبير والبيهقى من طريق ابراهيم بن سعد بن الزهرى عن عامر بن سعد عن ابيه ان اعرابياً قال لرسول الله صلى عليه وسلم اين ابى قال فى النار قال فاين ابوك قال حيثما مررت بقبر كافر فبشرة بالنار .

قال ابو محمد: ..... عامر هو ابن سعد بن ابى وقاص الزهرى المدنى الموثق فى تهذيب الكمال والتهذيب والتقريب وابوه صحابى جليل احد العشرة المبشرة والحديث صححه السيوطى فقال فى مسالك الحنفاء وهذا اسناد على شرط الشيخين وقال فى التعظيم والمنه اخرجهُ البزار والطبرانى بسند رجال الصحيح وقال بعد ذكره وهذا حديث صحيح .

قال ابو محمد: ..... وهذا ايضاً نص صريح فى موت الوالد على الشرك وقد استنبط منه السيوطى فوائد وهى فى الاجل له مضرة لا مفيدة فقال وفيه فوائد منها بيان ان السائل كان اعرابياً وهو مظنة خشية الفتنة والردة وفيه ان قوله "ابوك فى النار" ايضاً فيه مظنة ذلك فلم قال ثم فى اظهار الحق لا خشية اصلاً ثم ايمان اعرابى لاجل ذلك كما تقدم من حديث ابن ماجه وقد ذكر السيوطى محتجابه فهذا يكذب قومه خشية الفتنة والردة .

قال ابو محمد: ..... ثم قال ومنها بيان جواب فيه ايهام وتوريه اذ لم يصرح فيه بان الاب الشريف فى النار انما قال حيث مررت بقبر كافر فبشره بالنار وهذه جملة لاتدل بالمطابقة على ذلك انما قد يفهم منها ذلك بحسن السياق والقرائن وهذا شان التورية والايهامات فكره صلى الله عليه وسلم يفصح لة حقيقة الحال ومخالفة ابيه فى المحل الذى هو فيه خشية ارتداده لم جبلت عليه النفس من كراهية الاستيشاد عليها .

قال ابو محمد: ..... تسمية كلام النبى صلى الله عليه وسلم تورياً وايها ما من اعظم جرأة السيوطى عليه بل ومن اكبر طوام الدنيا ان يكون النبى صلى الله عليه وسلم يوره جواباً فى مسألة من امر الدين اويوهم وهو يتلوا قوله تعالى "بتين للناس ما نزل اليهم" (النحل) بل هذا التفوا لم يصدر الا عن قلة الادب معة صلى الله عليه وسلم وما يكون لنا ان نتكلم بهذا سبحانه هذا بهتان عظيم .

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... بعض لوگوں نے اس کی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہو سکتا ہے استغفار سے ممانعت کسی اور بنا پر ہو جیسا کہ ابتدائے اسلام میں جس پر قرضہ ہو اس کی نماز جنازہ ممنوع تھی حالانکہ وہ مسلمان ہی ہو، تو ہو سکتا ہے ان پر کفر کے علاوہ کچھ اور لغزشیں ہوں لہذا ان کے لیے استغفار سے منع کیا گیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... یہ فضول بات ہے جس کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے پھر آپ ﷺ کی جانب سے مذکورہ آیت کی تلاوت یہ احتمال کا جھگڑا بھی ختم کیے دیتی ہے پھر یہ کہ جس پر قرضہ ہو اس پر نماز جنازہ سے منع کیا گیا تھا استغفار سے نہیں لہذا یہ قیاس باطل تو ہے، ہی مگر ہماری اس بحث میں تو باطل ہے۔ پھر اس احتمال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ انہیں کیوں زندہ کیا گیا کہ وہ ایمان لائیں اور توبہ کریں حالانکہ ان پر کچھ لغزشیں ہی تھیں؟ جیسا کہ کہا گیا اور یوں یہ حیلہ بھی باطل ہوا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے استغفار کی یہ ممانعت اول اسلام میں ہو پھر اللہ نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ یہ محض ملمع سازی ہے بغیر دلیل کے پھر ہم انہیں قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا وہ مشرک تھیں یا نہیں اگر پہلی شق کو لیں تو مشرک کے لیے استغفار کی ممانعت منسوخ نہیں اور دوسری شق کی صورت میں غیر مشرک کے لیے استغفار سے کبھی منع کیا ہی نہیں گیا۔ اور اللہ خود فرماتا ہے کہ ”و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء“ اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخشش دے۔ لہذا اس فضول تکلف کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا رونا اس لیے تھا کیوں کہ وہ آپ ﷺ کو ایمان کے وقت نہ پاسکیں اور یہ بات اگر وہ مان لیں تو اس بحث میں کافی ہے اور ان کا ایمان موت کے بعد کسی طرح ثابت نہیں ہو سکا پھر اس بات کو آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی رد کرتا ہے کہ ”فلم یاذن لی فذکر تھا قُدرت نفسی فبکیت“ جیسا کہ بریدۃ رضی اللہ عنہ والی روایت میں وا بن ابی شیبہ سے ہے اور اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی اس کی تکذیب کرتا ہے کہ ”فاخذنی ما یاخذ الولد لوالدہ من الرقة فذالک الذی ابکانی“ جیسا کہ حاکم کے یہاں ابن مسعود کی روایت میں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس لیے استغفار سے منع کیا کیوں کہ اللہ کے علم میں تھا کہ اللہ انہیں زندہ فرمائے گا اور وہ ایمان لے آئیں گی۔ یہ بات پہلی ہی باطل ثابت ہو چکی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ بالفرض محال انہیں زندہ فرماتا تو اس سے پہلے ہی استغفار میں کیا امر مانع تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو بخشش کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے استغفار اور توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ لیکن جب ابتدا ہی میں استغفار سے منع کر دیا گیا تو یہ گویا قبولیت توبہ سے اصلاً انکار ہی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور اگر کہا جائے کہ آپ ﷺ ان کے لیے بروز قیامت شفاعت کی امید رکھتے

قال ابو محمد: ..... ثم هو ليس بدون الاول بل هو اسقط منه او ابطال لانه وان لم يصرح كما زعمه فقد صرح في موضع آخر كما في حديث انس المذكور وتلك الجملة وان لم تدل بالمطابقة لكنة تدل بالتضمن ولا بد ثم دلالة السياق و القرائن ايضاً دلالة وليس فيه انكار سلامة ثم قوله هذا شان التورية ولا يهجمات عجيب جدا لانه لا انكار فيه عن اصل المسئلة بل اثبات لها بالبداهة وفي مثل هذا يقال الكتاب ابلغ من الصراحة ثم قوله فيه خشية ارتداده ايضاً عجيب وقد ثبت اسلامه بعد ذلك كما مر .

قال ابو محمد: ..... ثم تنزلنا وسلمنا انه صلى الله عليه وسلم لم يصرح يكون ابيه في النار لقلنا البتة ان عدم نكاره صلى الله عليه وسلم على اعرابي في قوله فاين ابوك تقرير لانه استدرك على قوله صلى الله عليه وسلم "ابوك في النار" فتدبر .

قال ابو محمد: ..... قال ولما كانت عادة الاعراب من غلظ القلوب في الجفاء اورده جواباً موهماً تطيباً لقلبه ومثل هذا الجواب لا يليق شان المعظم صلى الله عليه وسلم واي تطيب في ذلك لقلبه بل هو اضلال وايقاع في الضلال .

قال ابو محمد: ..... ثم ننشدهم بالله فنقول هل كان يعلم ذلك النبي صلى الله عليه وسلم املا على الثاني فكيف قال ان ابي و اباك في النار وايضاً فكان ينبغي له ان يقول ما لمسؤل عنها باعلم من السائل كما اجاب له من سألته عن الساعة وعلى الاول هل اجابة به ام لا على الثاني يرد عليه قوله صلى الله عليه وسلم من سئل علما فكتمه الجم يوم القيامة بلجمام من النار الحديث المشهور وعلى الاول فباع جواب احاب به الحواب موهوم كما زعمتمو واذيتم الرسول صلى الله عليه وسلم حين اتهمته بتهمه هو برى منها في الدنيا والآخرة وهل تسأل به السائل وام بجواب صحيح صريح قاطع ولا يمكن الا هذا فتنبه ولا تكن من الغافلين وعلى هفوات السيوطي من القانطين .

قال ابو محمد: ..... فتعلقوا بهذه التاويلات وادعوا ان لفظ "ان ابي و اباك في النار" تجوز من الرواة والحال ان كل ما تاؤلوا به باطل لا يلتفت اليه عاقل كيف وقد ذكره اصحاب ثابت الذي قوله هو المعتمد عند الاثبات ولو خالفة كائنا من كان من الثقات فكيف اذا ثبتت المطابقة وحصلت الموافقة .

تھے لہذا استغفار کی کوئی احتیاج نہ تھی۔ اس کا جواب یہ کہ قائل کی یہاں پر مراد اس من گھڑت باطل روایت سے ہے لہذا جیسے وہ روایت باطل ہے ویسے ہی یہ مراد بھی۔ مزید یہ کہ جس کے لیے شفاعت کی امید ہو اور نجات متوقع ہو اس کے استغفار سے کیونکہ منع کیا جائے گا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ تمام بحث تو ہوئی آپ ﷺ کی والدہ کے متعلق مخصوص جہاں تک آپ ﷺ کے والد کا سوال ہے تو اس کے لیے حضرت انس والی روایت کہ جسے حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور ثابت نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ”ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول میرے والد کہاں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ”فی النار“ جہنم میں بس جب وہ لوٹا تو آپ ﷺ نے اسے بلایا پھر فرمایا ”ان ابی و اباک فی النار“ میرے اور تمہارے والد جہنم میں ہیں۔ امام مسلم نے اس روایت کو اپنی صحیح میں ابو بکر بن ابی شیبہ عن عفان عن حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس کی سند سے بیان کیا ہے۔ اور ابو عوانہ نے جعفر بن محمد الصانع عن عفان عن حماد بن سلمہ اور ابو داؤد السجزی عن مالک بن اسماعیل عن حماد بن سلمہ کی سند سے ذکر کیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ روایت اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی اس کے ثقہ ہیں جن کا تذکرہ تقریباً اور تھذیب میں موجود ہے اور ثابت یہ ابن اسلم ہیں اور عفان یہ ابن مسلم اور اب بکر بن ابی شیبہ کا نام عبد اللہ ابن محمد بن عثمان اور ابو داؤد السجزی یہ البجستانی سلیمان بن اشعث صاحب سنن جو کہ مشہور ہیں اس کی چند وجوہات ہیں کیونکہ ابو عوانہ بعض اوقات السجزی اور کبھی البجستانی کہتے تھے اور دوسرا یہ کہ بختان کی طرف نسبت سجزی بھی کی جاتی ہے خلاف قاعدہ جیسا کہ اس بات سے ابن ماکولانے الاکمال میں سمعانی نے الانساب میں اور ذہبی نے مشتبہ النسبہ میں خبردار کیا ہے اور تیسرا یہ کہ ابن ماکولانے الاکمال میں بختان کی طرف منسوب افراد کے بیان میں سجزی کے باب میں کہا ہے کہ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجزی صاحب سنن اور اس کے علاوہ کتابوں کے مصنف امام، حافظ، ثقہ اور امین ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کو موسیٰ بن اسماعیل سے اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابو داؤد ایک امام ہیں جن کا مقام محض ثقہ ہونے سے برتر ہے لہذا ان کی توثیق کے متعلق سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لہذا روایت کی سند عمدہ ہے اور لائق اعتماد ہے۔

اس روایت پر بعض وجوہ سے اعتراض کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ حماد بن سلمہ کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ائمہ حدیث نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی تعریف کی ہے یہاں تک کہ ابن المدینی اور ابن عدی نے کہا کہ ”من تکلم فیہ فاتھموہ فی الدین“ جو اس کے بارے میں کلام کرے اس کو دین داری میں تھمت زدہ سمجھو۔ اور نسائی نے کہا کہ اس کے متعلق کلام کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے؟ جیسا کہ تھذیب میں منقول ہے اور تقریب میں اسے ثقہ کہا ہے جو کہ اس کے متعلق مناسب

قال ابو محمد: ..... وتفوه هو ابنسخ هذه الاحاديث الصباح فكانهم اسبلوا الظلام على الصباح لان ذلك الخبر لا يساوى هذه الاخبار فكيف يصلح أن يكون ناسخا بها ولا اقل ان يكون الناسخ أقوى من المنسوخ كما فى نصب الراية للزيلعى وقال الحازمى فى الاعتبار من شرط الناسخ ان يكون له مزية على المنسوخ من حيث الثبوت والصحة ، فكيف اذا كان دوته ، ومن هذا الذى مجترى ان يتضوه بنسخ الخبر الصحيح بالخبر الموضوع . ويتمون بمسح الحق الصريح بالباطل الموضوع ثم الناسخ لا يكون الا بعد التعارض وهو لا يتحقق الا بعد استواء طرفى المتناقض واذليس كذلك فليس ذلك .

قال ابو محمد: ..... ثم ليس فى الفاظ الحديث ما يدل على النسخ وما وقع فى حديث عائشة حج بنا رسول لله ﷺ حجة الوداع فلم يروه عن ابى غزية الاعلى بن ايوب الكعبى كما عند الخطيب فى السابق واللاحق وابن عساكر نى غرائب مالك وقد عرفت من حاله ان الدارقطنى التهمة بالوضع وقدروى عن ابى غزية محمد بن عمر بن الاخضر كما اخرجة محب الدين للبطرى فى سيرته وهو قد وثقه الخطيب فى تاريخه .

قال ابو محمد: ..... ثم تابعة عن ابى غزية احمد بن يحيى الحضرى كما عند البن شاهين والناسخ والمنسوخ فلم يذكر هذه الزيادة وقد تكلم السيوطى على حديث انس فرجم حديث معمر بدون الزيادة على حديث ثابت فعلى ما قاله هذه الزيادة منكورة لانه لم يذكرها اثنان فلحد يثيها ترجيح على حديث الواحد ثم الذى زاداها مجروح والذى لم يذكرها هو ايضا مطروح لكن تابعة ثقة صلوح فهذا وجه ثان للترجيح .

قال ابو محمد: ..... فعلى هذا لم يثبت تاخره اصلاً والواجب عند التعارض بعد الاستواء الجمع ان امكن والا فالترجيه فان تعذر فالتفحص عن التاريخ فان علم المتاخر فهو الناسخ كما تقدم مرضه اذا كان هناك داع الى ذلك فيما نحن فيه ليس داع معلوم ثم الاستواء معدوم ثم الجمع ايضا ممكن لان الايمان بعد الموت غير نافع وبهذا كتاب الله العزيز قاطع فقال جل وعلى "يوم ياتى بعض آيات ربك لا ينفع نفساً ايما نها لم تكن آمنت من قبل او كسبت فى ايمانها خيراً الأنعام فهذا

ترین قول سے سوا کبھی طرح سمجھ لو۔ اور جن لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے جیسا کہ تہذیب میں منقول ہے ابن معین، عجل، ابن سعد، نسائی اور باہمی نے کہا کہ ”کان حافظا ثقة ما مونا“ حافظ ثقہ مامون تھا۔ اور ابن حبان نے اس کی توثیق اور امانت پر اہل نقد کا اجماع نقل کیا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے۔ اور اعتراف ہے کہ یہ جہاں سے آجما کی بارداشت آخری عمر میں کمزور ہو گئی تھی لیکن اس بات سے اس حدیث پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ روایت اختلاف سے پہلے کی ہے بیہقی نے کہا کہ وہ مسلم امہ میں سے ایک سے نیکن جب ان کی عمر بڑی ہو گئی تو حافظ خراب ہو گیا اسی لیے بخاری نے اسے چھوڑ دیا لیکن امام مسلم نے بڑی محنت سے ان کی ثابت سے وہ روایات اپنی تصحیح میں درج کیں جو کہ انہوں نے اختلاف سے پہلے سن رکھی تھیں۔ یہ بات تہذیب میں منقول ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ثابت سے ان کی یہ روایت اختلاف سے پہلے کی ہے اور مسلم نے اصول میں ان کی روایات سے احتجاج کیا ہے جیسا کہ اس کی تصریح صاحب تہذیب نے بیہقی اور حاکم سے نقل کرتے ہوئے کر دی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:۔ اور سیوطی نے مسالک الحنفاء میں کہا کہ اس کی روایات میں مناکیر آ گئی ہیں کہتے ہیں کہ اس کے لیے۔ لک بیٹے (ربیب) نے اس کی کتابوں میں داخل کر دی تھی اور حماد کو وہ یاد نہ تھیں اس لیے اس کے متعلق وہم کا شکار ہو گیا۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے اسے صاحب تہذیب نے عباد بن صہیب سے نقل کرنے کے بعد کہا کہ عباد ایضا ”لیس بشی“ عباد کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور درست کہا ہے کیونکہ میزان میں ہے ”احد المترکین“ مترک راویوں میں سے ایک ہے۔ ابن المدینی نے کہا ”دھب حدیثہ“ اس کی روایت چلی گئی (گئی گزری ہے) بخاری و نسائی اور دوسروں نے کہا ”متروک“ ہے، ابن حبان نے کہا قدری تھا اپنی بدعت کا داعی تھا اور اس کے ساتھ ایسی روایات بیان کرتا ہے کہ علم حدیث کا مبتدی بھی سنے تو من گھڑت ہونے کی گواہی دے۔

تو جناب یہ محترم سیوطی کی خیانت علمی ہے کہ تہذیب سے بس دم بریدہ روایت نقل کر دی اور جو جرح عباد پر ہے اسے ترک کر دیا۔ نسال اللہ العافیہ۔

راقم ابو محمد کہتا ہے..... اور سیوطی نے کہا کہ بخاری نے حماد سے کوئی روایت نہیں لی اور مسلم نے بھی اصول میں اس سے ثابت کی کوئی روایت نہیں لی۔ جواب یہ ہے کہ ہر وہ راوی جس سے بخاری نے روایت نہ لی ہو ناقابل اعتبار نہیں ہو جاتا جیسا کہ اہل علم و دانش پر پوشیدہ نہیں ہے بلکہ خود بخاری سے اس کی توثیق ثابت ہے۔ تہذیب میں ہے کہ بخاری نے اگرچہ اس پر اعتماد نہیں کیا مگر بعض مواقع پر استشہاد کیا ہے یہ بتانے کے لیے کہ وہ ثقہ ہے رہی بات امام مسلم کی تو انہوں نے اصول میں اس کی ثابت سے روایت درج کی ہے جیسا کہ خود سیوطی نے تسلیم کیا ہے اور حاکم سے بھی یہ بات نقل کی ہے اور یہ روایت ثابت سے ہی ہے لہذا اس

دليل على ان الايمان لا ينفع الا قبل الموت ثم قوله تعالى اد كسبت في ايمانها خيراً ايضاً يدل على ذلك لانه لم يثبت في الحديث ذلك .

قال ابو محمد: ..... ثم الترجيح الاحاديث على حديث الاحياء حاصل بوجوه عديدة وامور سديدة الاول صحتها وضعفه والثاني لم يحتج به احد من الشيخين واحتج بما خالفه احدهما اعنى مسلماً والثالث انه عن طريق واحد وما خالفه في الاب والام كليهما عن جماعة قال الحازمي في كتاب .

قال ابو محمد: ..... والوجه الرابع أنه مختلف في انقطاعه ووصله كما مر في موضعه وفصله وأما هذه الأحاديث فمتفقة على اتصالها فيترجه عليه قال الحازمي في الاعتبار والوجه الحادي والعشرون: أن يكون أحد الحديثين متفقاً على اتصاله والآخر يوصله بعضهم ويرسله آخرون فالأخذ بالمسند المتفقاً على اتصاله أولى من الأخذ بالمختلف في ارساله واتصاله فان المرسل اكثر الناس على ترك الاحتجاج به والمتصل متفق عليه فلا يقاومه . اه .

قال ابو محمد: ..... والخاس أنه مخالف لظاهر القرآن وهذه موافقة له قال الحازمي أيضاً الوجه السابع والعشرون أنه يكون أحد الحديثين موافقاً لظاهر القرآن دون الآخر فيكون الأول أولى بالاعتبار . اه .

قال ابو محمد: ..... والسادس أنه لا يوجد له نظير في الأنبياء السابقين وشرائع الأولين فانه مات ابن آدم على الكفر وكذا أب لأبراهيم وابن نوح وزوجته وزوجة لوط عليهم السلام ولم يحيى الله تعالى أحد ليؤمن بنى من الأنبياء وهذه الأخبار لها نظير وهو عقابة تعالى لنوح عن سؤاله لابنه .

وقال الحازمي ايضاً الوجه السابع والأربعون أن يكون الحديثين يثبت حكماً يخالف الحكم قبل الشرع والثاني يثبت حكماً موافقاً لحكم قبل الشرع فقد قيل لهذا أولى بالتقديم . اه .

قال ابو محمد: ..... هذا كله بعد تسليم الصحة فما ظنك مع الضعف والوهن ثم التاريخ غير معلوم فكيف يمكن النسخ اذالم يكن هناك وجه بين .

قال ابو محمد: ..... ونحتم الكلام بالحديث الصحيح المخرج في الصحيح أخرجه الامام البخارى في صحيحه في قصة وفات أبي طالب عن ابن المسيب عن أبيه ان

اعتراض کا کوئی معنی نہیں رہ جاتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سیوطی نے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ یہ الفاظ ”ان ابی و اباک فی النار“ اس کے بیان پر راوی متفق نہیں ہیں اسے صرف حماد نے ثابت اور اس نے انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حالانکہ معمر نے ثابت سے روایت کرتے ہوئے حماد کی مخالفت کی ہے بلکہ اس کی جگہ کہا ہے کہ ”اذا مرت بقبر کافر فبشره بالنار“۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سیوطی کا ظلم اور فضول حیلہ ہے حق کو جھٹلانے کے لیے کیونکہ ان دونوں الفاظ کے مابین کوئی مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ دونوں اپنی جگہ پر مستقل حدیثیں ہیں۔ ہر ایک دوسری کی تائید اور تصدیق کر رہی ہے اور اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں سائل کے اس سوال ”فاین ابوک“ کے جواب میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔ مزید یہ کہ یہ الفاظ اگرچہ معمر نے ذکر نہیں کئے مگر حماد ثقہ ہے اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہے جب تک کہ مخالفت نہ ہو جیسا کہ قاعدہ ہے اور سیوطی نے خود ”تدریب الراوی“ اور ”الفیة الحدیث“ میں ثقہ کے اضافے کے مقبول ہونے کی تصریح کی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سیوطی نے مزید کہا کہ معمر روایت ”حماد سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ حماد کے متعلق کلام ہے اور اس کی روایات میں منکر روایات پائی گئی ہیں جبکہ معمر کے متعلق کوئی کلام نہیں اور نہ ہی اس کی روایات میں کوئی منکر پائی گئی اور بخاری، مسلم نے بالاتفاق اس کی روایات لی ہیں لہذا اس کے الفاظ زیادہ معتبر ہوں گے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... حماد کے متعلق کلام قطعاً ثابت نہیں ہو سکا جیسا کہ بیان کر دیا گیا پھر یہ کہ کلام تو معمر کے متعلق بھی موجود ہے اس کی بصریوں اور کوفیوں سے روایات میں۔ تھذب میں ابن معین سے منقول اقوال دیکھ لو لہذا سیوطی کا یہ دعویٰ تو باطل ہوا۔ مزید یہ کہ سیوطی نے معمر کی روایت کی سند بیان نہیں کی تاکہ ہم اس کے دوسرے راویوں کا حال بھی دیکھ لیں اس کے بغیر مطلقاً معمر حماد سے زیادہ معتبر کیسے قرار پائے گا؟

یہی بات بخاری و مسلم کی معمر سے روایت کی تو اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ معمر کی یہ والی روایت زیر بحث صحیحین میں سے کسی کتاب میں نہیں جبکہ حماد کی یہ روایت ایک یعنی مسلم نے لی لہذا یہ بات حماد کے لیے باعث ترجیح ہوگی اس روایت میں نہ کہ معمر کے لیے۔ پھر یہ کہ معمر کی ثابت سے روایت میں کلام ہے صاحب تقریب کہتے ہیں ”ثقة ثبت“ فاضل مگر ان کی جو روایت ثابت اعمش اور ہشام بن عروہ سے ہے اس میں کچھ (عیب) ہے اور اسی طرح سے جو بصرے میں انہوں نے روایت کیا اور تہذیب میں ہے کہ ابن معین نے کہا کہ معمر کی روایت ثابت سے ضعیف ہے اور کہا کہ اس کی روایت ثابت، عاصم بن ابی النجود اور ہشام بن عروہ سے مضطرب ہے اوہام سے بھری ہوئی ہے۔



أباطالب لما حضرته الوفاة دخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم وعنده أبو جهل فقال أتى عمّ قُل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عندالله فقال أبو جهل وعبدالله بن أبى أمتيه يا أباطالب ترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزال يكلمانه حتى قال لاخرشئ كلهم بل على ملة عبدالمطلب فقال النبي صلى الله عليه وسلم لأستغفرن لك ما لم أنه عنه فنزلت "ماكان لنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولى قربى من بعد ماتبين لهم أنهم أصحاب الجحيم . " ونزلت "انك لاتهدى من أحببت"

قال ابو محمد: ..... وأخرجه البخارى فى "باب اذا قال المشرك عند الموت لا اله الا الله" من كتاب الجنائز" وفيه فلم يزل رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرضها عليه ويعود ان تلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ماكلهم هو على ملة عبدالمطلب وابى ان يقول لا اله الا الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أماوالله لاستغفرن لك ما لم أنه عنك فانزل الله تعالى فيه "ماكان النبي والذين" الآية قال ابو محمد: ..... والحديث أخرجه مسلم فى صحيحه فى كتاب الايمان وأخرجه النسائى أيضاً فى سننه وابن جرير فى تفسيره والحاكم فى مستدركه والحازمى فى الاعتبار وصحاحه وهو دليل على ان دين عبدالمطلب غير دين اهل التوحيد فمن هذا الذى يدعى كون اولاده على الفطرة بل ولم يعلمه أحد من ولده حتى من الله على المؤمنين اذبعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة "فأمن من امن وكفر من كفر".

قال ابو محمد: ..... ماذكره السيوطى عن السهيلي قد قيل أنه مات مسلماً لماراى من دلائل نبوته فهى قوله بلا دليل ولا يستند بمجرد قال فلان وقيل ثم هذا حديث مبطله ويمخه فصدق سبحانه وتعالى حيث قال بل نقذف على الباطل فيدمغه .

قال ابو محمد: ..... منهم من قال أنه من أهل الفطرة ولم تبلغ الدعوة ويكذبه أولاً قول السهيلي المذكور انفاثم الحديث الصحيح فلا يلتفت اليه الامن لم يرزقه من العلم نصيباً . قال ابو محمد: ..... ثم له شاهد آخر اخرج النسائى قال أخبرنا عبيد الله بن فضالة بن ابراهيم قال حدثنا عبدالله هو ابن يزيد المقبرى ؟ واخبرنا محمد بن عبدالله بن يزيد المقبرى قال حدثنا أبى قال سعيد حدثنا ربيعة بن سيف المعافرى عن ابى

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اور حماد ثابت سے روایت میں سب سے زیادہ قابل بھروسہ ہیں تقریب میں ہے کہ ”ہو اثبت الناس فی ثابت“ وہ ثابت سے روایت میں سب سے معتبر ہیں اور تہذیب میں ابن المدینی سے منقول ہے کہ ثابت کے شاگردوں میں حماد بن سلمہ سے زیادہ معتبر کوئی نہ تھا اور احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ ثابت سے روایت میں حماد سب سے زیادہ قابل بھروسہ ہے۔ لہذا یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حماد کی روایت ثابت سے معمر کے مقابلے میں زیادہ معتبر ہے اور یہ تیسری وجہ بنتی ہے حماد کی روایت کی ترجیح کے لیے یہاں تک کہ اس فن کے امام ابن معین کا قول ہے کہ جب کوئی ثابت کی روایت میں حماد کی مخالفت کرے تو ترجیح حماد کے قول کو ہوگی (فالقول قول حماد اور امام احمد بن حنبل کا فرمان ہے کہ حماد بن سلمہ ثابت کی روایت میں معمر سے زیادہ معتبر ہے یہ اقوال تہذیب میں منقول ہیں۔ یہ تمام اقوال دلالت کرتے ہیں کہ ثابت سے جو روایت حماد نے کی وہ صحیح ہے اگرچہ معمر یا کوئی اور اس کی مخالفت ہی کیوں نہ کرے۔ پھر یہ سب کچھ بھی تب جبکہ روایات باہم متعارض ہوں تو پھر جب باہم موافق اور مطابق ہوں۔ ایک دوسری کی تصدیق اور تائید کر رہی ہو پھر تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حاصل کلام یہ کہ روایت بالکل صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو حجت بنانے والے پر ہی کوئی ملامت ہو سکتی ہے۔ اور مسلم اور ابو عوانہ کا اس روایت کو اپنی کتب صحیح میں درج کرنا ان کے نزدیک اس روایت کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے لہذا اس کے نزدیک بھی یہ روایت صالح ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... تو یہ روایت صالح ہے اور اس میں تاویل کی کوئی حاجت نہیں ہے اور ابو عوانہ نے اس پر باب باندھا ہے کہ ”والکافر لا ینفعه معروفہ اذا مات“ اور کافر کو موت کے بعد اس کی نیکی نفع بخش نہیں۔ ابو داؤد اس روایت کو اس باب کے تحت لائے ہیں ”باب ذراری المشرکین“ باب مشرکوں کی اولاد کے بارے میں جبکہ نووی نے صحیح مسلم کے متن پر اس روایت کی تبویت کرتے ہوئے لکھا کہ ”بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تنالہ الشفاعة ولا تنفعہ قرابة المقربین“ اس امر کا بیان کہ جس کی موت کفر پر ہوئی وہ دوزخ میں جائے گا اور نہ اسے سفارش نصیب ہوگی نہ کوئی قرابت ہی نفع دے گی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے: ..... اس موضوع پر صحیح روایات میں سے یہ روایت بھی ہے جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس سند کے ساتھ درج کیا ہے کہ ”حدثنا محمد بن اسماعیل ابن البختری الواسطی حدثنا یزید بن ہارون عن ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سالم عن ابیہ“ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میرا باپ صلہ رحمی کرتا تھا اور یہ کرتا اور وہ کرتا تھا۔ تو وہ اب کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں، تو گویا اس دیہاتی

عبدالرحمن الحنبلى عن عبدالله بن عمر وقال بينما نحن نسير رسول الله ﷺ اذ بصر بامرأة لا نظن انه عرفها فلما توسط الطريق وقف حتى انتهت اليه فاذا فاطمة بنت رسول الله ﷺ قال لها ما اخرجك من بيتك يا فاطمة قالت اتيت اهل هذا الميت فترحمت اليهم وعزيتهم بميتهم قال لعلك بلغت معهم الكدى قالت معاذ الله ان اكون بلغتها وقد سمعتك تذكر في ذلك ما تذكر فقال لها ابلعتها معهم ما رايت الجنة حتى براها جد ابيك -

قال ابو محمد: ..... وربيعة اختلف فيه فقال البخارى وابن يونس عنده مناكير وقال عبدالحق ضعيف الحديث عنده مناكير وقال الدارقطنى "صالح" وقال العجلى "ثقة" كما فى التهذيب واما النسائى فقال فى التميز ليس به بأس "وفى سننه ضعيف" قال البخارى فى التاريخ الاوسط روى أحاديث لا يتابع عليها". واما ابن حبان فنقل صاحب التهذيب عنه أنه ذكره فى ثقاته وقال يخطئ كثيراً.

وذكر عنه صاحب الميزان "لا يتابع ربيعة على هذا فى حديثه مناكير وقد را جعنا إلى عين نسخة ثقانه فوجدنا فيها كما قال صاحب التهذيب .

قال ابو محمد: ..... فالمرجم كما قال صاحب التهذيب "صدوق" له مناكير له لم يثبت أنه مطروح اصلاً ثم تضعيف النسائى غير معتبر من وجوه الأول أنه جرح مبهم والثانى: وقد ثبت عنه التوثيق ايضاً فهو راجح لموافقة المعدلين ومع ذلك أنه لم يذكر فى ضعفائه . والثالث أن تضعفه ليس بقطعى الوجوه فى سننه فقال فى الأطراف وفى نسخه صدوق بل ضعيف فثبت الوفاق وحصل الاتفاق .

قال ابو محمد: ..... ثم الدارقطنى من المعتدلين فقوله هو اعدل الأقوال وأما تضعيف عبدالحق فلا يقبل فى جنب توثيقه بؤلاً مع كونه مبهماً فلم يثبت الاكون المناكير عنده ومثله لا يترك جميع أحاديثه بل الواجب ان يفتش عن أحاديثه فما كان فيه نكارة يترك والأفلا ايضاً فمعناه عنده افراد كما يفسره قول البخارى فى اوسطه .

قال ابو محمد: ..... وأما كثيرة خطأه كما قال ابن حبان فهو ايضاً لا يضر لأن الانسان قلما يسلم من الخطأ والنسيان ولا نقول ان حديثه فى أعلى مراتب الصحيح لكنه صالح وسط .

قال ابو محمد: ..... وأخرج أبو داؤد حديثه فى سننه وسكت عليه وقال المنذرى فى الترغيب والترهيب دبيعة من تابعى أهل مصر فيه مقال لا يقدر فى حسن الاسناد "وذكر الهيثمى فى المجمع حديثاً ووقع هو فى سننه وقال رجاله ثقات" وراه

نے اس بات کو محسوس کیا اور کہا ”فاین ابوک“ تو آپ کا باپ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”حيث ما مددت بقبر مشرك فبشره بالنار“ جہاں کہیں کسی مشرک کی قبر سے گزرو تو اس کو جہنم کی نوید دے دو۔ ابن عمر نے کہا کہ وہ دیہاتی بعد میں مسلمان ہوا اور کہتا تھا اللہ کے رسول نے مجھ پر بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ”کسی کافر کی قبر سے بھی گزرتا ہوں تو اسے جہنم کی نوید دیتا ہوں۔“

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ سند بھی صحیح ہے اور اس کے تمام راویوں کی تو ثیق تقریب میں مذکور ہے۔ ابراہیم بن سعد یہ زہری ہیں اور سالم یہ عبد اللہ ابن عمر بن الخطاب صحابی ابن صحابی کے بیٹے ہیں ان کا شمار مدینے کے سات مشہور فقہاء میں کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ سب سے مستند سند (اصح الاسانید کلھا) زہری عن سالم عن ابیہ ہے (تہذیب)

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو آپ ﷺ کا جواب سائل کے اس جواب میں کہ ”فاین ابوک“ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی وفات شرک پر ہوئی وگرنہ پھر یہ کلافتو تصور ہوگا۔ اور ابن ماجہ نے اس روایت کو اس باب کے تحت درج کیا ہے کہ ”باب ماجاء فی زیارة قبور المشركين“ باقی سیوطی کی یہ بات بالکل لائق اعتنا نہیں ہے کہ ”یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے والد کے جہنم میں ہونے پر تنصیص نہیں کی بلکہ کسی بھی کافر یا مشرک کے لیے فرمایا“ اور یہ بات جیسا کہ واضح ہے حقیقت سے بعید اور قائل کی بات کی ایسی توجیہ ہے جس سے وہ کبھی متفق نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں دیہاتی کے سوال کا جواب آیا ہی نہیں اور اس طرح کی بات کو مغالطہ ہی کہا جاسکتا ہے اور مقام سید المرسلین اس طرح کے کلام سے انتہائی بلند و بالا ہے لہذا یہ تاویل سننے کے ہی لائق نہیں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ان ہی دلائل میں سے سعد بن ابی وقاص سے مروی روایت ہے جسے بزار نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے ابراہیم بن سعد کے طریق سے زہری عن عامر بن سعد عن ابیہ سعد بن ابی وقاص کی سند سے روایت کیا ہے کہ ”ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ”ایسن ابی“ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”فسی النار“ جہنم میں تو اس نے کہا آپ کا باپ کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب بھی کسی کافر کی قبر سے گزرو تو اسے جہنم کی نوید سنا دو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... عامر یہ سعد بن ابی وقاص صحابی جلیل کے بیٹے ہیں تہذیب الکمال، التذہیب، التہذیب اور التقریب میں ان کی تو ثیق کی گئی ہے اور ان کے والد جلیل القدر صحابی ہیں جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور روایت کو سیوطی نے مسالک الحفاء میں صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ”وہذا اسناد علی شرط الشیخین“ اور ”التعظیم والمنة“ میں کہا کہ بزار اور طبرانی نے اس روایت کو اصح کے راویوں کی سند سے روایت کیا ہے اور ذکر کرنے کے بعد کہا کہ ہذا حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے۔

الحاكم في مستدكه من طريقة فهو صحيح عنده ولم يعقبه الذهبي في تلخيصه بل صرح أنه على شرط الشيخين

قال ابو محمد: ..... وبقية رجاله مؤثقون في التقريب وغيره وابو عبدالرحمن الحُبلى اسمه عبدالله بن يزيد المعافري وسعيد هو ابن أبي أيوب كما هو الظاهر من طبقته وشيوخه وتلامذته .

قال ابو محمد: ..... واعترض عليه فقيل رواه أبو داؤد في سنه من طريق الفضل بن فضالة عن ربيعة وليس فيه لفظة ما رأت الجنة حتى يرنها جد ابيك وهذا لأشي بوجوه الأول أنه رواه عن ربيعة سعيد بن أبي أيوب وهو ثقة وثقة أحمد وابن معين والنسائي وابن سعد وابن حبان والساجي ويحيى بن بكير وقال ابن يونس وابن وهب كان فقيهاً كما في ادتهذيب فزيادته مقبولة .

قال ابو محمد: ..... والثاني أن زيادته ليست منافية لحديثه بل هما حديثان مسرتقلان والثالث أنه لم ينفرد بروايتها عن ربيعة نافع بن يزيد وهو ايضاً ثقة وثقة احمد بن صالح المصري وابو حاتم والنسائي والعجلي وابن حبان والحاكم وقال ابن يونس كان ثبتاً في الحديث لا يختلف فيه وقال الصنعاني ثا ابن أبي من لم يسم ثنا نافع بن يزيد وكان من خير أمة محمد صلى الله عليه وسلم كذا في التهذيب .

قال ابو محمد: ..... أخرج حديثه الحاكم في مسند ركه قال أخبرنا أبو عبدالله محمد بن عبدالله الصفار ثنا ابو اسماعيل محمد بن اسماعيل ثنا سعيد بن أبي مريم ابن نافع بن يزيد أخبرني ربيعة بن سيف حدثني ابو عبدالرحمن الحُبلى فذكره ولم يتعقبه الذهبي الحاكم في اخراجه لهذا الحديث في مسند ركه على الصحيحين .

قال ابو محمد: ..... وتابعه ايضاً حيواة بن شريح بن صفوان التجيبي عنه كما اشار اليه الحاكم وهذا ايضاً ثقة قال في التقريب ثقة ثبت فقيه زاهد ونقل في التهذيب توثيقه عن أحمد وابن معين وابو حاتم ويعقوب بن سفيان والعجلي و مسلمة بن القاسم وابن حبان وابن سعد وغيرهم وقال الذهبي في تلخيص المستدرك وقال القرى حدثنا حيواة الخريف ربيعة بن سيف لهذا على شرطهما .

قال ابو محمد: ..... فهذه قوة في قوة فرواته الثلاثة حجة والوجه الرابع: ان لفظ أبي داؤد هكذا "قال لو بلغت معهم الكدى فذكر شديداً في ذلك" وهذا مجمل وحديث النسائي يفسره والحديث يفسر بعضه جوضاً وتفسير الحديث أولى وبالقبول أخرى .

قال ابو محمد: ..... فالحديث سالم من الجرح القادح بل من اقسام الحسن والصالح

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ بھی والد کی شرک پر موت کے بارے میں نص صریح ہے سیوطی نے اس روایت سے کچھ فوائد کا استنباط کیا ہے جو کہ اصل میں نقصان دہ ہیں نہ کہ مفید! تو سیوطی نے کہا کہ اس روایت میں کچھ فوائد ہیں ان میں سے ایک تو یہ بیان کہ سائل دیہاتی تھا اور غالب گمان ایسی صورتحال میں فتنہ میں پڑ جانے اور مرتد ہو جانے کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ کہ ”ابوک فی النار“ تیرا باپ جہنم میں ہے اس قول کے اندر بھی یہ ہی خدشہ پایا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے اظہار حق کے طور پر یہ قول کیوں فرمایا؟ اور پھر یہ کہ اظہار حق میں ایسا کوئی اندیشہ سرے سے ہوتا ہی نہیں ہے پھر یہ کہ دیہاتی اس واضح فرمان کی بنا پر ہی تو ایمان لایا تھا جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے اور سیوطی نے خود اس روایت کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے لہذا یہ بات سیوطی کی اس تاویل کی تکذیب کر دیتی ہے کہ ”فتنے اور ارتداد کا خدشہ“

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سیوطی مزید کہتے ہیں اور ان فوائد میں سے یہ کہ ایسا جواب ہے جس میں ابہام اور چھپا کر بات کی گئی ہے کیونکہ اس میں تصریح نہیں ہے کہ محترم والد جہنم میں ہیں صرف اتنا ہے کہ جب کسی کا فر کی قبر سے گزرو تو اسے جنم کی نوید سنا دو اور یہ الفاظ حرف بحرف اس بات پر دلالت نہیں کرتے صرف یہ کہ سیاق اور قرآن کی بنا پر ایسا سمجھا جاسکتا ہے اور ابہام اور تو یہی اسی کو کہتے ہیں لہذا آپ ﷺ نے اس کے سامنے حقیقت حال کے اظہار سے گریز کیا اور اپنے والد کے الگ مقام کے اظہار سے گریز کیا اس کے مرتد ہو جانے کے خوف سے اس لیے کہ انسانی فطرت کسی دوسرے کی ترجیح کو برداشت نہیں کر سکتی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... آپ ﷺ کے کلام کو ثور یہ اور ابہام قرار دینا سیوطی کی انتہائی جرات ہے بلکہ دنیا کا سب سے بڑا فساد ہے یہ بات کہنا کہ آپ ﷺ تو یہ یا چھپا کر بات کر دیں کے امور کے متعلق یا موصوم کلام فرمائیں حالانکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان خود پڑھ کر سنار ہے ہیں کہ ﴿التبیین للناس ما نزل الیہم﴾ (النحل) بلکہ یہ بکواس آپ ﷺ کی جناب میں بے ادبی ہے ﴿وما یكون لنا ان نتكلم بهذا سبحانك هذا ابهتان عظیم﴾ ہمارے لیے روانہ نہیں کر ہم ایسی بات کریں اللہ تو پاک ہے یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر یہ تاویل تو پہلی والی سے بھی گئی گزری ہے کیونکہ اگرچہ آپ نے یہاں پر سیوطی کے زعم میں تصریح نہیں فرمائی تب بھی دوسرے مقام پر تصریح موجود ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں مذکور ہے اور یہ جملہ اگرچہ حرف بحرف اس معنی میں نہیں مگر ضمناً یہ معنی موجود ہے اور سیاق اور قرآن کی دلالت بھی اہم ہے۔ پر سیوطی کا یہ قول کہ ثور یہ اور ابہام میں ایسا ہی ہوتا ہے بڑا ہی عجیب قول ہے کیونکہ روایت کے الفاظ میں انکار تو قطعاً نہیں ہے بلکہ اصل مسئلے کا اثبات ہی ہے اور اسی طرح کے موقع پر کہا جاتا ہے کہ ”الکناية ابلغ من الصراحة“ کفایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے۔ پھر سیوطی کا یہ قول کہ ”خشية

وهو أيضاً دليل على ان عبدالمطلب لم يكن من أهل الجنة وقال العلامة أبو الحسن السندهى الكبير فى حاشية النسائى ظاهر السوق يفيد ان المراد ما رأتُ أبداً كما لم يرها فلان وان هذا من قبيل حتى يلج الجمل فى سم الخياط .

قال ابو محمد: ..... وتأوله السيوطى بتاويلات ردييه فقال لا دلالة فى هذا لأنه لو مشت امرأة مع جنازة الى المقابر لم يكن ذلك كفراً موجباً للخلود فى النار وقد أجاب عنه السندهى فقال اما ان يحمل على التخليط فى حقها واما ان يحمل على أنه علم فى حقها انها لو ارتكب تلك المصيبة لافضت بها الى معصية تكون مؤدية الى ما ذكره .

قال ابو محمد: ..... ثم غاية ما فيه أنه من الأعضاء فلا يرفع عند الاشكال لأن مثل هذا العاص لا يخلد فى النار فكيف علق عليه فلا يلزم عدم تقدير المعلق به .

قال ابو محمد: ..... وقال أيضاً غاية ما فى ذلك أن يكون من جملة الكبائر التى يعذب صاحبها ثم الآخر امره الى الجنة ولكن هذا فى الكبائر واما فى أهل الشرك فلا وقال أيضاً وأهل السنة يؤولون ماورد من الحديث فى أهل الكبائر انهم لا يدخلون الجنة والمراد لا يدخلون مع السابقين الذين يدخلونها اولاً بغير حساب .

قال ابو محمد: ..... وفيه أن هذا مسلم فى المعلق ولكن لا ينفذ فى المعلق به لانه قد ثبت من الحديث السابق ان أباطالب أبى عن كلمة التوحيد واخبر أنه على ملة أبيه فاهل الشرك لا مغفرة لهم وماهم بخارجين من النار .

قال ابو محمد: ..... ثم قال ويكون معنى الحديث لم تر الجنة حتى يأتى الوقت يراها فيه جد ابىك فترينها حينئذ فتكون ردئتك لها متأخره عن روية غيرك من السابقين وهذا أبعد عن الصواب وتقول على النبى صلى الله عليه وسلم ما لم يقل ثم النص السابق يكذب ذلك التأويل لأن النجاة للمشرك ليست اصلاً ثم لقائل ان يقول ليس فيه دخول الجنة بل ردئتها فقط ومعلوم أن أهل النار يردى الجنة وندما ثها فيحسرون على انفسهم وينا دون اهلها أن افيضوا علينا من الماء او يمارزكم الله قالوا ان الله حرمهما على الكافرين (الاعراف) فيكون المعنى انك لن ترين الجنة حتى يراها جد ابىك وغيره من أهل النار فبطل عنده جميعاً .

قال ابو محمد: ..... فالحاصل أنه لم يكن من أهل الملة بل من أهل الشرك والكفر

ارتدادہ“ اس کے مرتد ہو جانے کے خوف سے اور بھی عجیب ہے کیونکہ اس اعرابی کا مسلمان ہونا ہی بعد میں ہے جیسا کہ مذکور ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اگر ہم فرض کر لیں اور مان لیں کہ آپ ﷺ نے اپنے والد کے جہنم میں ہونے کی تصریح نہیں فرمائی تب بھی ہم بالجزم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کا اعرابی کے اس جوابی سوال پر انکار نہ کرنا جبکہ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا باپ جہنم میں ہے اور انس نے کہا کہ تو آپ کا والد اور آپ ﷺ اس کے ترید نہ فرمائی یہ تقریر اور تصدیق شمار ہوگی تو اچھی طرح سمجھ لو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... مزید فرماتے ہیں کہ چونکہ اعرابی لوگ تند مزاج اور سخت دل تھے اس لیے اسے موہوم جواب دیا اس کے دل کو نرم کرنے کے لیے لیکن اس طرح کی بات شانِ مصطفیٰ ﷺ سے بعید ہے اور اس طرح کی بات میں کیا گداز ہے؟ بلکہ یہ تو گمراہ کرنا اور گمراہی میں ڈالنا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر ہم انہیں قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا آپ ﷺ یہ جانتے تھے یا نہیں اگر نہیں تو پھر ایسا کیوں فرمایا کہ میرا اور تمہارا باپ جہنم میں ہے پھر آپ ﷺ کے لیے مناسب تھا کہ فرماتے کہ اس معاملے میں مسؤمائل سے زیادہ باخبر نہیں ہے جیسا کہ قیامت کے متعلق سوال میں فرمایا تھا اور اگر جانتے تھے تو بتایا یا نہیں اور اگر دوسری شق لو تو اس پر آپ ﷺ کا یہ فرمان وارد ہوتا ہے کہ جس سے کسی علم کے متعلق پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا (من سئل علما فکتمة الجم یوم القیامة بلجام من النار) جیسا کہ مشہور و معروف حدیث ہے اور اگر جواب دیا تو کون سا جواب دیا؟ کیا موہوم جواب دیا؟ جیسا کہ تم لوگوں نے گمان کر رکھا ہے اور اللہ کے رسول پر یہ تہمت لگا کر انہیں تم نے ایذا پہنچائی ہے حالانکہ آپ ﷺ دنیا و آخرت میں اس طرح کی تہمت سے بری ہیں اور کیا سائل نے ایسے ہی گول مول جواب کے لیے سوال کیا تھا۔ یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے بالکل درست، واضح اور بے لاگ جواب عنایت فرمایا اور یہ ہی شانِ مصطفیٰ ﷺ کے شایان شان تھا اس لیے خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ اور غفلت میں پڑ کر سیوطی کی فضولیات پر تکیہ نہ کرو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر جب اس طرح کی تاویلات میں پڑے تو دعویٰ کیا کہ یہ الفاظ ”ان ابی و اباک فی النار“ راویوں کا بے جا اضافہ ہے حالانکہ ثابت کے شاگردوں میں سے جس نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں اہل تحقیق کے نزدیک اسی کا قول معتبر ہے اور اس کے ماقبل پہلے سے کوئی ثقہ ہی ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں تو پھر جب مخالفت ہے ہی نہیں بلکہ دوسرے بھی اسی کے مطابق اور موافق ہیں اب کس چیز کا اعتراض؟ راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ان صحیح روایات کے نسخ کا بھی دعویٰ کرتے ہیں گویا کہ چراغ پر اندھیرے ڈالتے ہیں کیونکہ وہ احیاء امہ والی روایت ان روایات کے برابر بھی نہیں ہے تو وہ نسخ کیسے ہو سکتی ہے اور نسخ کو کم



فبطل قوله أنه كان من الفترة فكيف ولده والعشرية فظهر ان ابويه صلى الله عليه وسلم لم يكونا من اهل الايمان بل ماتا على الكفر هكذا ثبت من حيث النقل والنظر وكل ما تعذروا به فهو في غاية الودة والبعد منه واما احياهما فليس بثابت لاشرعاً ولا عقلاً ولا قائل نظراً ولا نقلاً انما وضعه اعداء الدين وصنعه اعوان المشركين ليفود به هوأهم ويردوا غواهم لانه مانقله الامن هو المذاع البطلال وما راواه الا المحاح الرجال لم يستحي ربه ولا خاف عتابه ولم يخش سطوة ولا عذابه فاراد تكذيب كتابه الكريم ورام رمى دينه القويم ثم هو من اهل الرقص الذين رفضوا الاسلام وصاروا من الفسقة العجزة اللثام فلا يعاب بما اتى به الامن لا يعلم الصواب من الخطأ ولا يميز بين الأمرين والحصاء واما الذين خلقوا لهذه الصناعة وتفريق النقد من الغواية لا يرضون الباطل مع الحق ولا يمهلون بل على اعين الناس يفتشونه ويظهرونه فيقولون هذا عذب فرات سائغ شرابه وهذا ملح اجاج وذاعظم ومخزف وذاعاج فزجاج واوقدوا على الطريق السراج الوهاج ليتضح الصراط المستقيم للوارد من بين السبل والفجاج كثر الله سوادهم واحسن معادهم قال ابو محمد: ..... وكذا ما تكلموا في ذلك من اهل المشارب والمسالك فكله في غاية البطلان بل كانه نظير كلام السكران يكذب اوله آخره ولا يوافق المنصور ناصرة وهذا يعارض ذاوذا يناقض هذا بل كمانه لا يرضى به خاطره وان كان هو بنفسه ساطرة وقد ذكرنا مافيه من السخافة الدالة على عدم الفقه بل على الجهل والسفاهة فانهم كما رأيت اتوا بالطامات والعجائب ترعد منها القلوب في الترائب كانهم ركبوا العمياء او خبطوا خبط العشواء الالف عندهم كالباء و والدره والبعرة، لديهم سواء ونعوذ بالله من الخذلان والتفقه بلاسلطان

قال ابو محمد: ..... وهذا آخر ماوجب علينا ايراد لانه قد ظهر لمن يريد مرادة وتبين من اللين بياضة وسواده ومن القول صلاحه وفساده ومن المسلك خائفة وزبادة ومن المشرب ردية وجيافة فينبغي لمن يطلب الحق ومقصودة حصادة ومطمعة التحقيق وسرادة فليثبت به فانه رشادة وليتمسك به فانه زادة في شعب الاختلاف حين احاط به مسترادة وفي مسلك الخلاف حين حاق به حماده وامان جهل وصار غفلة صفاره او غفل وقلب عليه رقادة فهو له صلاده ولا الذهب ولا الفضة بل

از کم منسوخ سے زیادہ قوی ہونا چاہیے جیسا کہ نصب الراية میں ہے اور حازمی نے الاعتبار میں کہا ہے کہ ناخ کے لیے شرط ہے کہ اسے منسوخ پر برتری ہو ثبوت اور صحت کے اعتبار سے تو پھر اس سے کم تر کیسے ناخ ہوگا؟ اور کون یہ جرات کر رہا ہے کہ صحیح روایت کو موضوع سے منسوخ کرے اور واضح حق کو من گھڑت باطل سے مٹانے کی کوشش کرے؟ اور نسخ ہوتا ہے تعارض کے بعد اور تعارض ہوتا ہے جب کہ دونوں مخالف ثبوت اور صحت میں برابر ہوں اور جب ایسا نہ ہو تو ویسا بھی نہیں ہو سکتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... مزید یہ کہ حدیث کے الفاظ میں ایسا کچھ نہیں ہے جو کہ نسخ پر دلالت کرتا ہو اور جو عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت حج بنا رسول اللہ حجۃ الوداع“ ہے اسے ابو غزیہ سے علی بن ایوب الکعبی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا جیسا کہ خطیب کے ہاں السابق واللاحق میں ہے اور ابن عساکر کے ہاں غرائب مالک میں اور اس کا حال تو تم جان ہی چکے ہو کہ دارقطنی نے اس پر وضع حدیث کی تہمت لگائی ہے اور ابو غزیہ سے اسے محمد بن عمر بن الاخضر نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ محبت الدین الطبری نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے اور خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کی توثیق کی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر ابو غزیہ سے احمد بن یحییٰ الحضرمی نے اس کی متابعت کی ہے جیسا کہ ابن الشاہین کے ہاں النسخ والمنسوخ میں ہے تو اس نے اس زیادتی کو ذکر نہیں کیا اور سیوطی نے انس رضی اللہ عنہ والی روایت پر کلام کیا ہے پھر معمر والی روایت کو بغیر ان زائد الفاظ کے ثابت کی روایت پر ترجیح دی ہے تو پھر سیوطی کے قول کے مطابق یہ اضافہ منکر ہے کیونکہ دو راویوں نے اسے بیان نہیں کیا اس لیے ان کی بات کو ایک راوی پر ترجیح ہوگی پھر جس نے یہ اضافہ بیان کیا ہے وہ راوی مجروح ہے اور جس نے بیان نہیں کیا وہ بھی متروک ہے لیکن ایک ثقہ صالح راوی نے اس کی متابعت کی ہے لہذا یہ دوسری وجہ ترجیح ہے (یہ ہی ہوا)

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو پھر ایسی صورت میں عدم زیارت والی روایت کا تاخر تو بالکل ثابت نہ ہو اور تعارض ہو جانے کے بعد برابر کی دلیلوں میں واجب ہے کہ جمع کرنے کی کوشش کی جائے اگر ممکن ہو سکے ورنہ پھر ترجیح اور اگر ترجیح بھی مشکل ہو تو تاریخ معلوم کرنی چاہئے پھر اگر متاخر کا علم ہو جائے تو وہ متقدم کا ناخ شمار ہوگا اگر نسخ کی ضرورت ہو جب کہ جو ہماری بحث ہے اس میں نسخ کے لیے کوئی داعی نہیں ہے پھر یہ کہ دلائل کی قوت میں برابری بھی مفقود ہے اور جمع کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ موت کے بعد ایمان نفع بخش نہیں اور اس سلسلے میں قرآن کا بیان قطعی ہے اللہ کا فرمان ﴿یوم یأتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایما نہا لہم تکن امنة من قبل او کسبت فی ایما نہا خیرا﴾ (الانعام) جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آگئیں تو کوئی جان جو اس سے پہلے ایمان نہ لائی تھی اس کو ایمان لانا کوئی نفع نہ دے گا یا اگر اس نے

صاده وان كان مرفوعاً عنه صداة لانه لزمة سؤادة ومنعه عن شرايحه رشادة وامتلاً  
بالتعسف فؤادة فصدة عن الاستفادة منه حسده وعناده

قال ابو محمد: ..... والحمد لله الرب البصير السميع الجميل الكريم الرفيع فى  
الأول وفى الآخرة بالصورة الرفيع فى الصيف والشتاء والخريف والربيع على وفقه  
لعبدہ ابن عبده وابن امته البديع فى حسن التمام السريع لهذا السفر النجیح  
المشحون بالبراهين كالمشيع الفارق بين المقبول والرجيح والمهيز بين الليل  
والسطيع كما حمد نفسه فى كتابه المنيع وكما يحمدة خلقة الجن والانس والجميع  
من البهائم الطيور والمليع وافضل الصلوة والسلام السوسيع على مرسله السيد  
الذريع الامام الشريح المؤمنین رؤف رحيم والشفيع الشارع الوديع العابد الوريح  
باليوم الهجيع جاء بالدين النصيع والامر الوكيع دعا امته الى الطريق الدليع وهدى  
الى سبيل الهطيع من اطاعة فقد نجى وله غدق ونصيح وثلبح مقيع ومن عاصاه فقد  
تردى فهو الدنيع والذليل الخضيع ليس له طعام الامن ضريع لايسمن دلا يغنى من  
الكنيع ولا ماء الامن سعوم وجبع

وعلى آله المطيع واهله ذوى الشأن الوقيع واصحابه الذين فذوا انفسهم للاشاعة  
الدين حتى جعلوها كالمبيع فمنهم من الفاضل البيع والكامل البذيع والمهتدين  
سريع ولبغينه الخيره دنيع والبغية الشرمنيع وعلى التابعين واتباعهم باحسان الضيع  
الى يوم يحكم فيه بين الشريف والوضيع ويرى من العمل الصالح والشنيع ماسبح  
السابحون فى الرفيع و سجد الساجدون فى الصليع والمماريع .

انا العبد

ابو محمد بديع الدين شاه

١٩٦٢-٢-٠٦

ایمان کے ساتھ بہلائی نہ کی تھی (تو اب کوئی بہلائی سود مند نہ ہوگی) یہ فرمان اس امر کی دلیل ہے کہ ایمان صرف موت سے پہلے ہی نافع ہے پھر اللہ کا یہ فرمان کہ ”جس نے اپنے ایمان کے ساتھ بہلائی نہ کی ہو“ بھی اسی امید پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ روایت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر یہ کہ ان احادیث کو حدیث احياء پر بہت سی وجوہات اور ٹھوس اسباب کی بنا پر ترجیح حاصل ہے اول یہ کہ یہ روایات صحیح ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔ ثانیاً یہ کہ بخاری و مسلم میں سے کسی نے حدیث احياء کو حجت نہیں بنایا جب کہ اس کی مخالف روایت کو مسلم نے حجت بنایا ہے۔ ثالثاً یہ روایت یعنی حدیث احياء ایک ہی طریق سے مروی ہے جب کہ اس کی مخالف روایات ایک جماعت سے مروی ہیں۔ حازمی نے ”کتاب الاعتبار فی بیان النسخ و المنسوخ من الاخبار“ میں وجوہ ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”الوجه الاول“ ایک جانب کثرت تعداد کا پایا جانا یہ چیز روایات میں مؤثر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... رابعاً وجہ ترجیح یہ کہ حدیث احياء کے متصل یا منقطع ہونے میں اختلاف ہے جب کہ اس کے مخالف روایات کے اتصال پر اتفاق ہے لہذا ان کو ترجیح حاصل ہوگی۔

عازمی میں نے کتاب الاعتبار میں کیا رھویں (۱۱) وجہ ترجیح بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر ایک روایت کے اتصال پر اتفاق اور دوسری کو بعض راوی متصلاً اور بعض مرسل بیان کریں تو پھر مسند متصل روایت جس کے اتصال پر اتفاق ہو کو ہی لینا چاہئے کیونکہ اکثر لوگ مرسل سے حجت لینے کے قائل نہیں جب کہ متصل پر اتفاق ہے اس لیے منقطع اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... خامساً یہ کہ حدیث احياء قرآن کے مخالف جب اس کے برعکس روایات قرآن کے موافق ہیں حازمی ستائیسویں وجہ ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر دو حدیثوں میں سے ایک بظاہر قرآن کے موافق اور دوسری قرآن کے مخالف ہو تو موافق روایت لینا ہی زیادہ معتبر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سادساً یہ کہ ایسی بات کی کوئی مثال نہ پہلے انبیاء میں نہ اگلی شریعتوں میں ہی ملتی ہے کیوں کہ آدم علیہ السلام کا بیٹا کفر پر فوت ہوا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی بیوی اور لوط علیہ السلام کی بیوی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی زندہ نہیں فرمایا تاکہ وہ کسی نبی پر ایمان لا سکے جبکہ ان روایات کی مثال موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے کے لیے دعا پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور عازمی مزید کہتا ہے کہ وجوہ ترجیح میں سے سینتالیسویں (۴۷) وجہ یہ کہ ایک روایت ایسا حکم ثابت کرے

جس سے پچھلی شریعتوں کی مخالفت لازم آتی ہو اور دوسری روایت ان کے موافق ہو تو یہ کہا گیا ہے کہ موافق روایت کو ترجیح ہوگی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور مذکورہ بالا تمام بحث بھی تب جب روایت کی صحت تسلیم کر لی جائے تو پھر کیا خیال ہے جبکہ سند ضعیف اور بیکار اور تاریخ کا بھی علم نہیں تو پھر نسخ کیسے ممکن ہوگا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اب ہم اپنی بات کا اختتام ایک صحیح روایت سے کرتے ہیں جو کہ صحیح بخاری میں وارد ہے امام بخاری اس روایت کو ابو طالب کی وفات کے باب میں لائے ہیں ”عن ابن المسيب عن ابيه ان ابا طالب لما حضرت الوفاة دخل عليه النبي ﷺ وعنده ابو جهل فقال اي عم قل لا اله الا الله كلمة احاج لك بها عند الله فقال ابو جهل وعبدالله ابن ابي اميه يا ابا طالب ترغب عن ملة عبدالمطلب فلم يزالوا يكلمانه حتى قال اخر شى كلمهم به على ملة عبدالمطلب فقال النبي ﷺ لا استغفرن لك ما لم انه عنه فنزلت ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربى من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم - ونزلت انك لا تهدي من احببت“ ابن المسيب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو آپ ﷺ اس کے ہاں داخل ہوئے اور ابو جهل وہاں موجود تھا آپ ﷺ نے ابو طالب سے فرمایا کہ اے چچا لا اله الا الله کہیے اس کلمے کے طفیل میں اللہ بارگاہ میں آپ کے لیے گزارش کروں گا تو ابو جهل اور عبید اللہ ابن ابی امیہ بولے کہ ابو طالب کیا عبد المطلب کی ملت کو چھوڑ دو گے اور پھر وہ دونوں بولتے رہے یہاں تک کہ آخری کلمات جو کہ ابو طالب نے ان سے کہے یہ تھے کہ ”علی ملة عبدالمطلب“ عبدالمطلب کی ملت پر تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ نبی ﷺ اور اہل ایمان کے لیے روانہ نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کریں اگر چہ وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ واضح ہو چکا اہل ایمان پر کہ (وہ مشرک) جہنمی ہیں اور ایت نازل ہوئی ”انك لا تهدي من احببت“ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اس روایت کو امام بخاری ”باب اذا قال المشرك عند الموت لا اله الا الله“ کتاب الجنائز میں لائے ہیں اور وہاں الفاظ ہیں ”فلم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه ويعودان تلك المقالة حتى قال ابو طالب آخر ما كلمهم هو على ملة عبدالمطلب وابي ان يقول لا اله الا الله فقال رسول الله

ﷺ اما والله لا ستغفرن لك ما لم انه عنه فانزل الله تعالى فيه ما كان للنبي والذين آمنوا الايه - تو اللہ کے رسول کلمہ طیبہ اس پر پیش کرتے رہے اور وہ دونوں وہی بات دہراتے رہے یہاں تک ابو طالب نے آخری بات جو ان سے کی وہ یہ کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اللہ کی قسم میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہیں کیا جاتا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ما كان للنبي والذين آمنوا الايه۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان میں اور نسائی نے اپنی سنن میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں اور حازمی نے الاعتبار میں صحیح قرار دیا ہے یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ عبدالمطلب کی ملت اہل توحید کی ملت سے جدا تھی۔ تو پھر کون دعویٰ کرتا ہے اس کی اولاد کے فطرت پر ہونے کا؟ بلکہ اس کی اولاد میں سے کوئی اس چیز سے واقف تک نہ تھا یہاں تک کہ اللہ نے اہل ایمان پر احسان کرتے ہوئے ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو کہ انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا پھر جس نے ایمان لانا تھا لایا اور جس نے کفر کرنا تھا کیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... وہ جو سیوطی نے سھیلی سے نقل کیا ہے کہ کہا گیا ہے کہ وہ اسلام پر فوت ہوئے اس لیے کہ آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل دیکھ کر ایمان لا چکے تھے۔ سیوطی کا سھیلی سے نقل کردہ یہ قول بلا دلیل ہے اور محض فلاں نے کہا یا کہا گیا کوئی دلیل نہیں ہے پھر یہ حدیث اس بات کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... ان قائلین میں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ (ابو طالب) اہل فطرت میں سے تھا اور دعوت اس تک پہنچی ہی نہ تھی۔ اس بات کی تکذیب سھیلی کی ابھی مذکور بات سے ہو جاتی ہے صحیح حدیث بھی اس کو جھٹلاتی ہے لہذا اس کی طرف وہ ہی توجہ کرے گا جسے علم میں سے کچھ نصیب نہ ہوا ہو۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر اس کے لیے یہ روایت بھی شاہد ہے جسے نسائی نے روایت کیا ہے کہ ”اخبّرنا عبد الله بن فضالة بن ابراهيم اقال حدثنا عبد الله هو ابن يزيد المقبري حوا خبرنا محمد بن عبد الله بن يزيد المقبري قال حدثنا ابي قال سعيد حدثنا ربعة بن سيف المعافري عن ابي عبد الرحمن الحنبلي عن عبد الله بن عمر وقال بينما نحن نسير رسول الله ﷺ اذ بصر بامرأة لا نظن انه عرفها فلما تو سط الطريق وقف حتى

انتہت الیہ فاذا فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ قال لہا ما اخرجک من بیتک یا فاطمة قالت اتیت اهل هذا المیت فتر حمدت، الیہم وعزیتہم بمیتہم قال لعلک بلغت معہم الکدی قالت معاذ اللہ ان اکون بلغتها وقد سمعتک تدر فی ذالک ما تدر فقال لہا ابلعتها معہم ما رايت الجنة حتی براها جد ابیک -“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ آرہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو دیکھا ہم نہیں سمجھے کہ آپ ﷺ نے ان کو پہچانا ہے پھر جب راستے کے درمیان پہنچے تو رک گئے یہاں تک کہ وہ خاتون آپ ﷺ کے نزدیک آ کر رکیں تو وہ فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا اے فاطمہ آپ کس ضرورت کے لیے گھر سے نکلی ہیں انہوں نے جواب دیا کہ اس میت والے گھر آئی تھی دعائے مغفرت اور تعزیت کے لیے آپ ﷺ فرمایا تم ان کے ساتھ قبرستان تک گئی تھیں وہ بولیں اللہ کی پناہ کہ میں وہاں جاؤں حالانکہ میں نے آپ کو اس کے متعلق وہ سب کچھ فرماتے سنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم ان کے ساتھ وہاں تک جائیں تو جنت کو دیکھ تک نہ پائیں جب تک کہ تمہارے باپ کا دادا اسے دیکھتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور ربیعہ مختلف فیہ ہے بخاری اور ابن یونس نے کہا عندہ منا کیر دارقطنی نے کہا صالح عبدالحق نے کہا ”ضعیف الحدیث عندہ“ عجلی نے کہا ثقہ جیسا کہ تہذیب میں ہے اور نسائی نے تمیز میں کہا کہ ”لیس بہ باس“ (اس میں کوئی حرج نہیں) اور سنن میں کہا کہ ضعیف۔ بخاری نے التاریخ الاوسط میں کہا کہ روی احادیث لا یتابع علیہا۔ روایتیں بیان کرتا ہے جس پر اس کی متابعت نہیں ہوتی۔ ابن حبان سے صاحب تہذیب نے نقل کیا ہے کہ اس نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے اور کہا کہ یخطی کثیرا۔ غلطیاں بہت کرتا ہے۔ صاحب میزان نے کہا کہ ربیعہ کی روایات پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی اس کے ساتھ ساتھ اس کی روایات میں منا کیر پائی جاتی ہیں۔ ہم نے ابن حبان کے ثقات کی مراجعت کی تو وہ ہی الفاظ پائے جو کہ صاحب تہذیب نے نقل کیے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو پھر صاحب ترجمہ ربیعہ جیسا کہ صاحب تہذیب نے کہا صدوق ہے اس کی روایات منکر بھی ہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ وہ بالکل ہی متروک راوی ہے پھر یہ کہ نسائی کی تضعیف بعض وجوہ سے غیر معتبر ہے۔ اول یہ کہ جرح مبہم ہے دوسرا یہ کہ اس سے توثیق بھی منقول ہے اور وہ راجح ہے تعدیل کرنے والوں کی موافقت کی وجہ سے اور اس کے ساتھ اسے نسائی کے ضعفاء میں ذکر نہیں کیا گیا۔

ثالثاً یہ کہ اس کی تضعیف قطعی الوجود نہیں ہے سنن میں کیونکہ اطراف میں ہے کہ سنن کے ایک نسخے میں یوں دونوں اقوال میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... مزید یہ کہ دارقطنی معتدلیں میں سے ہے لہذا اس کا قول سب سے معتدل تصور ہوگا رہی عبدالحق کی تضعیف تو وہ ان معدلیں کے مقابل قابل قبول نہ ہوگی باوجود اس کے کہ جرح مبہم بھی ہے لہذا کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا سوائے یہ کہ اس کی روایات میں مناکیر ہیں اور ایسے راوی کی ساری روایات ترک نہیں کی جائیں گی بلکہ ضروری ہے کہ اس کی روایات کی تفتیش کی جائے پھر جہاں نکارت پائی جائے اسے ترک کیا جائے ورنہ نہیں۔ اور مناکیر سے یہاں مراد افراد (فرد غریب) بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ بخاری کے تاریخ اوسط میں ”منقول قول لا يتابع عليها“ سے ظاہر ہوتا ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور رہی بات کثرت خطا کی جیسا کہ ابن حبان نے کہا تو اس سے بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ کوئی انسان بمشکل بھول چوک سے محفوظ رہ سکتا ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کی روایت اعلیٰ درجے کی صحیح روایت ہے لیکن بہر حال وہ درمیانہ ٹھیک راوی ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور ابو داؤد نے سنن میں اس کی روایات درج کی ہیں اور ان پر سکوت اختیار کیا ہے اور منذری نے الترغیب والترہیب میں کہا ہے کہ ربیعہ مصر کے تابعین میں سے ہے جس کے بارے میں مقال ہے لیکن وہ اس کی روایت کے حسن ہونے میں مانع نہیں۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ایک ایسی روایت نقل کرنے کے بعد جس کی سند میں ربیعہ ہے کہا کہ ”رجالہ ثقات“ اور اس روایت کو حاکم نے متدرک میں ربیعہ کی سند سے نقل کیا جو کہ اس کے نزدیک صحیح ہے اور ذہبی نے بھی اس کا تعاقب نہیں کیا۔ تلخیص میں بلکہ تصریح کی کہ یہ روایت علی شرط الشيخین ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس روایت کے باقی راویوں کی توثیق تقریب میں موجود ہے اور ابو عبد الرحمن الحسینی اس کا نام عبد اللہ بن یزید المعافری ہے اور سعید وہ ابن ابی ایوب ہے جیسا کہ اس کے طبقہ، شیوخ اور تلامذہ سے ظاہر ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابو داؤد نے اپنی سنن میں اس روایت کو الفضل بن فضالہ عن ربیعہ کی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں ما رایت الجنہ حتیٰ پر اھاجد ابیک“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن اس اعتراض کی کوئی قیمت نہیں چند وجوہ کی بنا پر اول یہ کہ ربیعہ سے ان الفاظ کو سعید بن ابی ایوب نے روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہے احمد، ابن معین، نسائی، ابن سعد، ابن حبان، ساجی، یحییٰ بن کبیر نے اس کی



توثیق کی ہے اور ابن یونس اور ابن وہب نے کہا کان فقہیہا جیسا کہ تہذیب میں ہے اس لیے اس کی طرف سے اضافہ مقبول ہوگا۔

ثانیاً یہ اضافہ الفضل کی روایت کے خلاف نہیں بلکہ دونوں روایات اپنی جگہ مستقل ہیں ثالثاً سعید اس اضافے میں منفرد نہیں بلکہ نافع بن یزید نے ربیعہ سے اس روایت میں سعید کی متابعت کی ہے۔ اور وہ بھی ثقہ ہے۔ احمد بن صالح المصری، ابو حاتم، النسائی، العجلی، ابن حبان اور حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن یونس نے کہا کہ ”کان ثبتا فی الحدیث لا یختلف فیہ“ حدیث میں معتبر ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور صنعانی نے کہا حدثنا ابن ابی مریم حدثنا نافع ابن یزید وکان من خیاراتہ محمد ﷺ جیسا کہ تہذیب میں ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس کی روایت حاکم نے مستدرک میں درج کی ہے کہ اخبرنا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الصفار حدثنا ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل حدثنا سعید بن ابی مریم انبانا نافع بن یزید اخبرنی ربیعہ بن سیف حدثنی ابو عبد الرحمن الحنبلی پھر یہ روایت نقل کی ہے اور ذہبی نے تلخیص میں۔ حاکم کے صحیحین کے استدراک میں اس روایت کے لانے پر کوئی تعاقب نہیں کیا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... حیوۃ بن شریح بن صفوان التیمی نے بھی اس کی متابعت کی ہے جیسا کہ حاکم نے اس جانب اشارہ کیا ہے اور وہ بھی ثقہ ہے تقریب میں ہے ثقہ، مثبت، فقیہ، زاهد الخ، اور تہذیب میں احمد، ابن معین، ابو حاتم، یعقوب بن سفیان، عجل، مسلمہ بن القاسم ابن حبان، ابن سعد اور ان کے علاوہ محدثین سے اس کی توثیق نقل کی ہے اور ذہبی نے تلخیص المستدرک میں کہا ہے کہ وقال حدثنا حیوۃ اخبرنی ربیعہ بن سیف بهذا علی شرطهما“

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... تو یہ متابعت قوت پر مزید قوت دینے والی ہے کیونکہ تینوں راوی حجت ہیں اور رابعاً ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں ”قال لو بلغت معهم الکدی فذكر شدیداً فی ذالک“ فرمایا اگر تم ان کے ساتھ قبرستان تک جاتیں پھر اس بارے میں سخت بات فرمائی ”یہاں پر الفاظ مجمل ہیں اور نسائی کی حدیث اس کی تفسیر ہے اور ایک روایت دوسری کی تفسیر کرتی ہے اور خود حدیث کی تفسیر زیادہ مناسب اور قبولیت کے لائق ہے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... لہذا حدیث جرح قادح سے محفوظ ہے بلکہ حسن اور صالح کی اقسام سے ہے اور

اس بات پر دلیل ہے کہ عبدالمطلب اہل جنت میں سے نہ تھے اور علامہ ابو الحسن السدھی الکبیر نے نسائی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ الفاظ بظاہر اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں کہ ”ما رايت ابدا کما لم یرھا فلاں“ تم کبھی بھی نہ دیکھ پاتیں جیسا کہ فلاں نہ دیکھ پایا اور یہ الفاظ اسی قبیل سے ہیں کہ ”حتى یسلج الجمل فی سم الخیاط“ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... سیوطی نے اس روایت کی بیکارتاویلیس کی ہیں فرماتے ہیں اس روایت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی عورت جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائے تو یہ کوئی ایسا کفر نہیں ہے جو کہ خلود فی النار کا موجب ہو علامہ سندھی نے اس کا جواب دیا ہے کہ یا تو اسے ان کے معاملے میں سختی پر محمول کیا جائے گا یا پھر اس بات پر محمول کیا جائے کہ آپ ﷺ ان کے متعلق اس امر سے باخبر تھے کہ اگر وہ اس نافرمانی کی مرتکب ہوتی ہیں تو یہ نافرمانی ایسی نافرمانی تک پہنچادے گی جو کہ خلود فی النار کا باعث ہوگی۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... پھر زیادہ سے زیادہ اس معاملے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مشکل روایات میں سے ہے کہ جن کا مفہوم واضح نہیں ہے کیونکہ اس طرح کا گناہ خلود فی النار کا موجب نہیں ہے تو پھر اسے کس طرح خلود فی النار سے جوڑا۔ لیکن بھر حال اس سے مشروط بہ کعدم وجود لازم نہیں آتا۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور سیوطی نے یہ بھی کہا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اسے کبار میں سے شمار کیا جائے کہ جس کا مرتکب عذاب کیا جائے گا اور بالاخر جنت میں جائے گا، لیکن یہ بات تو کبار کے متعلق ہوئی اور اہل شرک کے متعلق تو ایسا کچھ نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہا کہ اہل السنہ تاویل کرتے ہیں کہ جو روایات اہل کبار سے متعلق ہیں کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے اس سے مراد یہ ہے کہ ان سابقین کے ساتھ داخل نہ ہوں گے جو کہ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اس کے متعلق گزارش ہے کہ یہ بات مشروط بہ یعنی کبیرہ میں تو مسلم ہے لیکن مشروط بہ یعنی شرک میں یہ تاویل نہیں چل سکتی کیونکہ پچھلی روایت سے ثابت ہو چکا کہ ابو طالب نے کلمہ تو حید سے انکار کیا اور کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہے لہذا اہل شرک کے لیے کوئی بخشش نہیں ہے اور نہ وہ جہنم سے نکلنے والے ہیں۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... اور پھر سیوطی نے کہا کہ حدیث کا یہ معنی ہو سکتا ہے کہ تم جنت کو نہ دیکھ پاتیں یہاں تک کہ وہ وقت آتا جب تمہارے باپ کا دادا سے دیکھے ایسی صورت میں تمہارا دیکھنا سابقین کی روایت سے

متاخر ہو جاتا یہ بات صحت سے کوسوں دور ہے اور آپ ﷺ پر بہتان ہے اور پچھلی نص اس تاویل کو جھٹلا دیتی ہے کیونکہ مشرک کے لیے نجات ہے ہی نہیں۔ پھر اگر یہ بات ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر جنت کے دیکھنے کی نفی ہے داخل ہونے کی نفی نہیں ہے لہذا پھر یہ معنی ہوگا کہ جس طرح اہل جہنم جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر ان کی تمنا کر رہے ہوں گے تو تم بھی تب تک نہ دیکھ پاؤ گی جب تک کہ تمہارے باپ کا دادا اسے نہ دیکھ لے اور یوں تمہارا جنت کو جہنم میں سے دیکھنا اس کے دیکھنے سے متاخر ہوگا اور یوں سیوطی کے سارے بہانے ختم ہو گئے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... حاصل کلام یہ کہ وہ اہل ملت میں سے نہ تھے بلکہ اہل شرک اور کفر میں سے تھے لہذا سیوطی کا یہ قول باطل ہے کہ وہ اہل فترت میں سے تھے سو جب وہ یعنی عبدالمطلب اہل فترت میں سے نہ تھے تو ان کی اولاد کیسے؟ لہذا یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آپ ﷺ کے والدین اہل ایمان میں سے نہ تھے بلکہ ان کی وفات کفر پر ہوئی عقل اور نقل سے یہ ہی بات ثابت ہوتی ہے اور جتنے بھی بہانے تراشے ہیں انتہائی فرسودہ اور بیکار ہیں اور رہا ان دونوں کا زندہ کیا جانا تو وہ ثابت نہیں ہے نہ عقلاً نہ شرعاً صرف دین دشمن لوگوں نے یہ روایات گھڑی ہیں۔ اور مشرکوں کے مددگاروں نے ان کو جمع کیا ہے۔ تاکہ اپنی خواہشات کو تقویت دے سکیں کیونکہ ان روایات کو مشہور جھوٹوں اور ٹھگوں نے بیان کیا ہے جو کہ نہ تو اللہ سے حیا کرتے ہیں نہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں یہ خدا کی کتاب کی تکذیب چاہتے ہیں اور دین اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اور وہ جو کہ اہل رفض ہیں کہ دین اسلام کو جھوڑ چکے اور نافرمان بیکار اور کمینے بن چکے پھر ان روایات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں جو کہ صحیح غلط میں تمیز نہیں کر سکتے اور سونے اور کنکر میں فرق نہیں جانتے۔ باقی جو اس فن کے لیے پیدا کئے گئے ہیں وہ حق کے ساتھ باطل کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اور ہرگز اسے مہلت نہیں دیتے بلکہ لوگوں کے سامنے اسے کھول کر ظاہر کر دیتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کہ یہ میٹھا ننگے میں آسان ہے اور یہ کڑوا اکیلا ہے۔ یہ ہڈی اور ٹھیکری ہے اور یہ ہاتھی دانت ہے۔ راستے پر روشن چراغ رکھ دیتے ہیں تاکہ دور دراز سے آئے والوں پر سیدھا راستہ واضح رہے۔ اللہ ایسے اہل حق کی تعداد زیادہ فرمائے اور عاقبت اچھی کرے۔ (زمین)

اور اسی طرح مختلف نظریات کے حامل لوگوں نے اس موضوع پر جو خامہ فرسائی کی ہے وہ ساری کی ساری باطل بلکہ مولیوں کے کلام سے مشابہ ہے جس کا اول آخر کو جھٹلا رہا ہوتا ہے یہ اس کے خلاف اور وہ اس کے خلاف بلکہ خود لکھ رہا ہوتا ہے۔ اور خود اپنی تحریر سے ہی راضی نہیں ہوتا اور ایسی فضول گوئی سے اسے پر کر دیتا ہے جو واضح بے وقوفی پر دلالت کر رہی ہوتی ہے۔ پھر ان لوگوں کو پاؤ گے کہ تبرا گیا اور بربادیاں لاتے

ہیں کہ جن سے دل سینوں میں کانپ رہے ہوتے ہیں گویا کہ اندھے گھوڑے پر سوار اندھیروں میں ٹامک ٹونیاں مار رہے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک باء الف ہے اور موتی یعنی برابر ہے۔ پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ کی اس کم ہمتی اور بے دلیل سمجھ سے۔

راقم ابو محمد کہتا ہے:..... یہ اختتام ہے ہماری تحریر کا اور امید ہے کہ بات واضح ہو چکی ہے۔  
والحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ  
اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین .



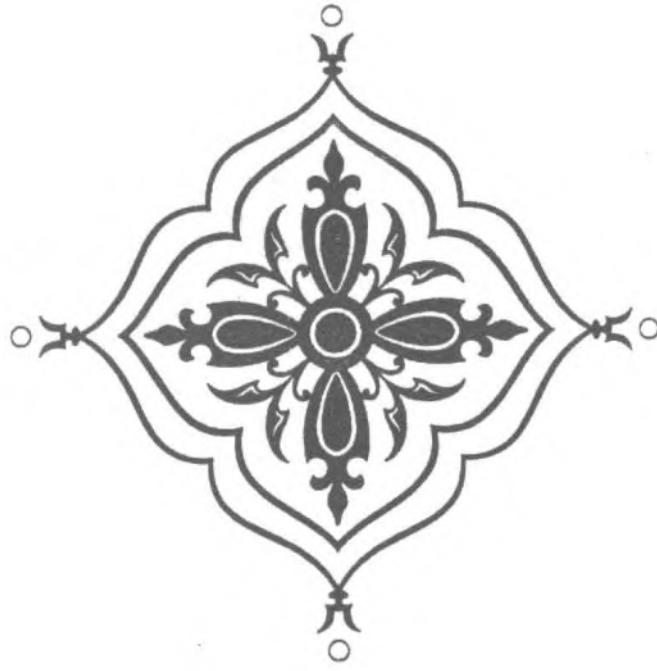


## مولانا الھڈنو جمارانى كى كتاب ٲر تبصره

حنفى عالم دين مولانا الھڈنو جمارانى نے مسئلہ رفع اليدین ٲر ايك رسالہ تحریر كيا جس میں انہوں نے عدم رفع اليدین ٲر چند ثبوت ٲیش ۛے جس كا جواب مولانا اللہ بخش تونیہ صاحب نے اس وقت دیا تھا جس كى تائید میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چند كلمات تحریر فرمائے تھے۔

(الازہرى)





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي حفظ سنن رسولہ بابقاء المحدثين ينفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين وبعدها شوب البدع بهزم المحدثين الذين هم للحق من القالين وللسنن من المعطلين عارضوها مع كونهم الباهلين اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له يحكم بين عباده ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين واشهد ان سيد البرية محمداً عبده ورسوله امام العالمين والعاملين صلى الله عليه وسلم واله وصحبه الكاملين ومن تبعهم بالا حسان من المجتهدين العاقلين لا المقلدين الظانين الغافلين -

اما بعد: اہل بدع (یعنی اہل الراي) کا اہل السنۃ (یعنی اہل حدیث) سے ہمیشہ ٹکراؤ اور مقابلہ رہا ہے۔ مگر بقول پہاڑ سے سر ٹکرانے سے سر پھٹے گا پہاڑ کو کچھ بھی نہیں ہوگا اہل حدیث ہمیشہ فاتز اور غالب رہے ہیں اور اہل باطل خاسر اور خائب۔

صدق اللہ سبحانہ وتعالیٰ:

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے (اور مصیبت کے وقت ان کا دل مضبوط رہتا ہے) اور ظالموں کو (اصل مقصد سے) بھلا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔“

آنکھوں کے سامنے زندہ مثال ہے کہ مولوی اللہ ڈنو جمارانی کا اللہ تعالیٰ نے ایسا سر چکرایا کہ ابتداء میں ”بسم اللہ“ بھی نہ لکھ سکے تو پھر ایسی تحریر میں برکت و فیض بھی ویسا ہی ہوگا ”کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فهو اقطع“۔ ہر کسی اہم کام میں بسم اللہ سے شروعات نہ کی جائے تو وہ نامکمل ہوتا ہے۔

(۲)..... بعض اُس کتب کے نام لیے ہیں جن کی زیارت خواب میں بھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی جس سے

بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تحقیق بھی ویسی ہی کی ہوگی۔ ”ذالك مبلغهم من العلم“

ہم شیخ کی سنتے تھے مر یہ بزرگی

جا کر کے جو دیکھا تو عما کے ہوا بیچ

(۳)..... کہ وہ روایات پیش کی ہیں جو شدید ضعیف ہیں جن کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ مثلاً:  
(۱) مسئلہ اولیٰ (رفع الیدین)..... سید المحدثین طبیب الحدیث فی علمہ جزء رفع الیدین (صفحہ ۱۰) طبع برقی پریس دہلی میں فرماتے ہیں:

”ولم یثبت عند اهل النظر ممن ادركنا من اهل الحجاز واهل العراق منهم عبد الله الزبير وعلی بن عبد الله بن جعفر ویحیٰ بن معین و احمد بن حنبل و اسحاق بن راهویہ هؤلاء اهل العلم من بین اهل زمانہم فلم یثبت عند احد منهم علم فی ترك رفع الیدی عن النبی ﷺ ولا عن احد من اصحاب النبی ﷺ انه لم یرفع یدیه“

(۲) مسئلہ ثانیہ (تراویح) بیس رکعات والی روایت کا ضعف علمائے احناف نے بھی قبول کیا ہے اس کے راوی ابو شیبہ کے لیے محقق امام نووی شرح المہذب میں لکھتے ہیں: ”ضعیف باتفاق المحدثین“  
(۳) مسئلہ ثالثہ (آمین) امام بیہقی (جو محرر صاحب کے ہاں معتمد علیہ ہے) سنن الکبریٰ (صفحہ ج ۲) میں فرماتے ہیں:

”اجمع البخاری وغیرہ من الحفاظ علیٰ ان شعبة اخطأ فی هذا الحدیث فقد روى من اوجه فجهر بها“۔ ثابت ہوا کہ حفاظ الحدیث وائمۃ العلیل سارے اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ علامہ بحر العلوم عبدالحی الحنفی لکھنوی ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں کہ: اما الاسرار بالتامین فلم یرو فیہ الا ما روى الحاكم یعنی (حدیث شعبة المبحوث فیہ) وهو ضعیف جداً۔

(۴) مسئلہ الرابعہ: (تقبیل الابہا مین) اس روایت کو تمام محدثین موضوعات میں ذکر کرتے ہیں مثلاً الفوائد المجموعۃ فی احادیث الموضوعۃ للشوکانی (صفحہ ۳۸) تذکرۃ الموضوعات للفتنی (صفحہ ۳۴)۔ الموضوعات الکبریٰ ملا علی القاری (صفحہ ۶۴)۔ طبع دہلی (المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشہرۃ علیٰ السنۃ الناس) للسخاوی (صفحہ ۱۸۱) وغیر ذلک۔

الغرض محرر کے تمام ادلہ کا بطلان مجمع علیہ۔ مگر ہم انہیں اس معاملہ میں معذور سمجھتے ہیں کیونکہ مذکورہ مسائل میں جب ان کے پاس کوئی صحیح اور ثابت روایت نہیں ہے تو پھر ان کا سہارا لیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ بقول الغریق یتشبث بالحشیش (ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا) جو ملا اسی کو لکھ دیا۔ اپنے علاقہ میں زیلعی اور ابن ہمام کی یاد تازہ کرتا ہوگا۔ اگر کہہ دے کہ کوئی حدیث نہیں ہے تو حقیقت ہی ختم ہو جاتی ہے اس لیے ضعیف



احادیث کو جمع کر کے عوام کا لانعام جو کہ ان کے فرامین کو ”کالوجی من السماء“ سمجھتے ہیں۔ ان کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے ایک سطر تحریر فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوفیوں کے مسائل ایسی ہی روایات سے لیے ہوئے ہیں چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سنن (صفحہ ۲۹۰ ج ۱) طبع دہلی میں امام وکیع بن الجراح سے نقل کرتے ہیں کہ ”لو لا جابر الجعفی لکان اهل الکوفۃ بغير حدیث“ جابر جعفی کے لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ما رايت فمّن لقیّت افضل من عطاء ولا لقیّت فمّن لقیّت اکذب من جابر الجعفی ما اتیتہ، بشی من رایسی الا جاء نی فیہ بحدیث“ عمدۃ القاری صفحہ ۵۰ ج ۲۔ طبع۔ استنبول اور جلال الدین السیوطی تدریب الراوی (صفحہ ۳۳) طبع مصر میں نقل کرتے ہیں کہ قال طاؤس اذا حدثک العراقی ماۃ حدیث فاطرح تسعة وتسعین وقال هشام بن عروة اذا حدثک العراقی بالف حدیث فالق تسع مائة وتسعین وکن من الباقی فی الشک وقال الزهری ان فی حدیث اهل الکوفۃ دغلاً کثیراً جب شروع سے ہی کوفیوں کا یہ حال ہے تو محرر صاحب سے کیا گلہ۔ لیکن ان کی نیت پر اعتراض ہے کہ کیونکہ دانستہ طور پر ضعیف احادیث کا سہارا لے کر خلق خدا کو گمراہ کیا ہے۔ اگر انہیں جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں ہے تو یہ صفت جہالت ہے۔ نہ کہ عالم کی صفت۔ ایسا شخص نہ تحریر لکھنے کا اہل ہے اور نہ ہی علماء کی صف میں کھڑے ہونے کا لائق ہے۔

(۴) چہارم کہ انہوں نے کئی مواقع پر خیانت سے کام لیا ہے۔ الجامع الصغیر للسیوطی (صفحہ ۱۰۲ ج ۲)۔ بحوالہ مسلم عن ابن مسعود و ابن عمرو۔ مسند احمد و ابن ماجہ عن انس۔ حدیث ہے کہ ”لکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامۃ“ الحمد للہ عوام اب بیدار ہو چکی ہے۔ اتنی جلدی دھوکہ میں نہیں آ سکتی بلکہ وہ خود تحقیق کی خواہاں ہے۔ اندھی تقلید کے خول آنکھوں سے اتر چکے ہیں خود تقلید کے پرستار مقابلہ میں کہا کرتے ہیں کہ ہمارے پاس حدیثیں ہیں پھر چاہے حدیثیں ہوں یا نہ ہو۔ اگر حدیثیں ہوں تو ان کی صحت و سقم جاننے کے لیے بھی عوام بیدار ہے اس لیے صرف فقہی روایات پر قناعت کر کے ہم مذہبی سوسائٹی کے اندر نہیں رہ سکتے۔ لہذا عوام کی طرف سے ایسی تحقیق ضرور ہونی چاہیے تاکہ حق اور باطل واضح ہو جائے پھر مولوی صاحب کی ایسی تحریروں سے وہ خود اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کس طرف راست بازی ہے اور کس طرح دروغ گوئی، کس طرف انصاف ہے اور کس طرف دھوکہ۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کئی سمجھدار اور ایماندار غلط عقیدے سے توبہ تائب ہو کر راہ راست پر آ جاتے ہیں۔ کیونکہ تحقیق وہ علمی چیز ہے جو گمراہی کے تاریکی گڑھے میں رہنے نہیں دیتی فصدق من قال ! تعلمنا العلم لغير الله فابی العلم ان یکون الا لله۔

(۵) پنجم: طریقہ استدلال بھی عجیب و غریب ہے۔ چنانچہ مسئلہ اولیٰ میں عنوان قائم کرتے ہیں ”عدم جواز رفع الیدین فی الصلوٰۃ“ اور روایت ”اذناب خیل شمس“ والی لائے ہیں جس سے استدلال لیتے ہوئے اس کے اکابرین بھی ڈرتے تھے سچ ہے کہ ”آخر آمر بود فخر الاولین“ کیا زوائد عیدین اوقوت کے وقت رفع الیدین فی الصلوٰۃ نہیں ہے۔ اس پر ”اسکنوا فی الصلوٰۃ“ کا حکم نہیں لگتا؟ ”تلك اذا قسمة ضیزی“

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا

سرا سر موم ہو یا سنگ ہو جا

اسی طرح بعض احادیث میں افتتاح کے وقت ”رفع الیدین بعد التکبیرۃ الاولیٰ“ بھی آتی ہے جس طرح مسلم شریف کی حدیث جو کہ مالک بن الحویرث کے متعلق ہے کہ ”اذا صلی کبر ، ثم رفع یدیه“ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ رقم - ۸۶۴)۔ پھر اگر کوئی شخص افتتاح کے وقت رفع الیدین سے قبل تکبیر تحریمہ کہے تو وہ نماز کے اندر داخل ہو چکا پھر اس صورت میں بھی رفع الیدین کو محرر صاحب اس کے حکم میں داخل کرے گا؟ محرر صاحب خود کو پتہ نہیں ہے کہ کیا کہے اور کیا لکھے نیز ابن مسعود عمر اور علی رضی اللہ عنہم کی حدیثوں کو اس عنوان کے تحت پیش کرنا بھی عجیب ہے۔ کیا (علی التقدیر) ترک کا ثبوت عدم جواز پر دلالت کرتا ہے؟ کیا ثبوت کی حدیثیں جنہیں خود زبیلی حنفی بھی متواتر مانتے ہیں۔ اسی طرح شیخ سلام اللہ حنفی بھی شرح موطا میں اقرار کرتے ہیں کہ وہ صریح اور نص بھی ہیں اور کسی تاویل کی محتمل بھی نہیں ہیں۔ کیا ان سے جواز بھی ثابت نہیں ہوتا؟ یہ ہے ایسے مفتیوں کا حال سچ کہا ہے صادق المصدق اکرم الاولین والآخرین ، سید ولد آدم امام اعظم ، مرشد ائمہ علیہم السلام نے کہ:

((ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤسا جہالاً فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا - (مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضه ، وظهور الجہل والفن فی

آخر الزمان ، رقم الحدیث ۶۷۹۶)

مسئلہ نمبر دوم:..... میں عنوان قائم کرتے ہیں ”مسئلہ تراویح“ اور بحث کرتے ہیں عدد التراویح سے اور پھر روایت ان الفاظ سے لکھتے ہیں: ”کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة والوتر“ کیا پتہ کہ وہ نماز تراویح تھی یا تہجد کیوں کہ احناف کے نزدیک تراویح اور تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جب تک یقین تعین نہیں تب تک استدلال کس طرح درست ہوگا۔ کیونکہ بر تقدیر تفریق احتمال باقی ہے ”وَإِذَا جَاءَ الْإِحْتِمَالُ بَطَلَ الْأَسْتِدْلَالُ“ نیز بر تقدیر صحة الراویة“ اس روایت میں ”فی غیر

جماعۃ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ (دیکھئے: سنن الکبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۹۶) علمائے احناف تراویح باجماعت پڑھتے ہیں نہ کہ تہجد۔ جس کا مطلب کہ یہ روایت (علی تقدیر التفریق بین الصلا تین) تہجد ہے نہ کہ تراویح۔ (۱) بلکہ اس سے ایک اور اشکال لازم آتا ہے وہ اس طرح کہ جن روایات میں احدی عشرۃ رکعت کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے بارے میں علمائے حنفیہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ تہجد کی نماز ہے۔ اور احناف کے ہاں تہجد کی نماز بیس رکعتیں نہیں ہے۔ اور اصول حنفیہ کے مطابق یہ روایت تراویح پر بھی محمول نہیں ہو سکتی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ کوئی تیسری نماز ہے بلکہ تراویح کا عدد بھی معین نہیں رہا بلکہ خود تراویح کا ثبوت بھی نہ رہا، مفتی صاحب کے استدلال کا نتیجہ۔ ان کنت لاتدری فتلك مصیبة۔ وان کنت تدری فالمصیبة اعظم۔

اور مسئلہ نمبر (۳) کے لیے یہ عنوان قائم کرتا ہے ”مسئلہ آہستہ آمین“ جس کے لیے وہ آیت پیش کرتا ہے جو خود حنفیہ کے ہاں عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیوں کہ وہ بعض دعاؤں کے جہر کے قائل ہیں۔ بلکہ اکثر جہر بالذکر کو افضل قرار دیتے ہیں نیز آیت ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا﴾ (الاسراء: ۱۱۰) سے معارض ہونے کی وجہ سے ”اذا تعارضتا تساقطا“ والا حنفی اصول نافذ نہیں ہوگا؟ کیونکہ بعض سلف اس کا نزول بھی دعا کہتے ہیں: لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی (صفحہ ۱۲۳) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ (یحتمل الجمع بینہما) ای بین قول من قال انها نزلت فی الصلوٰۃ ومن قال انها نزلت فی الدعاء) بانها نزلت فی الدعاء داخل فی الصلوٰۃ نیز یہ حنفیہ لفظ مشترک ہے بمعنی سرّاً، بمعنی تذلاً واستکانہ وخیفۃ۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر (صفحہ ۲۲۱ جلد ۲) اور بموجب اصول حنفیہ مشترک عام استغراقی نہیں ہوتا۔ کما فی التحریر فی اصول الفقہ لابن الہمام (صفحہ ۸۱ طبع مصر) اس لیے انہیں اسرار والی معنی پر محمول کرنے کے لیے دوسری دلیل چاہیے۔ ورنہ یہ دلیل ناقص کہی جائے گی۔ الحاصل دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔ نیز اخفاء الدعاء وہاں پر افضل ہوتی ہے جہاں ریا کاری (دکھلاوا) کا دخل ہوتا ہو اور جہاں یہ کوئی چیز شعار المسلمین کی حیثیت رکھتی ہو وہاں اس کا اظہار اولیٰ ہوتا ہے اور آمین شعار ہے تب ہی تو اس پر یہودی چڑتے تھے۔ جس طرح مجیب صاحب نے حدیث بھی ذکر کی ہے ”السرائح المنیر شرح الجامع الصغیر (صفحہ ۲۳۶ ج ۳) اس حدیث کی شرح میں علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ فیہ کالذی قبلہ یعنی (حدیثاً ذکر قبل ہذا الحدیث) ان التامین من خصائص هذه الامۃ الا ما استثنیٰ“ نیز صلوٰۃ بالجماعۃ خود شعار الاسلام ہے اس لیے قرآۃ کا اظہار شعار سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے احناف جمعہ اور عیدین میں قرأت جہراً پڑھنے کو کہتے ہیں حالانکہ ان کے ہاں دن کی نمازوں میں قرأت سرّاً ہے جہراً نہیں ہے۔ چنانچہ خزانة

الروایات فصل فی قرأت الامام میں ہے کہ ”وجهر فی الجمعة والعیدین لانه اقامها فی المدینة وما كان للكفار بها قوة الا به. پھر جو چیز شعار بنی اس کا اظہار ہی افضل ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر (الجامع لاحکام القرآن) (صفحہ ۱۷۷ ج ۱) میں لکھتے ہیں ”ان اخفاء الدعاء انما كان افضل لما يدخله من الرياء واما يتعلق بصلوة الجماعة فشهودها اشهار شعار ظاهر، واطهار حق یندب العباد الی اظہاره، وقد ندب الامام الی اشهار قراءة الفاتحة المشتملة علی الدعاء والتامین فی آخرها فاذا كان الدعاء مما یسن الجهر فالتامین علی الدعاء تابع له وجار مجراه وهذا بین“ نیز علامہ سیوطی الاکیل فی استنباط التنزیل صفحہ ۱۰۸ طبع مصر۔ میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں ”وعدی ذلک الحنفیہ الی التامین فی الصلوة لانه دعاء“ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ قیاس ہے تنصیح نہیں ہے۔ اور جہر کے متعلق تنصیح موجود ہے۔ جس طرح مجیب صاحب نے روایات نقل بھی کی ہیں اور نص اگرچہ ضعیف ہو تو بھی امام ابوحنیفہ کے ہاں قیاس سے مقدم ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم اعلام الموقعین (صفحہ ۱۷۷ ج ۱) مصر میں لکھتے ہیں ”واصحاب ابی حنیفہ رحمة الله مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفہ ان ضعیف الحدیث عنده اولی من القیاس والرأی وعلی ذلك بمعنی مذہبہ“ نیز علی تقدیر دعا اور امین میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ فکل امین دعاء، کل دعاء لیس بامین“ اٹھلی لابن حزم (صفحہ ۲۶۶ ج ۳) اور امین جہراً وارد ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ حکم اس کو متضمن نہیں۔ اسی طرح مستقل روایت نہیں لائے ہیں بلکہ ایک ٹکڑے کو لائے ہیں جس کو امام ترمذی نے تعلیل کے لیے ذکر کیا ہے کیا اسی کا نام استدلال ہے؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا  
خرد جو چاہے اپنا حسن کر شمار ساز کرے

اسی طرح خفض کے لفظ سے اسرار مراد لینا بھی محرر صاحب کی علمیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس لیے شیخ ابن الہمام حنفی سے بھی یہ روایت فتح القدیر (صفحہ ۲۰۱ ج ۱) میں لکھی گئی ہے کہ ”ولو كان الی فی هذا الوقت بان الروایة الخفض یرد بها عدم القرع العنیف وروایة الجهر بمعنی قولها فی زبر الصوت وذیلہ.“

چوتھے مسئلہ کا عنوان اس طرح رکھتے ہیں۔ ”مسئلہ شہادت کے وقت انگوٹھا چومنا“ اور جو عبارت نقل کی ہے اس میں تقبیل کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اول تا آخر صاحب چشم بار بار پڑھ کہ دیکھیں یہ لفظ انہیں نظر نہیں آئے گا اس لیے خود مولوی اشرف علی تھانوی کی فتویٰ (صفحہ ۸۲ ج ۳) میں مرقوم ہے کہ اذان کے وقت جو انگوٹھے

چومنے کی عادت ہے یہ فی نفسہ آشوب چشم کا عمل تھا لیکن لوگ اس کو ثواب اور تعظیم اسم مبارک نبوی سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس لیے بدعت ہے اور اگر اعتقاد نہ ہو تو دوسرے کو شبہ پڑیگا اس لیے درست نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحاصل کہ ہم مفتی صاحب کہ استدلال کے نمونہ پر انہیں مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ آئندہ ایسی تحریر نویسی کی تکلیف نہ کریں کیونکہ

پائی استدلالیان چوبین بود  
پاء چوبین سخت بے تمکین بود

جب تک آپ تقلیدی دائرہ میں ہو دلائل و استدلال کی طرف متوجہ نہ ہوں کیونکہ آپکو آپکے بڑوں کا یہ سبق ہے کہ ”اما التقليد فمستندہ قول امام لا ظنة ولا ظنة“ مسلم الثبوت صفحہ ۵۔ پہلے تقلید کے بند سے نکلو پھر خود بخود آپ کو پتہ چل جائے گا کہ دلیل کیا ہوتی ہے۔ اس کے صحیح اور ضعیف ہونے کا کیا معیار ہے دعویٰ کے مطابق دلیل کس طرح ہوگا، دلیل کے مدلول پر دلالت کس طرح ہوگی اس طرح اس کے کئی اقسام ہیں اس طرح نہیں کہ بقول شاعر:

آزاد بے خودی کی نشیب و فراز دیکھ کر  
نہ سوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

ششم (۶) محرر صاحب کا انداز بیان اور صورتخطی بھی مولویانہ ہے چنانچہ (مسئلہ) کو مثلہ (بالثاء لکھا ہے۔ اور مثلہ تو عذاب کرنا، کالا منہ کرنا اور ناک وغیرہ کاٹنے کو کہتے ہیں۔ علامہ زنجشیری حنفی کتاب الفائق (صفحہ ۲۳۶ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ: ”يقال مثلت بالرجل امثل له مثلاً ومثلاً اذا سودت وجهه او قطعت انفه وما اشبه ذلك قيل معناه خلقه في الخدود وقيل نطفه وقيل خضابه“ واقعتاً محرر صاحب نے یہ تحریر لکھ کر مذہب کا ناک کاٹ دیا ہے بلکہ اپنے ساتھیوں اور پیروکاروں کا ناک کاٹ دیا ہے۔ سچ ہے کہ ﴿وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرَمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (الحج آیت ۱۸ اپ ۱۷)۔

تصویر کا دوسرا رخ:..... تعجب اس پر ہے کہ محرر صاحب اوپر عنوان رکھتے ہیں ”مثلہ“ اور اس کے تحت جو روایتیں لاتے ہیں ان کو لازماً صحیح سمجھ کر اور آنحضرت ﷺ کی سنت سمجھ کر درج کی ہوگی ورنہ بصورت دیگر اگر ان کو صحیح نہ سمجھتا ہوگا تو ان کو پیش نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ محرر صاحب کی کمال جرات اور جسارت ہے کہ ”(خاك بدھن) فعل نبوی علی صاحبها الوف صلوة و سلام کو مثلہ“ کہہ رہا ہے۔ محرر

صاحب کا تصور نہیں ہے ان کے بڑوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے فعل (اشعار البدن فی الحج) کو مثلہ قرار دیا تھا امام ابن الحزم الاندلسی نے سچ کہا ہے ”بل المثلۃ فعل من بلغ نفسه مبلغ انتقاد فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهذا هو الذی مثل بنفسہ“۔ اٹھلی (صفحہ ۱۲۱ ج ۷)۔ نیز انہوں نے پہلی روایت میں خیل کے بجائے خل بکسر خاء و حذف الیاء لکھا ہے۔ جس کی لغوی معنی ہے ”الصدیق والودود“ کما فی المنجد وغیرہ اس اعتبار سے ”جملہ کا ذناب خل شمس“ کی معنی یہ ہوگی کہ وہ گویا سرکش دوستوں کے دم ہوں۔ اسی طرح ”الا عند الافتتاح کے بجائے الا عن الافتتاح“ لکھا ہے یعنی (آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے افتتاح سے ہی ہاتھ اٹھالیا گویا کہ افتتاح ہی نہیں کیا (جل جلالہ) اور عشرین رکعتہ والوتر کے بجائے عشرین رکعتہ الوتر لکھا ہے۔ جس کا مطلب ہے آپ ﷺ نے وتر کی بیس رکعتیں پڑھیں۔ احناف کا تین میں حصر کرنا تو ختم بلکہ وتر کی طاق رکعتیں بھی گئیں پھر وتر نام پتہ نہیں کیسے پڑا۔ آگے تراویح کے متعلق دوسری روایت میں لکھتے ہیں کہ ”رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط مجمع الزوائد“ معلوم نہیں کہ مجمع الزوائد کو طبرانی پر عطف کر رہے ہیں یا کبیر پر لیکن دونوں غلط ہیں۔ علی الاول مجمع الزوائد مصنف یا مخرج کا نام نہیں ہے۔ علی الثانی یہ طبرانی کی تصنیف نہیں ہے۔ نیز آئین کے مسئلہ میں سلمہ بن کہیل کے بجائے سلمہ بن عقیل لکھا ہے۔ حالانکہ ترمذی شریف میں لفظ کہیل ہے شاید انہوں نے ترمذی شریف کی کتاب دیکھی تک نہیں ہے؛ لیکن اگر دیکھی ہے تو شاید ”خر عیسیٰ وعصی آدم“ کے صحیح کی طرح اجتہاد کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ نیز اسی روایت میں ”ابی العنسیس کے بجائے ابی العنسیس غین المعجمہ بحذف النون“ لکھا ہے۔ اسماء الرجال کے متعلق بھی معرفتہ یہی ہے تقبیل الابھامین کے باب میں لائی ہوئی عبارت میں من العینین کو العننی لکھا ہے جس کی کوئی معنی نہیں بنتی اور من الشھادین کے بجائے من الشھادات لکھا ہے جس میں دو غلطیاں ہیں۔ اولاً کہ ”من“ خود بتا رہا ہے یہ لفظ تشنیہ کا ہے مگر محرر صاحب نے اس کو واحد کر کے لکھا ہے، ثانیاً اگر واحد ہے بھی تو الشھادۃ کے بجائے الشھادات لکھا ہے جو کہ بموجب رسم الخط صحیح نہیں ہے۔ گویا کہ صاحب موصوف گرامر میں بھی بالکل کورے ہیں۔ چنانچہ ابن مسعود کی روایت کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ رواہ مجمع الزوائد والسنن الکبریٰ بیہتی۔ رواہ کا فاعل درست نہیں ہے کیونکہ یہ مصنف نہیں ہیں۔ بلکہ کتاب ہیں اور آخر میں بغیر تعریف اور لام کے بیہتی لکھنے سے ظاہر ہے کہ عربی عجمی دونوں زبانیں ملا لی ہیں۔ اور عدم والی روایت میں لکھتے ہیں ”فی التکبیرۃ الاول“ حالانکہ ابتدائی بچوں کو بھی پتہ ہے صفت کا اپنے موصوف سے تذکیر و تانیث میں موافق ہونا شرط ہے اور حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رواہ السنن الکبریٰ حالانکہ یہ جملہ درست نہیں

ہے السنن الکبریٰ فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ تو کتاب کا نام ہے راوی یا مخرج کا نام نہیں اور پھر حضرت عمرؓ والی روایت میں لکھتے ہیں۔ ”رواہ الطحاوی وکنزل العمال“ وہاں پر کنزل العمال کا طحاوی پر، عطف درست نہیں ہے کیونکہ کنز العمال مخرج نہیں ہے بلکہ کتاب کا نام ہے تراویح کی پہلی روایت کے لیے حوالہ دیتے ہیں کہ رواہ ابن ابی شیبہ و آثار السنن یہاں پر بھی عطف درست نہیں ہے کیوں کہ آثار السنن بھی کتاب ہے۔ آخری مسئلہ کی عبارت میں لکھتے ہیں کہ ”وعند الثانیة منها“ حالانکہ صحیح منہما ہے کیونکہ مرجع تشنیہ ہے۔ اس کو ابتدائی طالب علم بھی سمجھتے ہیں آخر میں عبارت یوں لکھی ہے۔ لقلولہ علیہ السلام علیکم بستتی وسنة الخلفاء الراشدين والموضوعات الکبری ملا علی قاریء الموضوعات کو واو عاطفہ کے ساتھ ذکر کرنا سخت اور فحش غلطی ہے کیونکہ معنی یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت اور موضوعات کبیر کی سنت کو لازم پکڑو۔ اور لفظ ملا علی قاری عربی لفظ کو ہندی کے ساتھ مخلوط کرتا ہے اور آخر میں دستخط بھی اس طرح کرتے ہیں۔ کتبہ الفقیر الھذنہ جمارانی نقشبندیہ غفاریہ عنہ“ جمارانی پر الف لام ہونا چاہیے آگے پتہ نہیں صفت موصوف ہے یا اضافتہ۔ یہ ہے محرر صاحب کی تحریر کا حال جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر یہ شعر جاری ہوتا ہے

گر ہمیں مکتب است ویں ملا  
کار طفلان تمام خواہہ شد

ایسی تحریر جو بے شمار لفظی اور معنوی اغلاط سے بھری ہوئی ہو۔ اس کے لیے کوئی بھی تعرض کرنا ضروری

نہیں تھا جبکہ اس کا جواب لکھا جائے کیونکہ: جواب جاہلاں باشد خموشی

مگر کیا کریں پہلے محققین کی کثرت تھی عوام ان کی طرف رجوع کرتی تھی صحیح اور غلط کا پتہ لگا دیتے تھے، مگر اس وقت بموجب اس آیت ﴿فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ﴾ (الشعراء: ۹۴) اساتذہ اور ان کے شاگرد سب کی آنکھوں پر تقلید کے پردے چڑھے ہوئے ہیں اور عوام کے لیے وہ مولوی فارحج الی الاصل ہیں جن کو صحیح طرح عربی بھی لکھنا نہیں آتی۔ ایسے وقت میں عوام الناس کو بیدار کرنا اور ان دھوکے باز مولویوں سے آگاہ کرنا بھی لازمی ہے تاکہ ان کے کھودے ہوئے گڑھے میں گرنے سے بچ جائیں:

اگر پنم کہ نابینا وچاہ است  
وگر خاموش بہ نیشینم گناہ است

اللہ تعالیٰ ہمارے مدرسے کے مدرس جناب فاضل محترم مولوی ابوالمجود اللہ بخش پر رحم کرے جنہوں نے ان کے جواب کے لیے قلم کو حرکت دی اور جو ان پر حق تھا اس کو ادا کر دیا، مجیب صاحب کی جوابی تحریر دو

قسموں میں تقسیم ہے۔ نمبر ایک الزامی جواب جو بقانون مناظرہ ایسے مقدمات مسلمات سے مرکب ہے جن کے الزام سے جمارانی صاحب تو کیا انکے بڑے بھی جان نہیں چھڑا سکے۔ اکثر جواب حنفی مذہب کے عالموں کی کتابوں سے دیئے گئے ہیں تاکہ محرر صاحب کا اپنے ہی ہتھیاروں سے خاتمہ ہو جائے۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ دوسرے نمبر پر تحقیقی جوابات ہیں جن میں مجیب صاحب نے قواعد و ضوابط، محدثین فن اسماء الرجال کے مطابق جوابات دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ محرر صاحب کی تمام روایات یا تو موضوع یا سخت ضعیف ہیں۔ اور ان میں دلالت المطلوب بھی نہیں ہے بلکہ صحیح نقص وارد کر کے ظاہر کیا ہے کہ محرر صاحب اور ان کے ہم مشرب ان پیش کردہ روایات پر پوری طرح عامل نہیں ہیں۔ گویا کہ ان روایات کو دلیل بنانے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے نہ کہ ان کو پیش کرنے کے وہ اہل ہیں۔ بلکہ اس کے مقابلہ میں صحیح اور صریح احادیث شریف کو نقل کر کے ہر کسی و ناکس کو مطلع کیا ہے کہ محرر صاحب و من نحوہ ایک طرف ضعیف اور نا ثابت روایات پر یقین رکھتے ہیں تو دوسری طرف صحیح اور ثابت شدہ احادیث کے خلاف عمل پیرا ہیں۔ گویا کہ ان کے مذہب اور عقیدے کی بنیاد حقانیت پر نہیں بلکہ تعصب اور عناد پر مبنی ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ مثلاً مسئلہ (۱) میں مجیب صاحب نے ثابت کیا ہے کہ ثابت شدہ نبوی عمل رفع الیدین کرنا ہے نہ کہ ترک رفع الیدین۔ اور جابر بن سمرہ والی روایت کے لیے تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ سلام کے بارے میں ہے نہ کہ رفع الیدین کے لیے کیوں کہ محقق حنفیوں نے کبھی بھی اس روایت سے دلیل لینے کی جرات نہیں کی ہے۔ بلکہ یہ ہمت بعد والوں کی ہے کہ علم کی حدود سے بھی پار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ان حضرات کی خلفائے الراشدین کی طرف عدم رفع کی سنت کو غلط اور بے بنیاد ثابت کرتے ہوئے ان سے رفع الیدین کرنے کو ثابت کیا ہے۔ بلکہ امام بخاری نے جزء القراءة میں ثابت کیا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفع الیدین کرتے تھے۔ ایسی روایات وائل بن حجر اور حمید بن ہلال اور تابعین سے نقل کی ہیں جو مجیب صاحب کی تحریر کی بڑی تصدیق کرتی ہیں۔ خود ابن مسعود سے رفع الیدین کے بارے میں ابو داؤد وغیرہ میں روایت موجود ہے۔ اور حافظ ابن الملقن البدر المنیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (قلمی) میں بحوالہ الخلفیات للبیہقی میں لکھتے ہیں کہ ”قد روی حدیثاً مسلسلاً عن علقمة عن عبد اللہ عن النبی ﷺ ذکر فیہ الرفع عند الركوع والرفع منه“ اس روایت نے ان تمام روایات پر پانی پھیر دیا جو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی طرف عدم الرفع کے متعلق منسوب کی جاتی ہیں جو کہ بموجب اصول حنفیہ منسوخ کہی جائیں گی۔ کیونکہ راوی کا عمل اس کے مروی کے خلاف ہے یہی اصول نور الانوار وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ مجیب صاحب نے کتنی ہی دوسری احادیث کو اثبات الرفع کے متعلق جمع کیا ہے جن کے متعلق حافظ ابو الفضل العراقی تقریب الاسانید و ترتیب المسانید (صفحہ ۲۵۴ ج ۲) مع الشرح میں لکھتے ہیں: ”واعلم



انہ قدروی الرفع من حدیث خمسين من الصحابة منهم العشرة “ اور ہمیں بھی بحمد اللہ تعالیٰ پچیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ملی ہیں ہم نے اپنی بعض تصانیف بالخصوص فتویٰ جات میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات کی تحقیق وغیرہ لکھی ہے: فمن شاء فليراجع اليها نیز علامہ محمد عابد السندي المواهب اللطيفة شرح مسند ابی حنیفہ میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت کے بارے میں بھی بتاتے ہیں۔ اس طرح ان کی تعداد بڑھ کر ۲۶ بن جاتی ہے۔ مجیب صاحب خلفاء ثلاثہ سے روایات لائے ہیں اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی رفع الیدین کے متعلق روایت آتی ہے رواہ الامام ابن حزم فی المحلی صفحہ ۹۵ ج ۳۔ اسی طرح نبی کریم۔

تیسرے مسئلہ میں مجیب صاحب نے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت (شعبہ والی) ضعیف اور خطا ہے۔ صحیح روایت سفیان کی جہر اور مد والی ہے۔ قرآنی دلیل کے متعلق مجیب صاحب نے ثابت کیا کہ اول تو صغریٰ ہی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ امین بالا صالۃ دعا نہیں ہے بلکہ دعا کے تابع ہے۔ فحکم التابع حکم المتبوع نیز کبریٰ بھی غلط ہے کیونکہ جہراً کتنی ہی دعائیں مانگی جاتی ہیں حتیٰ کہ خود اهدنا الصراط المستقیم بھی دعا ہے۔ نیز احناف کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ تضرع مع الخیفۃ فی معنی الظہور ہے۔ اس لیے محرر صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا یعنی امین بالسر پر استدلال کرنا غلط ہے جس کی مزید تحقیق ہم اوپر کر چکے ہیں۔ وائل کی روایت شعبہ اور سفیان کے بیچ مختلف ہے اور مجیب صاحب نے ثابت کیا ہے سفیان کی روایت راجح ہے۔ اس لیے کہ شعبہ سے دو قسم کی روایات آئی ہیں (جہر اور نخص) تو پھر راجح روایت ہوگی جس کی تائید دوسرے قرآن کریں۔ اس لیے یہاں جہراً والی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اول تو سفیان اکیلا نہیں ہے۔ اس کے لیے مجیب صاحب نے تین دوسری روایات کی متابعت نقل کی ہے۔ حالانکہ اکیلا سفیان اختلاف کے وقت شعبہ پر مقدم ہے۔ جس طرح مجیب صاحب نے ثابت کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب (صفحہ ۱۱۵ ج ۴) میں ائمہ حدیث یحییٰ بن سعید القطان، ابو داؤد، ابو زرعة، ابو حاتم ابن معین وغیرہم سے تصریح نقل کی ہے کہ سفیان شعبہ سے مقدم ہے۔ ثانیاً وائل کی دوسرے طرف سے مجیب صاحب نے روایات نقل کی ہیں جن میں جہر ہے۔ ثالثاً وائل کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی جہر کے متعلق حدیثیں ہیں ان میں سے مجیب صاحب نے سیدنا علی، ابو ہریرہ، ابن عباس، بلال ام الحصین رضی اللہ عنہم کی روایات نقل کی ہیں ان کے علاوہ دوسری روایات ہم نے ”کتاب الاربعین فی اثبات الجہر بامین“ میں ذکر کی ہیں۔ فمن شاء فليراجعہ اس کے بعد مجیب صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خفض والی روایت میں محرر صاحب کے لیے دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ بھی جہر والی روایت کے موافق ہے۔ جس کے لیے لغت خواہ شرعاً شواہد کے ساتھ تحقیق کی ہے بالفرض اگر سفیان کی روایت کو ترجیح حاصل نہیں

ہے اور دونوں درجے مساوی ہیں (وان لم یکن كذلك) اور تطبیق بھی ممکن نہیں ہے تو پھر روایت مضطرب رہے گی اور اصولاً یہ اضطراب قادح رہے گا اور غلیۃ مافیہ کہ وائل کی یہ روایت ساقط رہے گی جس کی وجہ سے محرر صاحب کے ہاتھ اور جیب خالی ہو جائیں گے باقی مجیب صاحب کا پلڑا ابھی بھی بھاری رہے گا۔ کیونکہ انہوں نے وائل کی دو اور روایات پیش کی ہیں اس کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات ذکر کی ہیں۔ الحاصل جہر کا ثبوت مکمل اور مدلل ہے۔ اور امین بالسر کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے نیز مجیب صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار بھی ذکر کئے ہیں خصوصاً دو صحابہ کا اثر جس کو ان سے امین بیت اللہ شریف میں اپنے دونوں کانوں سے سننے والا امام ابو حنیفہ کا استاد عطاء بن ابی رباح ہے جن کے متعلق امام موصوف فرماتے ہیں کہ ان سے برتر میں نے کوئی نہیں دیکھا کما مر۔ اور احناف اپنے مذہب کی سند بھی ان کے واسطے سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ طحاوی شرح الدر المختار صفحہ ۷۱۔ میں لکھتے ہیں کہ ”و ذکر الشعرانی فی المیزان الکبریٰ سند الائمة الاربعة و قدم الامام فقال الامام ابو حنیفہ عن عطاء عن ابن عباس عن النبی ﷺ عن جبریل عن اللہ عزوجل“ معلوم ہوا کہ امام صاحب کا صحیح مذہب امین بالجہر ہے نہ کہ وہ جو فقہی کتابوں میں مذکور ہے کیونکہ:

شیر نیتاں دیگر است و شیر قالیں دگر

آخر میں مجیب صاحب۔ مولوی عبدالحی صاحب سے نقل کیا ہے کہ کئی سال تک میں نے بڑی جستجو کی لیکن امین بالسر کا ثبوت نہیں ملا۔ اور مولوی عبدالحی صاحب التعلیق المجد میں طرفین کے دلائل نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ ”والانصاف ان الجہر قوی من حیث الدلیل“ نیز ابن ہمام اور بحر العلوم کا قول اوپر گذر چکا۔ نیز سید عبدالقادر جیلانیؒ بھی غنیۃ الطالبین ج ۱۔ میں جہر کا حکم دیتے ہیں۔ نیز مجیب صاحب نے ایک روایت لکھی ہے جس میں امین بالجہر پر چڑنے والے اور حسد کرنے والوں کو ”یہود ہذہ الامۃ“ کہا گیا ہے جس کی تائید میں مجیب صاحب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ واقعی اس وقت یہودی اس پر چڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے اور یہود کی خصلتوں سے امن میں رکھے۔ (امین)

چوتھے مسئلہ میں مجیب صاحب نے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت بالکل جھوٹی اور غیر صحیح ہے۔ جس کا اعتراف خود حنفی حضرات بھی کرتے ہیں جس طرح ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں خود ملا علی قاری جن کی عبارت پر محرر صاحب نے بھروسہ کیا تھا۔ اس سے ہی مجیب صاحب نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ہم نے سوچا تھا کریں گے وقت حاکم سے فریاد

مگر وہ بھی کم بخت تیرا چاہنے والا نکلا

نیز مجیب صاحب نے یہ فقہی اصول نقل کیا ہے کہ اگر حکم سنت اور بدعت میں تردد ہو تو اس وقت اس کا ترک راجح ہے کیونکہ سنت پر عمل کرنے سے بدعت کا ترک اولیٰ ہے اور یہی مقتضی حدیث ہے ”دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک“ ترمذی۔ اور حدیث ((المؤمنون و قافون عند الشبهات .)) (بخاری) سے مجیب صاحب نے محرر صاحب کو یہ الزم دیا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی جس کو آپ کے حنفی اپنارتبہ بڑھانے کی خاطر حنفی شمار کرتے ہیں۔ خود مولوی ادیس کا ندھلوی رسالۃ التقلید والا جتھاد (صفحہ ۶) پر ان کو حنفی لکھا ہے اس قول کے مطابق جن کتابوں سے تم نے یہ روایت لکھی ہے وہ کتاب حجۃ ودلیل لینے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ ایسا الزام ہے کہ یا تو محرر صاحب اور اس کے حواری اس روایت کا ذکر چھوڑ دینگے اور اس بدعت سیدہ سے تو بہ تائب ہو کر آئندہ شاہ صاحب کو حنفی کہنے سے تو بہ کریں گے:

من نگویم کہ ایس مکن آن کن  
مصلحتہ بین وکار آسان کن

اخیر میں مجیب صاحب نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے چند ایسے مسئلے نقل کئے ہیں جن میں احناف اس کے برخلاف ہیں یہ تو انکی پرانی عادت ہے کہ جہاں پر بھی صحابہ کا اثر ان کے مذہب کے مطابق ہوگا اگرچہ سند صحیح نہ ہو آنکھیں بند کر کے اس سے چمٹ جائیں گے اور کہیں گے کہ ”بایہم اقتدیتم اھدیتم ، سنۃ خلفاء الراشدین .“ اور جو کوئی اعتراض کرے گا اگرچہ مرفوع حدیث پیش کرے یا اس اثر پر جرح شدید ثابت کرے تو بھی اس کے خلاف تحریک چلائیں گے کہ یہ لامذہب ہے صحابہ کا بے ادب ہے، منکر ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب صحابہ کے بیشتر آثار ان کے مذہب کے خلاف ہونگے اور مرفوع حدیثوں سے مؤید بھی ہوں تو ان کو نہیں مانیں گے اس میں نہ وہ بے ادب ہوتے ہیں اور نہ ہی صحابہ کے منکر بلکہ ان کو غیر فقیہ قرار دیں، غیر عدول کہیں ان پر باغی ہونے کا فتوہ جاری کریں تب بھی وہ بے ادب نہیں ہیں۔

ہم آہ بھی کریں تو ہو جائیں بدنام  
وہ قتل بھی کر دیں تو کوئی چرچا نہیں ہوتا

محرر صاحب نے جن سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کئے ہیں مثلاً ابو بکر، عمر، علی، ابن مسعود، جابر بن سمرہ، ابن عباس، وائل بن حجر رضی اللہ عنہم جن کے کئی مسائل میں وہ خلاف ہیں لیکن اس کی ان کو کوئی پرواہ نہیں ایسی مثالیں دیکھنی ہوں تو امام ابن حزم کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام اور حافظ ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین کا مطالعہ کیا جائے کہ کس قدر ان لوگوں نے صحابہ کرام سے مخالفت کی ہے۔

الغرض ہم مجیب صاحب کے جواب کو باصواب کہتے ہوئے اس کی پر زور تائید کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے علمی اسلحے کے ساتھ باطل کا مقابلہ کر کے اس کو پاش پاش کیا ہے اور عوام الناس کو حق معلوم کرنے کا موقع

فراہم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کی محنت کو مقبول و منظور فرمائے اور ان کی تحریر کو عوام کے لیے قابل ہدایت و رہنمائی بنائے۔

صدق سبحانہ و تعالیٰ قال:

﴿فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَفِرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبْهُدِيهِمْ اقْتَدِهْ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝﴾ (الانعام: ۸۹ تا ۹۰)

والصلوة والسلام علی سید المرسلین والحمد لله رب العالمین



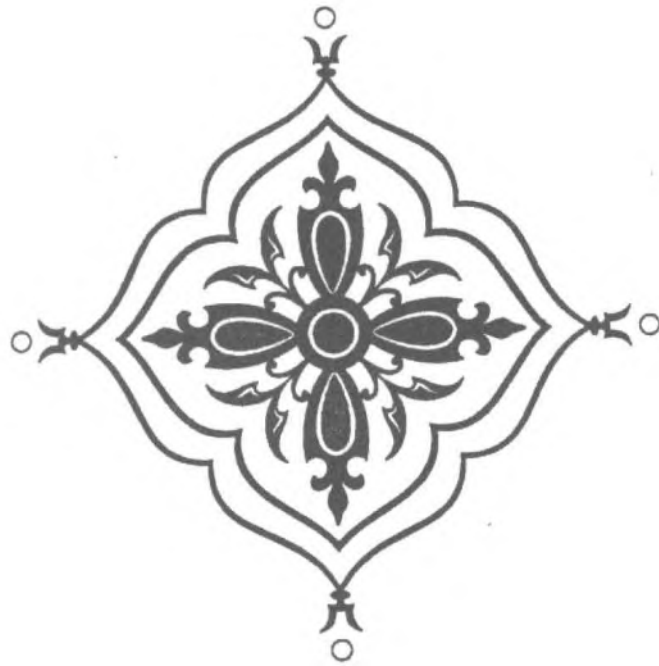


## نبی کریم ﷺ کا طریقہ حج

حج اسلام کے اہم ترین بنیادی عبادتوں اور شعائر میں سے ہے جس میں انسان کا وقت مال سب صرف ہوتا ہے اور اس عبادت کے حصول میں انسان کو سفری صعوبتوں اور تعب و مشقت کو برداشت کرنا پڑتا ہے لہذا اس کی ادائیگی کے وقت سنت رسول ﷺ کو ضرور مد نظر رکھنا چاہیے تاکہ اس کا وقت اور مال تعب و مشقت ضائع نہ ہو جائے۔ اسی لیے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کا مکمل طریقہ حج احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا اور شاہ صاحب کا منہج اتنا سہل ہے کہ ہر قاری آرام سے حج کے تمام ارکان کو سمجھ سکتا ہے، یہ کتاب سندھی زبان میں تھی جس کو جامعہ کے استاد مولانا منیر احمد جوینیجو صاحب نے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔

(الازہری)





الحمد لله وسلام على عباده الله الذين اصطفى .

اما بعد: اسلام میں حج ایک اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے فطرتاً مسلمان کے دل میں اس کی ادائیگی کی تڑپ رہتی ہے باوجود اس کے کہ کتنی ہی تکالیف کو جھیلنے اور کافی پیسہ خرچ کرنے کے بعد بھی لوگ وہاں پہنچتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ کتنے ہی لوگ ہیں جو حج کے احکامات سے بالکل بے خبر ہیں جس کا اولین سبب جہالت ہے اور دوم سبب فرقہ بندی ہے ان اسباب کی وجہ سے ہر آدمی نے اپنے مذہب کا خیال رکھا اور مسنون طریقہ کو کھودیا اسی ضرورت کے تحت اس رسالہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کا تفصیلی قصہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مسلمان فریضہ حج کو مسنون طریقہ سے ادا کر سکیں اس واقعہ کا ذکر ان کتابوں سے لیا گیا ہے:

- ۱: کتاب الثقات للامام ابن حبان البستی .
- ۲: حجة الوداع للامام ابن حزم الاندلسی .
- ۳: حجة المصطفى للامام محب الدين الطبري .
- ۴: زاد المعاد من هدى خير العباد للحافظ ابن القيم .
- ۵: مرأه الحرمین للشيخ اللواء ابراهيم رفعت پاشا، اس کے علاوہ صحاح ستہ اور دوسری تفاسیر، حدیث، شروحات، سیرت، تاریخ اور لغت کے کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

والمسئول من الله التمام وحسن الختام

المؤلف

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی



## حجۃ الوداع کا قصہ

### حج کب فرض ہوا؟

بندہ ضعیف عاجز نحیف، ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی محمدی غفر اللہ لہ ولوالد یہ کہتا ہے کہ حج کی فرضیت نویں یا دسویں ہجری سال میں نازل ہوئی پھر حضور ﷺ جلد ہی فریضہ حج ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

### نبی کریم ﷺ نے کتنے حج کیے؟

علماء اور مورخین کا اتفاق ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے قبل از ہجرت اختلاف ہے ترمذی میں جابرؓ کی ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تین حج کیے تھے دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد مگر بقول امام ترمذی اس روایت کو سفیان ثوری سے بیان کرنے والا اکیلا راوی ہے۔<sup>①</sup> امام بخاری سے منقول ہے کہ انہوں نے روایت کو نہیں پہچانا<sup>②</sup> بلکہ انہوں نے کہا کہ محفوظ نہیں ہے اور صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ہی حج کیا تھا۔<sup>③</sup> باقی عمرے چار کیے تھے جس طرح بخاری وغیرہ کی احادیث میں مذکور ہے۔ حجۃ الوداع سے ایک سال قبل ان کے حکم پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کروایا اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی بھی مشرک نہ حج پر آئے اور نہ ہی ننگا (برہنہ) طواف کرے<sup>④</sup> (بخاری مسلم)۔ جب آپ ﷺ نے حج پر نکلنے کا ارادہ کیا تو کتنے ہی لوگ تیار ہو گئے۔ مدینہ اور اس کے قرب و جوار سے اور مختلف جگہوں سے لوگ ساتھ ملتے رہے یہاں تک کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف جہاں تک نظر پہنچتی تھی لوگوں کا جم غفیر نظر آتا تھا۔ صرف اس لیے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ان کے موافق حج کے احکامات ادا کریں اور ان لوگوں کی تعداد خالق اکبر کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے حج کو فی سبیل اللہ قرار دیا اور بعض ایسے لوگ بھی تھے جو سواری نہ ہونے اور دوسری بیماریوں کی وجہ سے رک گئے اور ام معقل رضی اللہ عنہا بھی سواری

① یہ زید ابن الجہاب ہیں اور تقریب میں ہے کہ یخطی فی حدیث الثوری یعنی امام ثوری کی روایات میں غلطیاں کرتا تھا۔

② یہ خاص اصطلاح اور ائمہ حدیث کا فیصلہ ہے کہ جس روایت کو امام بخاری نہ پہچانے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔

③ جس طرح ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث موجود ہے۔

④ مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے برہنہ ہو کر طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھے ”الیوم یبدو بعضہ

او کلمة، وما بدامنه فلا احله“ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَبْسُؤُا ذَمًّا خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱)



نہ ہونے کی وجہ سے رک گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو ابھی نہ پہنچ سکا وہ رمضان میں عمرہ کرے کیونکہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے آخری عشرہ میں عمرہ پر آئے سبحان اللہ! کیا عجیب منظر تھا آپ ﷺ نے عورتوں کو اکیلے سفر کرنے سے منع کیا ہے ایک عورت حج پر روانہ ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے خاوند کو فرمایا کہ جا کر اس کو ملے۔ حالانکہ اس کا نام مجاہدوں کی لسٹ میں تھا۔ نیز عورتوں کے حج کو ان کے لیے جہاد قرار دیا ہے۔ (بخاری، مسلم)

**آپ کا سفر حج:**

اور جب آپ ﷺ مدینہ سے نکلے تو ذوالقعدہ کے دن باقی تھے۔ مدینہ طیبہ سے ظہر کی چار رکعتیں فرض نماز پڑھ ① کر منبر پر چڑھے اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے احرام کے واجبات اور سنتوں سے آگاہ کیا۔ اور وہ دن بقول امام ابن حزم کے جمعرات کا دن تھا۔ اور بقول حافظ ابن حجرؒ کے ہفتہ کا دن تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے دلائل ذکر کیے ہیں۔ ② بعد از خطبہ بالوں میں تیل اور کنگی وغیرہ کی اور کپڑے تبدیل کیے اور ظہر اور عصر کے درمیان روانہ ہوئے ذوالحلیفہ ③ پر پڑا وڈالا۔ وہاں پر عصر نماز قصر کر کے پڑھی (مسافر ہونے کے ناطے قصر نماز ادا کی) امام بخاری تاریخ (کبیر ص ۷۲۰ ج ۲ طبع بیروت) میں ابن السمط سے روایت کرتے ہیں کہ ”انہ خرج مع عمر الی ذی الحلیفہ فصلی رکعتین فسئلته ، فقال اصنع کما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصنع“ یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذوالحلیفہ کی طرف گئے وہاں پر انہوں نے عصر نماز دو رکعتیں پڑھیں، پوچھنے پر بتایا کہ جس طرح نبی ﷺ کو کرتے دیکھا اس طرح کر رہا ہوں۔ روایت سے ظاہر ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ صرف ذوالحلیفہ تک گئے تھے) آپ نے دو دو رکعتیں کر کے نماز پڑھی رات وہیں ٹھہرے اور اپنے ساتھ قربانی کی اونٹنی لی اور اپنے ہاتھوں سے اس کے اشعار باندھے۔ اس کے متعلق کتنی ہی حدیثیں ہیں بخاری شریف میں مسور بن مخرمہ، مروان اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں ہیں کہ اس اونٹنی کی گردن میں دونوں پاؤں کی جوتیاں اس دھاگے کے ساتھ باندھی جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنایا تھا ④ نیز آپ بکری ہدیہ کے لیے بھیجتے تھے اس کو بھی باندھتے تھے جس کو تقلید کہا جاتا ہے (بخاری و مسلم) وہاں پر آپ ﷺ نے باقی چار نمازیں بھی ادا کی (مغرب، عشاء، فجر اور ظہر) یعنی

① اس سے ارادہ کے مطابق سفر میں قصر کا مسئلہ رد ہوا۔

② امام ابن حزم کے دلائل وزنی معلوم ہوتے ہیں نیز آپ ﷺ کو جمعرات کے دن سفر پر نکلنا پسند تھا جس طرح آخر میں آئے گا۔

③ یہ جگہ مدینہ سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر پر ہے وہاں پر مسجد شجرہ اور ایک کنواں ہے جس کو جاہل لوگ بڑی علی (علیؑ کا کنواں) کہتے ہیں ان کا گمان ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں پر جنوں کے ساتھ لڑائی لڑی تھی مگر یہ جھوٹ ہے (رسائل ابن تیمیہ)

④ حدیث میں لفظ عھن آیا ہے (بخاری) جس سے بعض نے اون مراد لی ہے اور بعض نے رگین اون اور بعض نے سرخ رنگ اون مراد لی ہے۔

پوری پانچ نمازیں وہاں پر ادا کیں ایک ہی غسل میں تمام بیویوں کے پاس گئے اور احرام کے لیے الگ غسل کیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذریعہ ❶ کی خوشبو لگائی جسم مبارک اور کپڑوں کو بھی مشک لگائی جس کی چمک سر اور داڑھی کے بالوں میں عیاں تھی جس کو صاف نہیں کر رہے تھے۔ ❷ پھر احرام کا لباس پہنا سر میں غسل (ایک درخت یا شہد) میں سے کچھ لگایا تاکہ بال الگ الگ نہ ہوں حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فتح الباری کے اندر دوسری بات کو ترجیح دیتے ہیں اور احرام والے کے لیے آپ ﷺ نے شلوار و قمیض، سلے ہوئے کپڑے اور ایسے جوتے جن سے پورا پاؤں چھپ جائے اس سے منع فرمایا ہے۔ جس کے پاس تہبند نہ ہو اس کو شلوار کی اجازت دی ہے اور جس کو چپل جیسی جوتی نہ ملے اس کو بوٹ یا موزے کی اجازت دی ہے لیکن حکم دیا ہے کہ ٹخنوں سے نیچے اس کو کاٹ دیا جائے۔ عورتوں کو نقاب، دستانوں اور زعفران اور ورس سے منع فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین وغیرہ)

### حاجی احرام کہاں سے باندھے؟

آپ کے فرمان کے مطابق احرام کے میقات اور حدود اس طرح ہیں، مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لیے جحہ، نجد والوں کے لیے قرن منازل، عراق والوں کے لیے ذات عرق اور یمن والوں کے لیے یلملم اور فرمایا جو وہاں سے گذریں ان کا بھی یہی میقات ہے۔ باقی لوگ اپنے اپنے گھروں سے احرام باندھیں حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے۔ (بخاری، مسلم) نیز فرمایا کہ بیت المقدس سے حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والے کے اگلے پچھلے گناہ معاف کیے جائیں گے اور اس کے لیے بہشت واجب کی جائے گی۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

### تلبیہ کی ابتداء کہاں سے؟

سلسلہ..... آپ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھ کر وہیں جائے نماز پر بلند آواز سے حج و عمرہ کا تلبیہ پڑھا۔ اس کے علاوہ احرام کے لیے نفل نماز پڑھنا آپ سے منقول نہیں ہے جس طرح ابن القیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مگر صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۲۸۱۴) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَرْكَعُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ

قَائِمَةً مِنْهُ عِنْدَ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ أَهَلَ بِهُوَ لَاءِ الْكَلِمَاتِ .)) (الحدیث)

یعنی آپ ﷺ نے مسجد ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں ادا کیں پھر جب اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی تو تلبیہ

❶ مختلف خوشبو کو ملا کر بنائی ہوئی خوشبو کی ایک قسم ہے۔

❷ معلوم ہوا کہ احرام کے بعد خوشبو نہیں لگائی جائے باقی اگر پہلے کی لگائی ہوئی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

شروع کر دیا۔ اس کے ہم معنی بخاری شریف (صفحہ ۲۱۰ ج ۱) میں حدیث ہے۔ ① اور اس وقت آپ نے اشراط کی اجازت دی ہے۔ یعنی یوں کہے ”اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ مَحَلِّيْ مِنْ اَلْاَرْضِ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ“ (ترمذی) اے اللہ! (شرط رکھتا ہوں کہ) جس زمین پر تو نے مجھے روکا وہ میرے احرام کھولنے کی جگہ ہے، پھر کسی سبب مثلاً بیماری، دشمن کے خوف یا ظالم بادشاہ کے سبب راستہ میں روکا جائے یہاں تک کہ حج فوت ہو گیا تو وہ حلال ہو سکتا ہے۔

احرام کی اقسام اور نبی کریم ﷺ کا احرام اور تلبیہ کے الفاظ:

احرام کی تین قسمیں: تمتع، قرآن اور افراد۔ صحیح بات یہ ہے آپ ﷺ نے قرآن کا احرام باندھا (حج بمع عمرہ) اور فرمایا: ”اَللّٰهُمَّ حَجَّةً وَعُمْرَةً“ اے اللہ حج اور عمرہ کے لیے احرام باندھتا ہوں۔ اور تلبیہ کے الفاظ مبارک یہ ہیں:

((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ . )) (بخاری ، مسلم)

”اے اللہ (میں) حاضر ہوا ہوں تیرے پاس ، حاضر ہوا ہوں تیرا کوئی شریک نہیں ہے میں تیرے پاس حاضر ہوا ہوں تمام تعریفیں تیرے لیے نعمتیں اور بادشاہی تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔“

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرِ فِيْ يَدَيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ . ))

”اے اللہ میں حاضر ہوا ہوں تیرے پاس! حاضر ہوا ہوں اور تیرے پاس نیک بخشتی کا طالب ہوں۔ کل خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ حاضر ہوا ہوں تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور عمل کرتے ہوئے۔“

آپ ﷺ یہ الفاظ بلند آواز سے کہتے رہے یہاں تک کہ اونٹنی پر سوار ہونے تک کہتے رہے جب آپ بیداء ② پر چڑھے تب بھی کہتے رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنا تو ان کو بھی خدا کے حکم سے

① محبت الدین طبری القرئی لقاصد ام القرئی صفحہ ۱۶۹ ج ۱۔ میں اس حدیث اور ایسی دوسری احادیث سے استدلال کرتے ہیں کہ احرام کی دو رکعتیں نفل پڑھنی چاہئیں اور اس کی تائید میں ایک روایت مجمع الزوائد صفحہ ۲۳۶ ج ۳۔ میں بحوالہ اوسط طبرانی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے مگر یہ ضعیف ہے۔

② یہ ایک میدان کا نام ہے۔

امر فرمایا ① کہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں۔ آپ چلتے چلتے حج و عمرہ کا نام بھی لیتے رہے۔ کبھی کبھی صرف حج یا صرف عمرہ ② کا نام لیتے رہے اس لیے جس نے جیسے سنا اس نے ویسے بیان کیا مگر تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھا تھا۔

اس کے متعلق حافظ ابن القیمؒ نے ’۲۰‘ سے زائد صحیح اور صریح روایات بیان کی ہیں آپ خالی سواری پر تھے ڈولی یا محمل نہیں تھا اور نہ ہی سامان اٹھانے کے لیے الگ سے اونٹ تھے۔ تمام صحابہ کو اختیار دیا کہ احرام کی تینوں اقسام میں سے جو چاہیں باندھ لیں پھر جن کے پاس ہدیہ نہیں تھا ان میں سے بعض نے حج کو عمرہ بنا لیا۔ پھر ان کو مکہ معظمہ کے نزدیک ترغیب دلائی گئی کہ جو اپنے ساتھ ہدیہ (قربانی کا جانور) نہیں لایا وہ حج یا قرآن کو توڑ کر عمرہ بنا لے (یعنی افراد اور قرآن کی نیت والے کے لیے ہدیہ ساتھ ہونا لازمی ہے) پھر مروہ کے پاس اس کو بالکل ختم کر دے۔ یہ حکم تاکید کے ساتھ فرمایا اسی رات اسماء بنت عمیسؓ (سیدنا ابو بکر کی بیوی) نے بیٹے کو جنم دیا۔ جس کا نام محمد رکھا گیا انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کروایا کہ اب کیا کیا جائے ③ آپ ﷺ نے ان کو فوراً کپڑھ باندھ کر احرام باندھنے کا حکم فرمایا اس سے تین مسئلے ثابت ہوئے۔

①..... احرام کے لیے غسل کرنا۔ ②..... حیض یا نفاس والی عورت دو غسل کرے گی۔ ③.....

حیض والی عورت کے لیے دو احرام باندھنا بھی درست ہے۔ پھر آپ تلبیہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے لوگ بھی تلبیہ کے الفاظ کچھ زیادہ اور کچھ کم کرتے ساتھ چلتے رہے۔ آپ نے کسی کو منع نہیں کیا بلکہ تلبیہ پڑھتے رہے۔  
محرم کے لیے شکار کا حکم:

جب روجاء ④ پر پہنچے تو وہاں پر ایک حمار وحشی ⑤ جنگلی گدھا باندھا ہوا دیکھا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو ممکن ہے کہ اس کا مالک پہنچ جائے (جس نے شکار کر کے باندھا ہے)۔ جب وہ آیا تو آپ نے حمار وحشی اس کے حوالے کیا۔ جس پر شکاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ شکار آپ کے لیے ہے اور آپ کی مرضی پر رکھا ہوا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو حکم فرمایا کہ تمام رفقاء میں تقسیم کر دے۔ اس سے ثابت ہوا ہے محرم شکار والی چیز کھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ کہ اس نے خود شکار کیا ہو اور

① یہ امر عورتوں کے لیے نہیں ہے بلکہ بقول ”حافظ ابن عبدالبرفی التمهید“ اہل علم کا اجماع ہے کہ عورتیں آہستگی کے ساتھ پڑھیں۔  
② یعنی ناقلین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حج و عمرہ دونوں کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ صرف حج کا جبکہ بعض کہتے ہیں صرف عمرہ کا دراصل اس اختلاف کا سبب بھی یہی ہے۔

③ یہاں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع سنت کا جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ قرب ولادت کے باوجود بی بی صاحبہ نے تکلیف کی پرواہ کیے بغیر سفر جاری رکھا۔

④ مدینہ سے تقریباً ۴۰ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں پر ایک مسجد مبارک بھی ہے۔

⑤ ایک جنگلی جانور ہے جو کہ شرعاً حلال ہے۔ اور اس کے مقابلے میں گھریلو گدھا جو ہم دیکھتے ہیں وہ حرام ہے۔

نہ ہی اس کے لیے کیا گیا ہو۔ اور مذکورہ شکاری محرم نہیں تھا اور ممکن ہے کہ وہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ<sup>۱</sup> کے قصہ کی طرح میقات سے نہ گذرا ہو جس کا میقات کوئی دوسرا ہو اس واقعہ سے چند مسائل ثابت ہوئے۔ ①:..... ہبہ کے لیے لفظ ہبہ شرط نہیں ہے بلکہ اس کا ہم معنی لفظ کافی ہے۔ ②:..... ہڈیوں سمیت گوشت کی تقسیم۔ ③:..... شکار شکاری کی ملکیت ہے۔ ④:..... حمار وحشی حلال جانور ہے۔ ⑤:..... تقسیم کے لیے وکیل مقرر کرنا۔ ⑥:..... سب میں ایک ہی تقسیم کرنے والا ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ روٹیہ اور عروج کے درمیان اٹائیہ<sup>۲</sup> کے پاس پہنچے جہاں پر دیکھا تو ایک ہرن ہے جس کو شکاری کا تیر لگا ہوا ہے۔

جو درخت کے سایہ تلے بیٹھا ہوا ہے آپ نے ایک شخص کو حکم کیا کہ جب تک سارے یہاں سے گذرنے جائیں وہ یہیں پر رکیں تاکہ کوئی اس کی طرف خیال یا توجہ نہ کرے۔ دونوں قصوں میں فرق ہے حمار وحشی کو اس نے شکار کیا جو محرم نہیں تھا اس لیے کھانے سے منع نہیں کیا۔ مگر ہرن کی صورت حال مشکوک تھی اور خدشہ تھا کہ کسی محرم نے تیرا مارا ہو اس لیے اجازت نہیں دی اور وہاں پر محافظ کو کھڑا کر دیا۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ محرم کا کیا ہوا شکار دوسرے کے لیے میتہ<sup>۳</sup> (مردار) کا حکم رکھتا ہے اگر حلال ہوتا تو آپ ﷺ اس کو ضایع نہ ہونے دیتے الحاصل: محرم کو جان بوجھ کر خشکی<sup>۴</sup> کا شکار کرنا ناجائز ہے اور اگر کوئی شکار کرے گا تو شکار کے برابر قربانی کا جانور دینا پڑے گا اور برابری کے لیے دو امین<sup>۵</sup> اور عادل فیصلہ کریں۔ خون کے علاوہ یا تو تین تیسوں کو کھلا دے یا تین دن کے روزے رکھے جس طرح نص قرآنی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَدًّا  
فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدِيًّا بَلِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ  
كَفَّارَةً طَعَامٍ مَّسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ

① حدیبیہ کے سال وہ چھپے رہ گیا اور اس کو احرام نہیں تھا باقی سارے محرم تھے جنہوں نے ایک حمار وحشی کو دیکھ کر چھوڑ دیا۔ جب ابو قتادہ آئے اور دیکھا تو ساتھیوں سے کہا کہ مجھے نیزہ اٹھا کر دو مگر انہوں نے انکار کیا۔ (یعنی محرم شکار میں مدد بھی نہیں کر سکتا) پھر انہوں نے شکار کر کے خود بھی کھایا اور جماعت والوں نے بھی کھایا پھر خیال آنے پر نبی سے دریافت کیا۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے کچھ بچا ہوا ہے پھر پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے بھی اس سے کھایا۔ (بخاری - مسلم)

② حرمین کے بیچ اور عروج کے پاس ایک جگہ ہے جہاں پر مسجد ہے۔ (القاموس المحيط) اور حجہ کے راستہ پر مدینہ سے تقریباً ۴۵ میل پر ہے۔ (معجم البلدان لیا قوت الرومی)

③ ہر وہ چیز جو ناجائز طریقہ سے ذبح کی جائے مثلاً چوری کا جانور یا بغیر اجازت ذبح کیا ہوا جانور وغیرہ۔

④ بعض فقہاء دریا کے شکار پر بھی دم (قربانی) کا کہتے ہیں لیکن یہ قرآنی فیصلہ کے خلاف ہے۔

⑤ جس طرح قرآنی قید سے ظاہر ہے۔

⑥ جس بھی جانور کے متعلق ہم سے پہلے دو صحابہؓ یا دو تابعین یا جن کو امین سمجھیں ان کا کیا ہوا فیصلہ نافذ کیا جائے گا از سر نو فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حکم خداوندی نہیں ہے۔

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اِحْلَ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ (المائدہ: ۹۵-۹۶)

”اے ایمان والو! بحالت احرام شکار مت کرو اور تم میں سے جو بھی جان بوجھ کر کرے گا تو اس کے بدلے میں اس جیسا جانور جس کے لیے تم میں سے دو امین فیصلہ کریں کہ وہ قربان کر کے کعبۃ اللہ پہنچانا ہے یا کفارہ میں (تین) روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کا عذاب چکھے گذشتہ خطا اللہ نے معاف کی جو دوبارہ کرے گا اس سے بدلہ لے گا اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا ہے، سمندر کا شکار تمہارے لیے حلال ہے اور یہ کھانا اور سامان ہے تمہارے لیے خواہ سیر کرنے والے کے لیے اور جب تک تم احرام میں ہو خشکی کا شکار تم پر حرام ہے اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔“

محرم کو بچھو، سانپ، کوا، چیل، چوہا اور پاگل کتا مارنے کا حکم ہے۔ (مشکوٰۃ صحیحین وغیرہ) اور جس کو جویں تنگ کریں اس کو آپ ﷺ نے اجازت دی ہے ❶ کہ وہ قبل از وقت سر ڈوا سکتا ہے۔ جس کے بدلے وہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا تین روزے رکھے یا کوئی جانور ذبح کرے۔ (بخاری و مسلم) اس سفر کے دوران آپ ﷺ نے سواریوں کو بھگانے والوں کو آرام کے ساتھ بھگانے کا حکم دیا کہ ان سواریوں پر شیشے یعنی عورتیں اور بچے ہیں۔ آگے چل کر ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا کا اونٹ لنگڑا ہو کر بیٹھ گیا جس پر بی بی صلحہ رونے لگی آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے اور رونے سے منع کیا لیکن اس کے باوجود بی بی صلحہ رونے لگی تو آپ ﷺ نے ان کو ڈانٹا اور سب کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ حالانکہ وہاں پر رکنے کا ارادہ نہیں تھا۔ پھر سارے وہاں پر رک گئے۔ اس دن بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی مگر ان کو خیال ہوا کہ شاید آپ ﷺ ان سے ناراض ہوں۔ یعنی منع کرنے کے باوجود انہوں نے رونا بند نہیں کیا) اس لیے انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی باری کا دن کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتی لیکن آج یہ باری تجھے دیتی ہوں تاکہ آپ مجھ سے ان کی ناراضگی دور کریں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے پھر وہ تیار ہو کر خوشبو وغیرہ لگا کر آپ ﷺ کے خیمے میں آئی جس پر آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ آج تمہاری باری تو نہیں ہے جس پر بی بی صلحہ نے کہا کہ ”ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے اس کو دے)۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ قیلولہ (دوپہر کا آرام) کیا اور جب روحا کے پاس پہنچے تو ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اپنی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا کو نیا اونٹ

❶ یہ اجازت حدیبیہ کے موقع پر آپ نے جناب کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔

دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو سکے۔ یہ اونٹ ان کے پاس سواری کے علاوہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ کیا میں آپ کی بھو دن (نافرمان) کو اونٹ دوں؟ جس پر آپ نے پورے سفر کے دوران ان سے کلام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ واپس مدینہ آئے۔ اور بی بی زینبؓ بالکل ناامید ہو چکی تھی کی اب آپ ان کے گھر نہیں آئیں گے۔ کہتی ہیں کہ ایک دن اپنے گھر دوپہر کے ٹائم ایک آدمی کے سایہ کو آتے ہوئے دیکھا دل میں کہا کون ہو سکتا ہے؟ اتنے میں آپ ﷺ ظاہر ہوئے۔ (مسند احمد، طبرانی، مجمع الزوائد)

**سلسلہ:**..... پھر آگے چلتے ہوئے عرج کے پاس پہنچے۔ آپ کا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہما کا سامان ایک ہی اونٹ پر لدا ہوا تھا جس کے ساتھ ابو بکرؓ کا غلام تھا۔ آپ ﷺ وہاں پر بیٹھے ایک طرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما بیٹھیں اور ان کی بہن اسماء اپنے والد کے قریب بیٹھیں۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے سامان سے لدے ہوئے اونٹ اور غلام کے انتظار میں تھے اور لیکن غلام بغیر اونٹ اکیلے آئے جس پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ رات سے وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ جس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو مارنے لگے آپ ﷺ مسکراتے ہوئے کہنے لگے احرام والا یہ کیا کر رہا ہے۔ اور زیادہ کچھ نہیں کہا بقول طبری رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو بکر! اپنے اوپر نرمی کر کیونکہ یہ نہ تو تمہارے بس کی بات ہے اور نہ ہمارے۔ پھر آپ ﷺ اپنے اہل و عیال اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھانا کھانے لگے اور سیر ہو کر کھایا۔ صفوان بن معطلؓ جن کو قافلہ کے پیچھے سامان کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد اونٹ سامان کے ساتھ لے کر ان کی منزل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے ابو بکرؓ کو حکم فرمایا کہ دیکھو سامان سے کوئی چیز گم تو نہیں ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ پینے کی پیالی کے علاوہ کوئی چیز گم نہیں ہے۔ غلام نے کہا کہ وہ میرے پاس ہے۔

پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے امانت ادا کر دی اور وہاں پر سعد بن عبادہ اور ان کے بیٹے قیسؓ زادراہ کے ساتھ اونٹ لے کر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ منزل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ سعدؓ نے کہا کہ اللہ کے رسول ہمیں پتہ چلا ہے کہ صبح آپ کا سامان گم ہو گیا تھا۔ جس کے بدلے ہم یہ سامان آپ کے لیے لے کر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر برکت نازل فرمائے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سامان واپس دلادیا ہے اپنا سامان واپس لے جائیں۔ نیز فرمایا کہ مدینہ آنے کے بعد آپ کی مہمانی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا احسان ہے اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ہمارے مال سے آپ کا لینا چھوڑنے سے زیادہ محبوب ہے۔

① ایک قصبہ ہے جہاں پر مدینہ شریف آنے والے دنوں عامل رہتے تھے۔ (نہایہ) مدینہ سے اندازاً ۸۱ میل کے فاصلے پر ہے۔

آپ نے فرمایا سچ کہتے ہو اور خوش ہو جاؤ کے کامیاب ہو گئے ہو اچھا اخلاق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے عطا کرے اور آپ کو عطا کیا ہے۔ انہوں نے کہا الحمد للہ اللہ ہی نے عطا کیا ہے۔ پھر وہاں سے چلے اور بدہ کے دن سقیاء<sup>۱</sup> کے پاس اترے۔ پھر چلے اور ابواء<sup>۲</sup> کے پاس پہنچے تو صعّب بن صقامہ نے ہمار وحشی کی پیٹھ کا گوشت ہدیہ بھیجا۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم احرام میں ہیں ورنہ واپس نہ بھیجتے۔ وہاں پر معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو بھنے ہوئے چنے کھاتے ہوئے دیکھا جو جھم کے قریب ودان کے گاؤں سے تحفتاً ملے تھے۔ پھر آپ ﷺ اٹھے اور نماز ادا کی اور وضو نہیں کیا وادی ابواء کی مسجد میں نماز ادا کی پھر جب وادی عسفان<sup>۳</sup> کے پاس سے گزرے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ انہوں نے جواباً کہا وادی عسفان تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام بحالت احرام، عباء<sup>۴</sup> کے ساتھ تہبند باندھے ہوئے، رنگ برنگی چادریں پہنے ہوئے، سرخ اونٹوں پر چڑھے ہوئے، جن میں کھجور کی مہاریں ڈلی ہوئی تھیں، تلبیہ پڑھتے ہوئے حج کے لیے یہاں سے گزرے تھے۔ جس طرح مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ پھر جب سرف<sup>۵</sup> کے پاس پہنچے تو ام المؤمنین عائشہؓ حائضہ ہو گئیں۔ جب آپ ﷺ ان کے پاس<sup>۶</sup> آئے تو اس وقت رو رہی تھیں۔ آپ نے سبب پوچھتے ہوئے فرمایا شاید آپ حائضہ ہو گئیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! لوگ احرام کھول لیں گے اور طواف کریں گے مگر میں رہ جاؤں گی آپ نے فرمایا فکر مت کرو یہ کام اللہ نے بنت آدم کے لیے لکھ دیا ہے جو ہوتا رہے گا

اس لیے طواف<sup>۷</sup> کے علاوہ ہر وہ کام کرتی رہو جو حاجی لوگ کرتے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے سب کام کیے تمام موقف ادا کیے اور پاک ہونے کے بعد طواف کیا اور صفامروہ پر گئی پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب آپ حج و عمرہ کے لیے حلال ہو گئیں۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول میری دل میں ایک بات ہے کہ میں نے حج پورے ہونے تک طواف نہیں کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی بھائی عبدالرحمن<sup>۸</sup> کو حکم دیا

۱ مکہ اور مدینہ کے بیچ ایک مشہور جگہ ہے۔

۲ مدینہ کی طرف راغب کے قریب ایک جگہ ہے جہاں پر آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ مدفون ہیں۔

۳ مکہ سے دو منزلوں پر تقریباً ۶۶ میل پر جھہ اور مکہ کے راستے پر ایک کنواں ہے۔

۴ چادر کی ایک قسم ہے۔

۵ مکہ شریف سے تقریباً (۱۰) میل کے فاصلے پر ہے اسی جگہ پر آپ کی حضرت میمونہ بنت حارث سے شادی ہوئی تھی۔

۶ یعنی مکہ معظمہ میں پہنچنے کے بعد۔

۷ استحاضہ والی عورت غسل کر کے کپڑے دھو کر طواف کرے اور نماز بھی پڑھ سکتی ہے اور آپ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے بلکہ شیطانی رگ ہے۔ (مشکوٰۃ) بیہقی میں ابن عمر کا اثر ہے کہ غسل کر کے کپڑا رکھ کر طواف کر لے۔

۸ اس قصہ کا مزید حصہ اپنی جگہ آئے گا۔



کہ ان کو تنعیم مقام پر لے کر جائے وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ کروائے۔ اس قصہ کے متعلق بعض مسائل میں علماء کرام نے اختلاف کیا ہے۔ اول یہ ہے کہ ان کا احرام تمتع کا تھا یا نہیں؟ صحیح بات یہ ہے کہ تمتع یعنی عمرہ کا تھا۔ دوم یہ کہ عمرہ چھوڑ کر حج کیا یا حج کو عمرہ میں ملا کر قرآن کیا؟ صحیح بات دوسری ہے۔ سوم یہ کہ تنعیم والا عمرہ ان کا فرضی تھا یا نفلی؟ صحیح بات یہ ہے کہ وہ نفلی عمرہ تھا کیونکہ فرضی تو قرآن والی صورت میں ہی ادا ہو گیا۔ چہارم یہ کہ بی بی صاحبہ عرفات کے دن پاک ہوئی یا ۱۰ تاریخ کو قربانی والے دن؟ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قصہ سے حج کے کتنے اصولی مسئلہ مستنبط ہوتے ہیں:

الف: قرآن ۱ کے لیے ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

ب: حائضہ سے طواف قدوم معاف ہے جس طرح ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے طواف وداعی معاف ہوا۔

ج: ۲ عمرہ میں حج داخل کرنا جائز ہے۔ خصوصاً عذر والے کے لیے۔

د: حائضہ طواف کے علاوہ حج کے سارے کام سرانجام دے گی۔

ه: تنعیم حرم سے باہر ہے۔

و: ایک سال بلکہ ایک مہینے میں دو عمرے جائز ہیں۔

ز: تمتع والے کو کسی سبب حج فوت ہونے کا خوف ہو تو حج کو عمرہ میں داخل کر سکتا ہے ام المؤمنین

عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس مسئلہ کے لیے دلیل ہے۔

ح: مکہ والوں کی عمرہ کے لیے یہی روایت دلیل ہے۔

**سلسلہ:** ..... سرف کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مجھے پسند ہے

جو اپنے ساتھ ہدیہ نہیں لایا وہ اگر حج کو عمرہ میں بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے۔ لیکن جس کے ساتھ ہدیہ ہے اس

کو یہ اختیار نہیں ہے۔ یہ اختیار آپ نے میقات (ذوالحلیفہ) کے پاس بھی دیا تھا مگر اس فرمان میں

زیادہ تر غیب ہے ۳ اور جب مکہ پہنچے تو حکم ۴ اور تاکید فرمائی ۵ کہ جو اپنے ساتھ ہدیہ نہیں لایا وہ حج کو فسخ

کر کے عمرہ بنا دے۔ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دے لیکن جس کے پاس ہدیہ موجود ہے وہ احرام کو برقرار

۱ اسی طرح بخاری، ترمذی وغیرہ کی احادیث میں صریحاً مذکور ہے۔

۲ یہ واقعہ طواف وداع کے وقت ذکر ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

۳ اس سے معلوم ہوا کہ تمتع قرآن یا افراد سے افضل ہے۔ یہی محدثین کا مسلک ہے۔

۴ یہ حکم صفامرہ کی سعی مکمل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جس طرح آئے گا۔

۵ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ وحی کے علاوہ کوئی حکم جاری نہیں کرتے تھے صدق اللہ سبحانہ و تعالیٰ: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ

هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳ تا ۴) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو وہی کام پسند ہوتا جو رب کی منشا کے مطابق ہوتا۔

رکھے۔ آپ کا یہ حکم محکم ① اور غیر منسوخ رہا۔ بلکہ سراقہ بن مالکؓ نے سوال کیا یہ حکم صرف اس عمرہ کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لیے قیامت تک یہ حکم ہے۔ اس کے متعلق جن ۱۴ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے پاس ہدیہ نہیں تھا اور ان کو حج فسخ کر کے عمرہ بنانے کا حکم فرمایا تھا ان سب کی حدیثیں صحیح ہیں۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو ابھی مجھے معلوم ہوا ہے وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو میں بھی اپنے ساتھ ہدیہ نہ لے آتا اور تمہارے ساتھ احرام کھولتا اور میں تم سے زیادہ پرہیزگار سچا اور نیکو کار ہوں۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (جن کے پاس ہدیہ ساتھ نہیں تھا) حکم کے مطابق احرام کھولا۔ (مسلم)

آپ ﷺ کا مکہ میں داخلہ اور اذکار:

**سلسلہ:**..... پھر آپ ذی طویٰ ② کے پاس اترے یہ جگہ اس وقت آبار الزاہر کے نام سے مشہور ہے وہاں پر ٹھہرے۔ وہ اتوار کی رات تھی جبکہ ذوالحجہ کی چوتھی تاریخ تھی۔ وہاں فجر کی نماز پڑھی بعد ازاں اس دن غسل کر کے مکہ معظمہ کی بلندی والی جگہ یعنی الثیۃ العلیا جو کہ مقبرہ حجون کے پاس ہے۔ وہاں سے داخل ہوئے اور آپ عمرہ کے لیے مکہ معظمہ کے نشیب والے طرف سے داخل ہوئے تھے۔ اس وقت بنی عبدالمطلب کے لڑکے آپ کے سامنے آئے جن میں سے ایک کو آگے اور دوسرے کو پیچھے بٹھایا پھر چلے یہاں تک کہ مسجد شریف (یعنی بیت اللہ) میں داخل ہوئے۔ اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت درود پڑھ کر یہ دعا پڑھتے تھے ”رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي ابْوَابَ رَحْمَتِكَ“ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اے رب! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دے اور نکلتے وقت درود کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے ”رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي ابْوَابَ فَضْلِكَ“ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اے رب! میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لیے بھلائی کے دروازے کھول دے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی عادت مبارک کہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ آپ ممکنہ طور پر ہر کام دائیں طرف سے شروع کرنا پسند کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم) جس سے ظاہر ہے مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے سیدھا پاؤں داخل کرتے تھے۔ ضحیٰ کے وقت حرم پاک میں داخل ہوئے طبرانی کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ باب بنی عبدمناف جس کو اس وقت باب بنی شیبہ یا باب السلام کہا جاتا ہے وہاں سے حرم میں داخل ہوئے جبکہ آپ سے مروی ہے کہ جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑتی تو اس وقت دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھتے تھے:

① اس حکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ قربانی نہ لانے والا افراد یا قرآن کا احرام نہیں باندھ سکتا اگر باندھے گا تو فسخ رہے گا۔ (بامر اللہ ورسولہ)

② مکہ معظمہ کے قریب مغرب کی طرف ایک جگہ ہے۔

((اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَحِينَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اللَّهُمَّ زِدْ هَذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً وَزِدْ مَنْ حَجَّهٖ أَوْ اعْتَمَرَ تَكْرِيمًا وَتَشْرِيفًا أَوْ تَعْظِيمًا وَبِرًا.))

”اے اللہ تو سلامتی دینے والا ہے تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے اے ہمارے رب ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔ اے اللہ! اس گھر کو شرف، تعظیم، تکریم اور ہیبت میں بڑھا۔ اور جو وہاں حج اور عمرہ کے لیے آئیں ان کو بھی تکریم شرف اور تعظیم میں بڑھا۔“

یہ روایت مرسل ہے لیکن یہ عمل سیدنا عمر فاروقؓ سے بھی منقول ہے جس کی وجہ سے روایت کی تائید بھی ہوئی اور ضعف ❶ منجرا ہو گیا۔ پھر جب آپ ﷺ اندر داخل ہوئے اس وقت تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ❷ نہیں پڑھیں۔ کیونکہ بقول ابن القیمؒ مسجد الحرام کا تحیۃ طواف ہی ہے۔ جب حجر اسود کے برابر آئے تو استلام ❸ کیا۔ اور لوگوں پر بھیڑ نہیں کی بلکہ جیسے ہی موقع ملتا اس کو ادا کرتے اور عمرہ والوں کا تلبیہ استلام کے وقت ختم ہوا۔ باقی حج والوں کا تلبیہ حمرۃ عقبہ تک جاری رہے گا۔ (ترمذی وغیرہ) اور آپ ﷺ حجر اسود سے رکن یمانی کی طرف نہیں گئے اور نہ ہی ہاتھ اٹھائے اور نہ ہی جاہلوں کی طرح نیت کے الفاظ کہے کہ ”نَوَيْتُ بِطَوَافٍ“ وغیرہ اور نہ ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر شروعات کی۔ یہ سارے کام کم علم لوگوں کے ہیں جو کہ بدعات اور مناکیر میں شامل ❹ ہیں اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنا سارا جسم مبارک حجر اسود سے نہیں ملایا یا برابر کیا۔

طواف:

پھر وہاں سے طواف ❺ کے لیے کھڑے ہوئے حجر اسود دائیں طرف سے اور کعبۃ اللہ بائیں طرف سے پڑتا ہے، اس وقت کوئی مخصوص دعا منقول نہیں ہے نہ دروازے کے پاس نہ میزاب (پڑنار) کے پاس نہ کعبۃ اللہ کے پیچھے یا اس کے ارکان یا کونے کے ہاں بلکہ پورے طواف میں حجر اسود اور حجر یمانی کے بیچ یہ دعا ❻ منقول ہے:

❶ موقوف اثر سے مرسل روایت مؤید ہو کر مقبول درجہ پر پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ نہ ہو جس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب النکت میں امام ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے۔

❷ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دو رکعتیں تحیۃ المسجد یعنی مسجد کے لیے تھخہ مسنون ہیں مگر اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت مسنون نہیں ہیں۔

❸ ہاتھ کے ساتھ چھونا یا چومنا (مسند) گویا کہ جس طرح میسر ہوا ادا کرے لیکن کسی دوسرے کو تکلیف نہ دے۔

❹ جو فعل شرعاً برا ہے اس کو منکر کہا جاتا ہے۔

❺ اس کو طواف القدوم کہا جاتا ہے۔

❻ آپ نے فرمایا کہ اس جگہ ۷۰ فرشتے مقرر ہیں جو وہاں یہ دعا پڑھتا ہے وہ آمین کہتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

((اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا اتِّنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ.)) (ابن ماجہ ابو داؤد)

”اے اللہ! میں آپ سے معافی اور دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہوں اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں اچھائی عطا کر اور بچا ہمیں جہنم کی آگ سے۔“  
طواف کرتے ہوئے یہ دعا پڑھنے کا بھی حدیث میں ذکر ہے۔

”سَبَّحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ.“ (ابن ماجہ)

”پاکیزگی اللہ کے لیے ہے اور تمام تعریفات اس کے لیے ہیں اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا اس کے علاوہ نہ دوسرے کا ڈر ہے اور نہ ہی دوسرے کو طاقت ہے۔“

آپ ﷺ نے طواف کے سات چکر مکمل کیے پہلے تین چکر میں رمل کیا یعنی نیز چلے اور اضطباع کیا یعنی سیدھے کندھے کو نکال کر اس کے نیچے سے کپڑا نکالا اور ہر چکر میں حجر اسود سے گذرتے ہوئے اشارہ کرتے یا جُنَّ ③ اسے چھو کر اس کو چومتے ④ اور یہ بھی ثابت ہے آپ رکن یمانی کو پورے ہاتھ سے چھوتے باقی اس کو چومنا یا ہاتھ لگا کر اس کو چومنا ⑤ آپ سے ثابت نہیں ہے اور حجر اسود کا چومنا ثابت ہے۔ نیز ہاتھ سے چھو کر اس کو بھی چوما ہے اور جُنَّ سے چھو کر اس کو بھی چوما ہے یہ تینوں صورتیں آئی ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ تھوڑی دیر اس پر ہونٹ مبارک رکھ کر روتے رہے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ آپ رکن یمانی کو ہاتھ لگاتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر اور حجر اسود کے پاس آتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حجر اسود کو چوما اور اس پر سجد کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسے ہی کیا اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے اس کو چومتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ میں ⑥ جانتا ہوں کہ تم پتھر ہونہ فائدہ پہنچا سکتے ہو اور نہ ہی نقصان، اگر رسول اللہ ﷺ کو چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے نہ چومتا ⑦

① اس میں یہ لفظ ہیں کہ جو شخص طواف میں بات نہیں کریگا، یہ کلمات پڑھتا رہے گا تو اس کی برائیاں ختم ہوگی وہی نیکیاں لگی جائیں گی اور اس کے درجات بلند کیے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

② بیہقی میں ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے اثر ہیں کہ عورتوں پر رمل نہیں ہے۔

③ جو لوگ ہاکی کی طرح کی لکڑی کے سہارے چلتے ہیں ان کو اس عمل نبوی کا خیال رکھنا چاہیے۔

④ یعنی یہ سارے طریقہ سنت ہیں۔ لوگوں کو تکلیف نہ دی جائے۔

⑤ تعظیم خاطر چومنا تو قیہی امر ہے۔

⑥ نبی کریم ﷺ نے بھی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ فرمایا تھا کہ تو پتھر ہے! نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے، اگر مجھے اللہ تعالیٰ حکم نہ کرتے

تو میں تجھے نہ چومتا یہ دونوں احادیث المطالب العالیہ بزوائد مسانید الثمانیہ لابن حجر میں مذکور ہیں۔

⑦ یعنی آپ کی سنت ادا کرتا ہوں۔

(بخاری و مسلم) اور آپ نے دو رکنوں کے علاوہ کسی بھی رکن کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ❶ طواف کرتے ہوئے آپ نے پانی بھی پیا ہے۔ (بیہقی) طواف کے لیے پاکیزگی ضروری ہے آپ نے وضو کر کے پھر طواف کیا ہے (بخاری) نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنے کے بعد فرمایا کہ ”لَا تَطُوفِي حَتَّى تَطْهُرِي“ جس طرح بخاری وغیرہ میں ہے کہ پاک ہونے کے بعد ہی طواف کر! پھر جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے عقب میں آئے اور یہ دعا پڑھی ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (البقرہ پ ۱۵) ابراہیم کے مقام (کھڑے ہونے کی جگہ) کو مصلیٰ ❷ جائے نماز بنائیں۔ پھر دو رکعتیں ادا کیں اس وقت مقام ابراہیم آپ کے اور کعبۃ اللہ کے بیچ میں تھا اور ان دونوں رکعات میں سے پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور دوسری میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھی اس کے بعد دوبارہ آ کر حجر اسود کا استلام کیا۔

### سعی صفا و مروہ:

اس کے بعد باب الصفا سے باہر نکلے اور جب صفا پہاڑ کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (البقرہ ع ۲۱ پ ۲) بیشک صفا اور مروہ (دونوں پہاڑ) اللہ تعالیٰ کی بندگی کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پھر فرمایا: أَبْدَا بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ، جس طرح ❸ اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے میں بھی ویسے ہی شروع کرتا ہوں۔ اور دوسری روایت امر ❹ کے صیغہ کے ساتھ ہے ”إِبْدُتُوا بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ.“ (دارقطنی) جس طرح اللہ نے شروع کیا ہے تم بھی ویسے ہی شروع کرو پھر صفا پر چڑھے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف کو دیکھا پھر اس کی طرف منہ کر کے اللہ کی توحید اور تکبیر کا حق ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(( لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَانْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ . ))

”اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بادشاہی اور تعریف اسی کی ہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس

❶ یعنی جس طرح عوام الناس کرتے ہیں۔

❷ اللہ تعالیٰ نے وہ ایک ہی مصلیٰ دکھایا مگر علماء سوء نے اس کے مقابلے میں چار دوسرے مصلے بنائے مگر الحمد للہ اب وہ مٹ چکے ہیں اور اس وقت صرف ایک اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ مصلیٰ باقی ہے۔

❸ اللہ نے پہلے صفا کا ذکر کیا ہے پھر مروہ کا میں بھی اسی طرح پہلے صفا پر چڑھتا ہوں پھر مروہ پر۔

❹ اس لیے کہ دوسرے بھی تعلیم حاصل کریں۔

نے اپنا وعدہ پورا کیا اپنے بندے ❶ کی مدد فرمائی اور اکیلے نے ہی تمام مخالف جماعتوں کو شکست دی۔“

پھر وہاں پر دعا مانگی اور تین مرتبہ اس طرح کیا بیہتی میں ابن مسعودؓ کی حدیث ہے۔ کہ یہ کھڑے ہونے والی جگہ صدع یعنی صفا کے بیچ میں ایک شغاف ہے اور یہیں پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ نیچے اترے اور مروہ کی طرف چلنے لگے جب وادی کی نشیبی سطح پر اترنے لگے تو دوڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وادی کی بلند سطح پر پہنچے۔ پھر دوبارہ چلے یعنی یہی طریقہ ان سے اس طرح صحیح ثابت ہے۔ اور اس وادی میں دوڑتے وقت ان سے یہ دعا منقول ہے ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ.“ (طبرانی)

”اے اللہ بخش دے اور رحم فرما دے تو ہی غالب اور عزت والا ہے۔“

موجودہ وقت وادی کے دونوں اطراف دائیں اور بائیں جانب دو سبز نشانات ہیں۔ جن کو میلین ❷ اخضرین (دوہرے منار) کہا جاتا ہے۔ ❸ ظاہر یہی ہے کہ وادی اسی حالت پر تھی اس لیے یہ نشانات لگائے گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ نے یہ سعی پیدل کی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیثوں میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیت اللہ میں صفا مروہ کی سعی سواری پر کی تھی تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں۔ اور آپ نے صحابہ کے ساتھ ایک ❹ ہی طواف کیا ہے۔ یہاں پر بظاہر روایات میں اختلاف ہے مگر امام ابن حزم کہتے ہیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ سواری نیچے اترے گی تو سوار بھی پورے کا پورا اترے گا اور اس کے پاؤں پورے جسم سمیت نیچے اتریں گے، جس کی معنی یہ ہوئی کہ یہ سعی سواری کی حالت میں تھی حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ میری نظر میں اس کے لیے اس سے بھی زیادہ بہترین وجہ یہ ہے کہ آپ صفا اور مروہ کے بیچ پیدل چلے پھر آخر میں سواری کی حالت میں پورا کیا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں بھی واضح طور پر ہے۔ ابو الطفیلؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا صفا مروہ کے بیچ سواری پر چلنا سنت ہے؟ آپکی قوم کے لوگوں کا خیال ہے کہ سنت ہے۔ کہنے لگے نہیں بلکہ آپ ﷺ پیدل چلے تھے پھر لوگ زیادہ ہو گئے اور کہنے لگے یہ رہے محمد ﷺ! یہاں تک کہ عورتیں بھی اپنے گھروں سے نکل آئیں آپ لوگوں کے آگے چلنا یا تکلیف دینا پسند نہیں کرتے تھے اس لیے سوار ہوئے۔ باقی پیدل چلنا افضل ہے اور آپ کا طواف قدوم

❶ یعنی محمد کریم ﷺ اور یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ سورۃ فتح کے اندر مذکور ہے۔ اور سورۃ لاقسم بہذا البلد میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

❷ حاشیہ: المنجد میں ہے ”المنیل منار یبنی للمسافر فی انشاء الارض یھتدی بہ ویدرک المسافۃ“

❸ ہم نے ۱۹۳۷ع میں یہ نشانات دیکھے تھے اور اس وقت بھی نئی بناء مطابق بھی ایسے نشانات ہیں۔

❹ کیونکہ قرآن والے کو ایک ہی سعی کرنی ہے۔

(بیت اللہ کے پاس پہلے آنے والا طواف) پیدل تھا، کیونکہ اس میں دوڑنے کا ذکر ہے اور یہ جب ہوگا جب آپ پیدل ہوں باقی طواف افاضہ ❶ آپ نے سواری پر کیا ہے۔

**سلسلہ:** ..... پھر جب آپ مروہ پر پہنچے تو اس پر چڑھے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی توحید اور تکبیر کے علاوہ دعا بھی مانگی اور ساتویں دفعہ کا چکر وہاں مروہ پر پورا کیا پھر حکم فرمایا کہ جو اپنے ساتھ ہدیہ (قربانی کا جانور) نہیں لایا۔ اور وہ قارن یا مفرد ہو تو احرام کھول دے۔ ❷ اور جو چاہے کرے کیونکہ اب وہ احرام میں نہیں رہا لہذا بیویوں سے صحبت، خوشبو اور سلعے ہوئے کپڑے پہننے کی اجازت ہے۔ اور یوم الترویہ ❸ آٹھویں تاریخ تک حلال ❹ ہے۔ اور آپ ﷺ چونکہ ہدیہ ساتھ لائے تھے اس لیے احرام نہیں کھولا اور اس وقت فرمایا کہ اب میں جانتا ہوں وہ پہلے معلوم ہوتا تو اپنے ساتھ ہدیہ نہ لاتا اور اپنے اس احرام کو عمرہ کا احرام کر کے تمہارے ساتھ کھولتا۔ اور جن بعض لوگوں نے اعتراض کیا ان پر آپ سخت ناراض ہوئے اور ناراضگی کی حالت میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کو کس نے ناراض کیا ہے؟ اللہ اس کو جہنم میں داخل کرے! آپ نے فرمایا آپ کو پتہ نہیں ہے لوگ میرے حکم کو رد کر رہے ہیں۔ جو میں اب جانتا ہوں وہ پہلے جانتا تو ہدیہ اپنے ساتھ نہ لاتا بلکہ یہاں پر خرید کر کے ان کے ساتھ حلال ہو جاتا (مسلم) وہاں پر آپ نے سر منڈھوانے والے کے لیے تین مرتبہ بخشش کی دعا کی۔ اور بال کتروانے والے کے لیے ایک مرتبہ دعا کی اور وہیں پر آپ کے حکم (حج کو فسخ کر کے عمرہ کریں) پر سراقہ بن مالک بن جحشم نے سوال کیا کہ یہ احرام کھولنے کا حکم (یعنی جس کے پاس ہدیہ نہ ہو) صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ آپ نے فرمایا ہمیشہ کے لیے ہے اور آپ نے تشبیک دے کر یعنی اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ضم کر کے دو مرتبہ فرمایا کہ عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔

کیا عمرہ کے لیے ہدیہ لازمی ہے؟

یہاں پر یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ عمرہ والے کے لیے ہدیہ دینا لازمی نہیں ہے۔ خصوصاً حج کے بعد جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب میں بیان کیا ہے۔ اور اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابو بکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے بھی احرام نہیں کھولا کیوں کہ وہ ہدیہ ساتھ لائے تھے۔

❶ دسویں تاریخ منی سے لوٹ کر طواف کرنا جس طرح آگے ذکر ہوگا۔

❷ یعنی سر منڈا کر یا کچھ بال کٹوا کر عمرہ کر لے۔

❸ روی یسوی ترویہ باب تفعیل ہے جس کی معنی ضرورت کا پانی ساتھ لینا چونکہ اس دن عرفات جانے کے لیے اپنے ساتھ پانی لیتے ہیں اس لیے اس کو یوم الترویہ کہا جاتا ہے۔

❹ یعنی پھر آٹھویں تاریخ کو حج کے لیے مکہ سے احرام باندھیں اس کو تمتع کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک یہ حج کی سب سے افضل قسم ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی ترغیب موجود ہے۔

اور آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سب کو قرآن کا احرام تھا مگر چونکہ ان کے ساتھ ہدیہ نہیں تھا اس لیے ان سب نے حکم کے مطابق احرام کھولا۔ صرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کے عذر سے احرام میں رہیں (جیسے اوپر گذرا) اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی احرام کھول دیا۔ کیونکہ ان کے پاس بھی قربانی نہیں تھی اور انہوں نے رنگے ہوئے کپڑے پہنے اور آنکھوں میں سرمہ پہنا۔ جب سیدنا علیؑ نے دیکھا تو انہوں نے اعتراض کیا۔ تو کہنے لگی میرے والد محترم ﷺ نے اس طرح کا حکم دیا ہے۔

پھر وہ یہ شکایت لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سچ کہا ہے (مسلم) (اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی احرام کھولنے والوں میں سے تھیں) جن اشخاص نے احرام تعین نہیں کیا یعنی حج کا یا عمرہ کا یا دونوں کا، انہوں نے یوں کہا:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَهْلُ بَيْتِ أَهْلِ بَيْتِكَ .“ (مسلم)

”اے اللہ! میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے۔“<sup>①</sup>

ان میں سے جن کے پاس ہدیہ تھا ان کو اپنی طرح احرام کی حالت میں رہنے کا حکم فرمایا اور جن کے پاس ہدیہ نہیں تھا ان کو حکم فرمایا کہ حج کو فسخ کر دیں اور عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ بطحاء کے پاس ملے ان کے پاس بھی ہدیہ نہیں تھا ان کے پاس بھی وہی الفاظ تھے۔ آپ نے ان کا اہلال درست کیا اور عمرہ کر کے احرام کھولنے کا حکم فرمایا اور سیدنا علیؑ یمن سے آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی وہی الفاظ کہے مگر ہدیہ ہونے کی وجہ سے ان کا قرآن بحال رکھا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص خود احرام کا تعین نہیں کرتا بلکہ دوسرے کے احرام کے ساتھ معلق کرتا ہے تو بھی جائز اور درست ہے۔ (المحلیٰ ابن حزم) وغیرہ۔ مگر اس میں ہدیہ والا سوال ضرور رہے گا۔ پھر جتنے دن آپ مکہ معظمہ میں رہے تو اپنی جگہ پر نماز پڑھتے رہے۔ آپ وہاں چار دن التوار، پیر، منگل اور بدھ کو رہے اور اس دوران کعبۃ اللہ کے قریب نہیں گئے (بخاری) اس لیے کہ ② حج کے جانے میں باقی تھوڑا وقت تھا۔ وہاں پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ آپ ﷺ ان کے پاس آئے اور وہ رو پڑے۔ آپ ﷺ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں سعد بن خولہ کی طرح اسی سرزمین پر مر جاؤں جس سے آپ ہجرت کر کے منتقل ہو گئے ہو۔ آپ نے تین مرتبہ دعا مانگی کہ ”اللهم اشفِ سعداً“ اے اللہ! سعد کو شفا دے۔

کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت زیادہ مال ہے اور ورثاء میں سے صرف ایک بیٹی ہے کیا میں پورے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں! فرمایا نصف حصہ آپ نے فرمایا نہیں۔ کہنے

① یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کمال اتباع کا نمونہ ہے۔ جو ساتھ بھی تھے پھر بھی اس طرح کہا کہ کہیں ان کا احرام دوسری طرح نہ ہو جائے۔

② باقی جو عمرہ کے بعد بھی مکہ میں زیادہ وقت ٹھہرتا ہے اس کے لیے طواف بہتر کام ہے کیونکہ وہاں پر یہی ممتاز کام ہے۔



لگے تیسرا حصہ؟ آپ نے فرمایا جی ہاں! لیکن ثلث بھی زیادہ ہے آپ کا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا یہ صدقہ ہے اور تو اپنے اہل و عیال کو بے پرواہ چھوڑ جائے تو یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تو ان کو محتاج چھوڑ جائے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔

### منیٰ کی طرف روانگی:

جب جمعرات کا دن ہوا تو ضحیٰ کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ طبری ابن المنذر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اس دن آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور حج کے احکامات سمجھائے۔ اور فرمایا جس سے ہو سکے تو وہ ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھے۔ اور گذشتہ سال اسی دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا تھا اس لیے یہ تقریری سنت بھی ہوئی اور صحابہ میں سے جنہوں نے احرام کھولا تھا انہوں نے پھر حج کا احرام باندھا اور احرام کے لیے بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ مکہ سے احرام کی حالت میں نکلے اور بطحاء سے اہلال کیا، یہی حکم مکہ والوں کے لیے ہے (بخاری) پھر منیٰ میں پہنچے اور جمعہ کی رات وہیں پر ٹہرے۔ ظہر سے لے کر فجر تک پانچ نمازیں وہیں مسجد الخیف میں پڑھیں۔ اسی رات (۱۰) کلمات ایک ہزار مرتبہ پڑھنا مسنون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رشتہ داری چھیننے یا گناہ جیسے کام کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے جو بھی مانگے گا وہ عطا کیا جائے گا وہ کلمات یہ ہیں:

”سُبْحَانَ اللَّهِ فِي السَّمَاءِ عَرْشَهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْأَرْضِ مَوْطِئُهُ،  
سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْبَحْرِ سَبِيلُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ رَحْمَتُهُ سُبْحَانَ  
الَّذِي فِي الْقُبُورِ قَضَائُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي فِي الْهَوَاءِ رُوحُهُ، سُبْحَانَ الَّذِي  
رَفَعَ السَّمَاءَ سُبْحَانَ الَّذِي وَضَعَ الْأَرْضَ سُبْحَانَ الَّذِي لَا مَلْجَأَ مِنْهُ إِلَّا  
إِلَيْهِ.“ (مجمع الزوائد بحوالہ (ابو یعلیٰ و طبرانی کبیر)

”پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کا عرش آسمانوں میں ہے۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کے لیے زمین پر پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کا دریاؤں میں بھی راستہ ① ہے۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کی آگ پر حکومت ہے۔ اور پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کی جنت میں رحمت ہے۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کا قبروں میں فیصلہ ہے۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کا ہوا میں روح یعنی امر ہے۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس نے آسمان کو بلند کیا۔ پاکیزگی ہے اس کے لیے جس نے زمین کو نیچے بچھایا پاکیزگی ہے اس کے لیے جس کے علاوہ کہیں بھی جائے

① یعنی وہاں پر بھی اسی کا حکم چلتا ہے کتنے ہی جانور اور مچھلیوں کے لیے اس نے راستہ بنایا ہے۔ یا کشتیوں اور جہازوں کے لیے بھی

پناہ نہیں ہے۔ مگر دوسروں سے اس کے پاس پناہ ہے۔“  
عرفہ کی طرف روانگی:

سورج طلوع ہونے کے بعد آپ وہاں سے عرفہ کی طرف چلے۔ صب ❶ والا راستہ اختیار کیا جو کہ لوگوں کے راستے سے دائیں طرف ہے۔ اور صحابہ میں سے بعض تلبیہ پڑھ رہے تھے تو بعض تکبیرات، آپ ﷺ ان کو سمجھا رہے تھے لیکن منع نہیں کر رہے تھے۔ جب عرفہ کے پاس پہنچے تو نمرہ کے پاس ان کے حکم کے مطابق خیمہ لگا ہوا دیکھا اور نمرہ اس وقت عرفات سے مشرق کی طرف ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو کہ اب ختم ہو چکا ہے۔ آپ وہاں پر اترے جب سورج ڈھلا تو قصوا ❷ کو تیار کیا گیا، آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر عرفہ ❸ وادی کے بیچ میں آئے۔ یہ آپ کے معمولات میں شامل تھا کہ آپ سواری پر چڑھتے وقت بسم اللہ کہتے تھے اور جب سوار ہو جائے تو یہ دعا پڑھتے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾

(الزخرف ع ۱، پ ۲۵)

”پاکیزگی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس نے یہ (سواری) ہمارے تابع بنائی ہے۔ ہم اس تک پہنچنے والے بھی نہیں تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“

اور آیت کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هَذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوَىٰ وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضَىٰ اللَّهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هَذَا وَاطْوِنَا بَعْدَهُ اللَّهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةُ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ وَعَثَاءِ السَّفِيرِ وَكَأَبِهِ الْمَنْظَرِ وَسُوءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ.“ (مسلم) ❹

”اے اللہ ہم اس سفر میں آپ سے نیکی اور پرہیزگاری کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ اور ایسے عمل کا جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہمارے لیے یہ سفر آسان کر اور دوری کو لپیٹ کے قریب کر دے اے اللہ! تو ہی ہمارے سفر کا ساتھی ہے اور مال و اہل کا نگہبان ہے۔ اے اللہ میں آپ سے سفری مشکلات اور خوفناک منظر سے اور مال و اہل و عیال میں برے لوٹنے ❺ سے تیری

❶ مسجد الحیف کی جڑ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اور صب وادی راستہ سے زمین کے اوائل سے شروع ہوتی ہے۔

❷ یہ آپ کی اونٹنی کا نام ہے دراصل قصواء کان کنی ہوئی اونٹنی کو کہا جاتا ہے، مگر آپ کی اونٹنی اس طرح نہیں تھی۔

❸ یہ مزدلفہ اور عرفہ کے بیچ ایک وادی ہے۔

❹ مسلم کتاب الحج۔ رقم الحدیث۔ ۱۳۴۲۔

❺ یعنی واپسی کے وقت وہ خیریت اور سلامتی کی حالت میں ہوں۔

پناہ طلب کرتا ہوں۔“

مسند احمد، ابو داؤد اور ترمذی میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ الحمد للہ تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر پھر یہ دعا پڑھی۔

”سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ .“

”اے اللہ! تو پاک ہے میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے مجھے بخش دے تیرے علاوہ کوئی بھی گناہ

بخشنے والا نہیں ہے۔“

کشتی ❶ یا جہاز پر سوار ہوتے وقت قرآنی حکم کے مطابق یہ آیت پڑھنی چاہیے: ﴿يَسْمِ اللّٰهِ مَجْرَهَا

وَمُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ الرَّحِيمُ﴾ (ہود ع ۴ پ ۱۲) ”اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور کھڑا

ہونا شروع ہوتا ہے بیشک میرا رب بخش نے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع:

**سلسلہ:**..... آپ نے وہاں پر اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ دیا جس میں اسلامی قوانین سے آگاہ

کیا اور شرک و بدعت کی رسوم کو ختم کیا اس خطبہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه ونعوذ بالله من شرور  
انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلل فلا  
هادى له ، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا  
عبده ، ورسوله و اوصيكم بتقوى الله و اوصيكم على طاعته واستفتح  
بالذي هو خير ايها الناس اسمعوا قولي فاني لا ادري لعلي لا القكم بعد  
عامي هذا بهذا الموقف ابدا . ايها الناس ان دماءكم و اموالكم عليكم  
حرام الى ان تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا و كحرمة شهركم هذا و انكم  
ستلقون ربكم فيسالكم عن اعمالكم و قد بلغت فمن كانت عنده امانة  
فليودها الى من ائتمنه عليها و ان كل ربا موضوع ولكن لكم رؤوس  
اموالكم لا تظلمون و لا تظلمون . قضى الله انه لا ربا و ان ربا عباس بن  
المطلب موضوع كله و ان اول دمائكم اضع دم ابن ربيعة بن الحارث بن  
عبد المطلب و كان مستر ضعا في بني ليث فقتله هذيل فهو اول ابدأ به من  
دماء الحاهلية .

اما بعد ! ايها الناس ان الشيطان قديس من ان يعبد بارضكم هذه ابدا

❶ موٹر کار کے لیے یہی حکم ہے کیونکہ اس کو بھی اس وقت سفینہ بریہ (خشکی کی کشتی) کہتے ہیں۔

ولیکنہ ان یطع فیما سوی ذالک فقد رضی به مما تحقرون من اعمالکم  
 فاحذروه علی دینکم ایہا الناس ان النسئ زیادة فی الکفر یضل به الذین  
 کفروا یحلونہ عاما ویحر مونه 'عاما لیواطوا عدة ما حرم اللہ ویحر موا  
 ما احل اللہ . وان الزمان قد استدار کھیئہ یوم خلق السموت والارض  
 وان عدہ الشهور عند اللہ اثنا عشر شهرا منها اربعة حرم ثلاثة متوالیات  
 ورجب مضر الذی بین جمادی الثانی وشعبان . اما بعد ایہا الناس! فإن  
 لکم علی نساءکم حقا ولهن علیکم حقا لکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم  
 احدا تکرهونه وعلیهن ان لا یاتین بفا حشة مبینہ فان فعلن فان اللہ قد اذن  
 لکم ان تهجروهن فی المضاجع وتضربوهن ضربا غیر مبرح فان انتھین  
 فلهن رزقهن وکسوتهن بالمعروف واستوصوا بالنساء خیرا فانھن عند  
 کم عوان لا یملکن لا نفسھن شیئا وانکم انما اخذتموهن با مائة اللہ  
 واستحللتم فروجهن بکلمت اللہ فاعقلوا ایہا الناس قولی فانی قد ترکت  
 فیکم ما ان اعتصمتم به فلن تضلوا ابدا امرنا بینا کتاب اللہ وسنة بنیہ .  
 ایہا الناس! اسمعوا قولی واعقلوه . تعلمن ان کل مسلم اخ لمسلم وان  
 المسلمین اخوة فلا یحل لامری من اخیه الا ما اعطاه عن طیب نفس منه  
 فلا تظلمن انفسکم .

اللهم هل بلغت؟ قالوا اللهم نعم! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 اللهم اشهد .“ (سیرت ابن ہشام)

”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ہم اس کی ہی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب  
 کرتے ہیں اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی سے  
 اپنے نفوس کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں اور برے اعمال سے جس کو وہ ہدایت دے اس کو کوئی  
 گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ اور  
 میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی بھی شریک  
 نہیں ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ کے بندو  
 ! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی تابعداری (فرمانبرداری) کے لیے  
 نصیحت کرتا ہوں اور اپنا مضمون نصیحت سے شروع کرتا ہوں۔ اے انسانو! میرا فرمان سنو

! کیونکہ شاید اس سال کے بعد اسی جگہ پر میں دوبارہ تمہیں نہ مل سکوں۔ اے لوگو! تمہارے خون اور اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ جب تک تم رب کے ساتھ جا کر نہ ملو۔ اس دن اور اس مہینے کی حرمت کی طرح ❶ اور تم جلد ہی اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا میں اس کا پیغام تم تک پہنچا چکا ہوں، لہذا جس کے پاس کسی کی امانت ہو وہ اس کو مالک تک پہنچادے اور ہر سود (جو آج سے پہلے لوگوں کی طرف باقی ہے) وہ ختم ہے (یعنی کوئی نہیں لے سکتا۔ لیکن تمہارے لیے تمہارے مال کا اصل باقی ہے) (یعنی جو قرضہ کی صورت میں ہے) نہ کسی کے ساتھ ظلم کرو اور نہ ہی تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ سود ہے ہی نہیں۔ عباس بن عبدالمطلب (یعنی آپ کے چچا) کا پورا سود (جو لوگوں کی طرف ہے) ختم ہے ❷ دور جاہلیت کے خون کے تمام دعوے ختم سب سے پہلے میں ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے خون کا دعویٰ ختم کرتا ہوں۔ جو بنی لیث والوں کا دودھ پیا تھا جس کو ہذیل نے قتل کیا تھا ❸ اور جاہلیت کے خونوں میں سے یہ پہلا خون ہے جس کو میں ختم کرتا ہوں۔

اے لوگو! شیطان اب اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر اس کی عبادت کی جائے گی لیکن یہ امید رکھتا ہے کہ دوسری باتوں میں اس کی پیروی کی جائے گی اور وہ اسی میں راضی ہے جو (اس کے کہنے پر) تم عملوں کو چھوٹا یا حقیر سمجھو اس لیے دین کے معاملے میں اس سے خبردار رہو۔ اے انسانو پیچھے گرنا کفر میں پڑنا ہے اسی طرح کافر گمراہ کیے جاتے ہیں جو ایک سال کو حلال اور دوسرے سال کو حرام کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینوں کی گنتی پوری کر سکیں۔ ❹ اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کرتے ہیں۔

❶ حرمت والے مہینے چار ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

❷ یعنی حکم کی تعمیل کا آغاز اپنے خاندان کی طرف سے کیا اگر یہ طریقہ آج کے حکمران اختیار کرتے تو مطلق العنانی اور قانون شکنی یا طواف الملو کی مصیبت ختم ہو جاتی صدق سبحانہ و تعالیٰ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

❸ علمائے انساب کا کہنا ہے کہ یہ چھوٹا تھا جو کہ گھر کے سامنے تھا کہ بنی ہذیل میں سے کسی کا پتھر یا تیر لگا جس سے وہ فوت ہو گیا جس کا نام آدم تھا۔ بعض نے کہا کہ ایسا بن ربیعہ اور بعض نے کہا کہ حارث تھا۔

❹ عرب چونکہ ایک لڑا کا قوم تھی اس لیے یکے بعد دیگرے تین مہینے صبر نہیں کر سکتی تھی اس لیے ان میں سے کسی مہینہ میں لڑائی جھگڑا کر کے اس کے عوض دوسرے مہینہ کو چھوڑ دیتے تھے اور جس مہینہ میں آپ کی طرف سے لڑائی سے رکنے کا حکم تھا اس میں لڑائی کر کے اس کے مقابلے میں دوسرے مہینہ کو چھوڑ دیتے تھے گویا کہ قرض کو ادا کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف مہینوں کی گنتی پوری کر کے دینی ہے۔ (تفسیر قرطبی)

بلاشبہ زمانہ اپنی اصلی حالت پر گھومنے والا ہے جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینہ ہے جن میں سے چار حرمت والے ہیں ❶ تین لگاتار ❷ اور (چوتھا) رجب جو کہ جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ (اما بعد) اس کے بعد اے انسانوں! تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور ان پر تمہارے حقوق ہیں، تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو آنے نہ دیں جنہیں تم ناپسند سمجھتے ہو۔ اور نہ ہی وہ کسی کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں اجازت ہے تم ان کے بستروں کو الگ کر دو اور ہلکا سا مار سکتے ہو، اگر باز آجائیں تو ان پر تمہارا حق ہے کہ تم نیکی اور عرف کے مطابق خوراک اور لباس مہیا کریں۔ اور بیویوں کے معاملے میں مجھ سے اچھی وصیت حاصل کریں۔ کیونکہ وہ تمہارے پاس (عمر گزارنے کی وجہ سے) بانجھ ہو چکی ہیں اس وقت وہ اپنے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتی اور تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت ❸ سے حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات سے اپنے لیے حلال کیا ہے۔ اے انسانوں! میری بات کو سمجھو۔ تم تک (اللہ کا پیغام) پہنچا چکا ہوں اور تمہارے اندر واضح حکم کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر اس کو مضبوطی سے پکڑا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن) اور دوسرا اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت (حدیث)۔ اے لوگوں! میرا کہنا سنو اور اس کو سمجھو۔ مسلمان پورے کا پورا دوسرے مسلمان کے لیے بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی ہیں، اس لیے کسی بھائی کے لیے دوسرے بھائی کی کوئی چیز حلال نہیں ہے، مگر جو وہ خوشی سے اس کو دینا چاہے۔ اس لیے اپنے نفسوں پر ظلم مت کریں۔ ❹ اے اللہ! میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا سب نے کہا کہ اے اللہ! ہاں (برابر) آپ نے پہنچا دیا آپ نے فرمایا اے اللہ! تو اس پر گواہ رہنا۔“ (سیرت ابن ہشام)

امام مغازی محمد بن اسحاق نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ عمرو بن خارجہ کہتے ہیں کہ مجھے عتاب بن اسید نے بھیجا (خطبہ سننے کے لیے) پھر وہاں پہنچا اور آپ ﷺ کی اونٹنی کے پاس کھڑا ہو گیا جس کا لعاب میرے سر پر گر رہا تھا اور میں نے آپ سے یہ الفاظ سنے: ❺

❶ یعنی ان میں لڑائی حرام ہے۔

❷ یعنی ذوالقعد، ذوالحجہ اور محرم۔

❸ یعنی شرعی نکاح کے ساتھ اس لیے اللہ کی امانت کہا۔

❹ اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کا حق یا امانت کھانا یا اس سے ظلم کرنا خود سے ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ اس کو دلیل انی کہا جاتا ہے۔

❺ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آخر میں پہنچا ہے اور یہ الفاظ اوپر والے الفاظوں کے بعد اور اللہم هل بلغت سے پہلے کے ہیں خطبہ کی ترتیب اس طرح صحیح ہے۔

((أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ آذَىٰ إِلَىٰ ذِي حَقِّ حَقَّهُ وَأَنَّهُ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةُ لَوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَمَنْ ادَّعَىٰ إِلَىٰ غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلَّىٰ غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا.))

”اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دلایا ہے اور وارث (جس کو ترکہ سے حصہ ملتا ہے) کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ اور بچہ بستر والے کا ہے (یعنی جس کے گھر میں پیدا ہوا) اور زانی کے لیے پتھر ہے (اس کی دعویٰ غلط ہے) جس نے اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کا بیٹا کہلوایا یا ❶ ناجائز طرح دوسروں کے غلاموں کو اپنا بنایا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اسکے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔“

اللہ تعالیٰ اس سے کوئی بھی عوض یا فدیہ قبول نہیں کرے گا۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور پورا کیا اور امت کی مکمل خیر خواہی کی۔ آپ نے شہادت کی انگلی سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار یہ فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اے اللہ گواہ رہنا۔

اور آپ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ ان تک یہ پیغام پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس وقت ام الفضل بنت الحارث یعنی عباس کی والدہ نے آپ کی طرف دودھ کا پیالہ بھجوا دیا جو کہ آپ نے وہیں سواری پر لوگوں کے سامنے پی لیا جس سے لوگوں کا شک دور ہوا کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ نیز اس دن عرفات میں آپ نے روزے سے منع فرمایا ہے۔ (احمد، ابن ماجہ) باقی عرفات کے علاوہ اس دن روزہ رکھنے کی بہت بڑی فضیلت بیان کی ہے آپ نے فرمایا کہ اس دن سے پہلے اور بعد دو سالوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (مسلم، وغیرہ)

عرفات میں جمع بین الصلا تین:

خطبہ پورا ہونے کے بعد بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا جنہوں نے اذان اور پھر تکبیر کہی پھر آپ نے پوری جماعت کو ظہر ❷ کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور آپ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ دونوں نمازوں کے درمیان کچھ بھی نہیں پڑھایا یہ دونوں نمازیں ظہر کے وقت پڑھائیں اور مکہ معظمہ والوں نے بھی آپ کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور جمع بین الصلا تین کیا آپ نے نہ تو ان کو کھڑے

❶ جس طرح ورثہ حاصل کرنے کے لیے لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔

❷ جمعہ کے دن نماز ظہر اور جمعہ ایک ہی چیز ہے۔

ہو کر دو رکعتیں مزید پڑھنے کا حکم فرمایا اور نہ ہی جمع بین الصلاتین سے روکا۔ جن بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَتَمُّوا صَلَوَاتِكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفَرٍ آپ ﷺ نے نماز پوری پڑھیں ہم مسافر ہیں۔

یہ سخت غلطی اور قبیح وہم ہے بلکہ آپ نے یہ حکم فتح مکہ کے وقت مکہ میں نماز پڑھاتے ہوئے دیا تھا، کیونکہ اس وقت وہ مقیم تھے اور اپنے گھروں میں رہائش پذیر تھے باقی حج کے سال منیٰ یا عرفات میں آپ نے یہ الفاظ نہیں کہے تھے اس لیے علماء کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے کہ مکہ معظمہ کے باشندے بھی منیٰ میں قصر کریں اور جمع بین الصلاتین بھی کر سکتے ہیں۔ ❶ اس واقعہ میں صریح دلیل ہے کہ سفر کے لیے جو تمام طرح کی حد بندی کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے یہاں پر یہ عذر بھی صحیح نہیں ہے کہ یہ صرف حج کی وجہ سے ہے کیونکہ حج نماز کے قصر کا سبب نہیں ہے بلکہ اصل سبب سفر ہی ہے جس طرح سنت کا تقاضا ہے اور تحدید بیان کرنے والوں کے مذہب کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے دراصل قصر کے لیے۔ تین میل کافی ہیں۔ کیوں کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ تین میل یا تین فرسخ ❷ پر نکلتے تو قصر کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے ❸ اس روایت میں تین فرسخ ❹ (یعنی ۹ میل) تک احتیاط سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ احتیاط ادنیٰ یعنی تین میں ہے، کیونکہ مطلق سفر میں قصر ثابت ہے اور سفر قلیل اور کثیر کا نام ہے، اس لیے تحدید قصر کے لیے مطلوب ہے اس اعتبار سے احتیاط تین میل ہوگا نیز تلخیص الحجیر میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حدیث موجود ہے کہ جب آپ ﷺ یک فرسخ (تین میل) تک نکلتے تھے تو قصر کرتے تھے اس روایت سے اوپر کا شک یقین میں تبدیل ہو گیا یہی فیصلہ متعین سمجھنا چاہیے۔

میدان عرفات میں دعائیں:

**سلسلہ:** ... نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ قصویٰ پر سوار ہو کر موقف (کھڑے ہونے کی جگہ) پر آئے پہاڑ کی نچلی سطح سے پتھر کے پاس قبلہ کے سامنے اس کو کھڑا کیا جبل المشاة (چلنے والوں کا راستہ) ❶ آپ کے سامنے تھا سورج غروب ہونے تک ہاتھ اٹھا کر دعا پڑھتے رہے، آپ دعا میں ہاتھ سینے ❷ تک اٹھاتے تھے، یہاں پر ان سے یہ دعا بھی مروی ہیں۔

((اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي نَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا نَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ صَلَوَاتِي

❶ یہ ساری تقریر ابن القیم زاد المعاد میں لائے ہیں۔

❷ یہ شک راوی شعیب بن الحجاج سے ہوا ہے جس طرح مسلم میں منقول ہے۔

❸ حدیث میں إِذَا خَرَجَ رُكْنَكَ كَالَّذِي نَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا نَقُولُ اللَّهُمَّ لَكَ صَلَوَاتِي لابن ہشام۔

❹ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔

❺ یہ پتھر بلا راستہ ہے یہاں پر لوگ جمع ہوتے ہیں۔

❻ اس مسئلہ کے متعلق ہمارا عربی زبان میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہوا ہے۔ اس کا نام ہے تحقیق الدعایا بالرفع الیٰدین



وَنُسْكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ مَالِي وَلَكَ رَبِّي تُرَائِي - اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِي بِهِ الرِّيحُ)) (ترمذی)

اللهم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سري وعلايتي ولا يخفي عليك شيء من أمري انا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل والمشفق المقر المعترف بذنوبي اسئلك مسئلة المسكين وابتهل اليك ابتهال المذنب البذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير من خفعت لك رقبته وفاضت لك عيناه ذل جسده ورغم انفه لك اللهم لا تجعلني بدعائك رب شقياً وكن بي رؤفاً رحيماً يا خير المسئولين و- يا خير المعطين (طبرانی) اللهم اجعل في قلبي نوراً وفي صدري نوراً وفي بصري نوراً، اللهم اشرح لي صدري ويسر لي أمري واعوذ بك من وسواس الصدور وشتات الامر وفتنه القبر اللهم اني اعوذ بك من شر ما يلج في النهار وشر ما تهب به الرياح وشر بوائق الدهر (بيهقي)

ترجمہ: اے اللہ! تیرے لیے ہی تعریفات ہیں جس طرح ہم کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اے اللہ! میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب تیرے لیے ہے تیری طرف ہی میرا لوٹنا ہے۔ میرے رب میرا ورثہ بھی تیرا ہی ہے۔ ❶ میرے اللہ میں تجھ سے ہی پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے عذاب سے اور سینے کے وسوسے سے اور بکھرے ہوئے ❷ کاموں سے۔ اے اللہ! میں تجھ سے ہی پناہ طلب کرتا ہوں ان بری چیزوں سے جن کو ہوا ❸ لے آئی ہے اور زمانے کی آفتوں کی برائی سے۔

اے اللہ! تو میرا کلام سن رہا ہے اور میری جگہ (جس حال پر ہوں) کو دیکھ رہا ہے میرے پراسرار اور علانیہ کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، میں محتاج، فقیر، فریادی، پناہ طلب کرنے والا، کانپنے والا، ڈرنے والا ہوں۔ اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے

❶ آیت ﴿وَاللَّهُ مِيرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آل عمران: ۱۸۰) (المعجم ۱۷: ۲۷) کی طرف اشارہ نیز وارث موروث کے

نام کو زندہ کرتا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا کہ اے اللہ میرے بعد میرے ورثے یعنی علم اور دین کا تو ہی نگہبان ہے۔

❷ مختلف قسم کی تکالیف یا الجھے ہوئے کام جو سمجھ میں نہ آئیں۔

❸ اس سے حقیقی مراد بھی ہو سکتی ہے نیز بیماریاں اور زمانے کی گردشیں بھی سزا ہو سکتی ہیں۔

والا ہوں تجھ سے مسکینی کا سوال کرتا ہوں اور تیرے پاس گنہگار اور انکساری والی زاری کرتا ہوں۔ جس کی گردن تیرے لیے جھکی اور تیرے لیے آنکھیں بہہ پڑی اور پورا جسم حقیر ہوا اور تیرے لیے ہی ناک کو زمین پر رگڑا ہے۔ اے اللہ تجھے پکارنے سے مجھے بد بخت نہیں کرنا اور میرے لیے روف رحیم ہونا، اے تمام مسئولین سے اچھا اور تمام دینے والوں سے اچھا۔

(طبرانی)

اے اللہ میرے دل، سینہ، کان اور آنکھ میں روشنی کرنا۔ اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں، سینہ کے وسوسوں سے الجھے ہوئے کاموں سے اور قبر کے فتنہ سے اے اللہ میں تجھ سے ہی پناہ طلب کرتا ہوں اس برائی سے جو رات میں داخل ہو یا دن میں اور اس برائی سے جس کو ہوائیں لے آئیں اور زمانہ کی آفات کی برائی سے۔<sup>①</sup> اور اس دن اکثر آپ کا ورد یہ کلمہ تھا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (مسند احمد) <sup>②</sup> آپ نے فرمایا کہ عرفات کے دن یہ دعا تمام دعاؤں سے بہتر ہے اور اس دن آپ نے شام کے وقت امت کی بخشش کے لیے دعا <sup>③</sup> مانگی جو قبول ہوئی <sup>④</sup> آپ ﷺ اس وقت خوشی سے مسکرائے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کس بات پر مسکرائے ہیں؟ اللہ آپ کو ہمیشہ مسکراتا رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ امت کی بخشش کے متعلق میری دعا قبول ہوئی ہے تو اس پر وہ سر میں مٹی ڈال کر چلانے لگا جس کی وجہ سے میں ہنس پڑا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ والبعث النشور للبيهقي)

اور آپ نے تمام لوگوں کو حکم فرمایا کہ وادی عرفہ کے لطن سے اوپر کی طرف چڑھیں اور فرمایا کہ عرفہ

① ان روایات پر کچھ کلام ہے مگر فضائل میں حرج نہیں ہے۔

② بیدہ الخیر، اس جملہ کی معنی کہ ”تمام اچھائیاں اسی اللہ کے ہاتھ میں ہیں“ باقی جملوں کا ترجمہ صفا پہاڑ کی دعا کے ترجمہ میں گذر چکا۔

③ حج پر آنے کا مقصد دربار الہی میں حاضری دیکر گناہوں کو بخشانا ہے اس لیے آپ نے وہاں پر استغفار، دعاؤں اور زاریں کے قبول ہونے کے لیے دعا مانگی فائدہ نفع ماکان ان یرد، اس حدیث کی مثال میں یہ سمجھنا چاہیے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (النساء: ۶۴)

④ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ان کو بخش دیا باقی ایک دوسرے پر ظلم تو ظالم سے مظلوم کو حق لے کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا اے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو ظلم کے عوض جنت عطا کر کے ظالم کو بھی بخش (معاف) کر سکتا ہے اس وقت یہ دعا قبول ہوئی یہ رات گذر گئی، صبح مزلفہ میں آپ نے یہ دعا مانگی اور قبول ہو گئی۔

پورے کا پورا موقوف ❶ (کھڑا ہونے کی جگہ) ہے۔ کوئی مخصوص جگہ موقوف نہیں ہے اور لوگوں کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر رہیں اور یہاں پر ٹھہرنا سیدنا ابراہیم سے ہی چلتا آ رہا ہے۔ وہاں پر نجد کے کچھ لوگوں نے حج کے متعلق آپ سے پوچھا جس پر آپ نے فرمایا۔ الْحَجُّ يَوْمَ عَرَفَةَ مَنْ أَدْرَكَ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَقَدْ أَدْرَكَ (بیہقی وغیرہ) حج عرفہ کا دن ہے جو نماز فجر سے پہلے پہنچا تو وہ حج کو پہنچ گیا۔ آپ نے اس قسم کا بھی اعلان کروایا کہ وہاں پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ

دِينًا﴾ (المائدة: 3)

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔“

وہاں پر ایک مسلمان احرام کی حالت سواری سے گر کر فوت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اسکو سلے ہوئے کپڑے نہ پہنائے جائیں بلکہ احرام کے کپڑوں میں ہی دفن کیا جائے اور پانی میں پیری کے پتے ملا کر غسل دیا جائے۔ باقی خوشبو وغیرہ بھی نہ لگائی جائے اور نہ ہی اس کے سر کو ڈھانپا جائے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو تلبیہ کی حالت میں اٹھائے گا۔ پھر جب سورج اچھی طرح غروب ہو گیا اور سرخی بھی نہ رہی تو عرفہ کی طرف لوٹے اور اسامہ ❷ بن زید رضی اللہ عنہ اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا اور آرام سے چلے اور اونٹنی کی باگ (کیل) اپنی طرف کھینچی ❸ یہاں تک اس کا سر کجاوے سے ٹکرانے لگا اور لوگوں کو کہتے رہے اور لاٹھی سے اشارہ کرتے رہے کہ اس وقت آرام سے چلنا اپنے اوپر لازم سمجھو اور خوا مخواہ جانوروں کو دوڑانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ اس وقت عازمین ❹ کے راستہ سے لوٹے۔ اور آپ کی یہ عادت مبارکہ ہوتی تھی کہ عیدین پر راستہ بدلتے تھے۔ پھر آپ درمیانہ چال چلتے رہے۔ نہ بالکل تیز اور نہ ہی بالکل آہستہ۔ جس کو عرب یسیسر العنق پکارتے ہیں۔ جہاں پر کوئی کشادگی دیکھتے تو وہاں پر اونٹنی کی مہار کو ہلکا چھوڑتے تاکہ آسانی سے چڑھ جائے اور ایسی حالت میں بھی تلبیہ بند نہیں کیا بلکہ پڑھتے رہے۔ اسی راستہ پر آپ سے سوید بن جحیم کے ماموں کی ملاقات ہوئی جنہوں نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر عرض کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے سوال میں لمبائی اختیار کی ہے،

❶ یعنی جہاں پر بھی تم کھڑے ہوئے تو حق ادا ہو گیا۔

❷ یہ آپ کے منہ بولے بیٹے زید بن حارث کا بیٹا تھا۔

❸ عرب لوگ خود اونٹ چلانے کو فخر سمجھتے تھے۔

❹ یعنی جس راستہ پر موجودہ دور میں لوگ چلتے ہیں وہ صب کے راستہ سے قدرے لمبا راستہ ہے۔

اس وقت مختصر سوال کرتے۔ فرضی نماز قائم کر، فرضی زکوٰۃ ادا کر، بیت اللہ کا حج کر، لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کر جیسا اپنے ساتھ دوسروں سے چاہے جو سلوک تو اپنے ساتھ نہ چاہے وہ لوگوں کے ساتھ بھی مت کر۔ اب اونٹنی کی مہار کو چھوڑ دے۔

### مزدلفہ میں آمد:

پھر جب بیچ راستہ میں آئے تو شب ایسر کے پاس اتر کر پیشاب کیا اور ہلکا وضو کیا۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ نماز؟ آپ نے فرمایا نماز آگے ہے۔ پھر دوبارہ سواری پر سوار ہو کر آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے، وہاں پر نماز کے لیے وضو کیا، بلال کو حکم فرمایا جنہوں نے اذان دی اور پھر تکبیر کہی آپ نے سواریوں کو بٹھانے اور کجاوے اتارنے سے قبل مغرب کی نماز ادا کی پھر جماعت والوں نے سواریوں سے سامان اتارا۔ پھر آپ نے عشاء کی نماز ادا کی جس کے لیے الگ تکبیر کہی گئی۔ یہی بات درست ہے کہ ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ جمع بین الصلوٰتین ادا فرمائی اور عرفات کی طرح یہاں پر بھی دونوں نمازوں کے درمیاں کچھ نہیں پڑھا۔ یہ عشاء کا وقت تھا پھر آپ نے آرام کیا۔ اس رات سیدہ عائشہؓ کے ہاں ٹھہرنے کے باری تھی (ابوداؤد)

### منیٰ کی طرف روانگی:

پھر صبح کے لیے اٹھے اس رات کو آپ تہجد کے لیے نہیں اٹھے۔ اور عیدین کی راتوں میں بھی آپ سے تہجد ثابت نہیں ہے ❶ آپ نے اس رات اپنے کمزور اہل (بال بچے) جن میں عبد اللہ بن عباسؓ بھی شامل تھے ان کو اجازت دی کہ وہ فجر سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہوں یہ چاند غروب ہونے کا وقت تھا۔ اس وقت ام المؤمنین سودۃ بنت زمعہ اور ام المؤمنین حبیبہؓ نے بھی اجازت چاہی۔ آپ نے ان کو اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کو بھی اجازت دی اور حکم فرمایا کہ سورج طلوع ہونے سے قبل حجرۃ کو کنکریاں مت مارنا۔ پھر جب فجر ہوئی تو آپ نے فوراً اول وقت میں (نہ کہ وقت سے پہلے) ❷ اذان اور تکبیر پر ساتھ فجر نماز ادا کی۔ یہی دن نحر (قربانی) کا اور عید کا تھا اور یہی دن حج اکبر ❸ کا تھا۔ اسی دن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

❶ باقی عیدین کی رات تہجد کی ترغیب کے متعلق قیام اللیل للرموزی میں ایک روایت منقول ہے لیکن اس میں کلام ہے۔

❷ جس طرح کچھ لوگوں کو بعض روایات سے مغالطہ ہوا ہے۔ بلکہ روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ قبل وقتہا المعتاد (بخاری) یعنی آپ نے وقت عادت سے قبل ادا کی نہ کہ وقت سے ہی پہلے کیونکہ وقت کے بغیر نماز نہیں ہے۔ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء: ۱۰۳)

❸ عام لوگ حج اکبر اس کو کہتے ہیں کہ (۹) ذوالحجہ یوم عرفہ کو جمع کا دن ہو مگر ایسا نہیں ہے بلکہ ہر سال (۱۰) ذوالحجہ نام حج اکبر ہے۔ جس طرح بخاری وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے اور یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ اس دن میں حج کے باقی دنوں سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ یعنی کنکریاں مارنا قربانی کرنا، سر ڈوانا، طواف افاضہ اور سعی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

طرف سے تمام مشرکوں سے بیزاری کا اعلان کروایا گیا۔ یعنی جب اس سے قبل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ حج کروانے آئے تھے۔ ❶ (متفق علیہ) پھر وہاں سے آپ سوار ہو کر مشعر الحرام کے پاس آئے جو آپ کا موقف (یعنی دعا کے لیے کھڑے ہونے کی جگہ) تھی وہاں پر قبلہ کو سامنے کر کے دعا مانگی رب کے سامنے تضرع و زاری تکبیر و تحلیل اور ذکر اللہ کرتے رہے جب تک پوری روشنی ہوئی۔ مگر سورج طلوع ہونے سے قبل وہاں امت کو بخشانے کے متعلق آپ کی دعا قبول ہوئی اور شیطان نے اپنے سر میں مٹی ڈال کر ہائے کیا۔ جس طرح پہلے گذرا۔ وہاں پر بلالؓ کو حکم فرمایا جنہوں نے لوگوں کو چپ کر دیا پھر فرمایا کہ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے تم پر بڑی مہربانی کی ہے جو تم میں سے بدکار نیکو کاروں کو دیئے یعنی ان کی دعاؤں پر بدکاروں کو بخشا اور نیکو کاروں نے جو مانگا وہ دیا۔ اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ یہاں سے چلو اس وقت آپ سے عروہ بن مضر س طائیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی سواری کو بھی بہت تھکایا ہے اور اپنے آپ کو بھی تکلیف دی ہے کوئی پہاڑ نہیں چھوڑا جس پر کھڑا نہ ہوا ہوں میرا حج ہوایا نہیں؟

آپ نے فرمایا جو ہماری اس نماز (مزدلفہ میں فجر) کو پہنچا ہمارے ساتھ کھڑا رہا جب تک ہم یہاں سے نہ ہٹیں اور اس سے قبل رات تھوڑا بہت عرفہ میں کھڑا ہوا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اس سے بوجھ ہلکا ہو گیا۔ جس طرح ترمذی نے اس کے متعلق حدیث لا کر اس کو صحیح کہا ہے اور یہ روایت طبرانی کبیر اور بزار میں ہے۔ آپ نے اوپر والے الفاظوں سے قبل ان سے کہا کہ ”أَفْرَحَ رَوْعَكَ يَا عُرْوَةُ“ یعنی اے عروہ! تیرا غم اور تکلیف اتر گئی یہ مبارک باد کا جملہ تھا۔ جو علماء مزدلفہ میں وقوف اور وہاں پر ٹھہرنے کو فرض قرار دیتے ہیں وہ اس واقعہ ❷ سے دلیل لیتے ہیں۔ آپ ﷺ اس جگہ پر رکنے اور لوگوں کو بتایا کہ مزدلفہ پورے کا پورا موقف ہے۔ پھر مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔ اپنے کزن فضل بن عباسؓ کو سواری کے پیچھے بٹھایا اور اسامہ رضی اللہ عنہ قریشوں کے ساتھ پیدل دوڑتے رہے اور آپ تلبیہ پڑھتے رہے۔ راستہ میں ابن عباس ❸ کو حکم فرمایا جنہوں نے سات کنکریاں حجرۃ کو مارنے کے لیے ڈھونڈ کر آپ کو دیں جو کہ خذف ❹ کے برابر کی تھیں جو دو انگلیوں میں آسکیں بے علم عوام کی طرح پہاڑ سے نہیں توڑیں اور نہ ہی رات کو تلاش کر کے اپنے پاس رکھیں۔ آپ نے اتر کر اپنی ہتھیلی مبارک پر رکھ کر ان کو صاف کر کے فرمایا کہ ایسے کنکریاں مارا کرو اور اپنے آپ کو دین میں غلو سے بچایا کرو۔ تم سے پہلے تو میں دین میں غلو اور زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں

❶ جس طرح ابتدا میں گذر چکا ہے۔

❷ یہ صریح دلیل ہے جس کا کوئی صارف نظر نہیں آتا۔

❸ یعنی عبد اللہ بن عباسؓ جو آگے بھیجے ہوئے اہل میں شامل تھا (نسائی۔ شافعی) لیکن ہو سکتا ہے روانہ ہونے سے قبل تلاش کر کے دیکر گئے ہوں۔

❹ یعنی اندازاً اپنے کے برابر۔ (تحتیۃ ۱۱۱۱ ج ۱)

اور باقی جمرات کے لیے کنکریاں بھی وہیں سے لی جاتی ہیں جس طرح بیہتی کی حدیث سے ظاہر ہے اور تمام کنکریوں کی تعداد ستر ہے۔ ان میں سے سات ۱۰ تاریخ کو جمرہ عقبہ کے لیے تین تاریخوں میں تینوں جمرات کے لیے سات سات یعنی اکیس (۲۱) کے حساب سے کل ستر ۷ کنکریاں بنتی ہیں، اسی راستہ میں نغم قبیلہ کی ایک عورت سامنے آئی جو اپنے باپ کی طرف سے حج کے متعلق پوچھ رہی تھی جو کہ بڑی عمر کے تھے اور سواری پر بیٹھنے کے قابل نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اُن کی طرف سے حج کرو۔ اس وقت وہ عورت فضل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ❶ جب کہ فضل شکل میں خوبصورت تھے۔

آپ ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں، دوسرے شخص نے سوال کیا کہ میری ماں بوڑھی ہے سواری پر نہیں بیٹھ سکتی۔

آپ نے فرمایا ان کی طرف سے حج کرو۔

ایک دوسرے شخص نے سوال کیا میری بہن نے حج کی نظر مانی تھی مگر اس کو پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گئیں آپ نے فرمایا اگر اس پر قرضہ ہوتا تو ادا کرتے یا نہیں؟

اس نے کہا ہاں!

تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قرضہ ادا کرو وہ دوسرے قرضوں کی بنسبت زیادہ حقدار ہے۔

(متفق علیہ)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے مگر اس کے لیے شرط ہے کہ اس نے پہلے حج کیا ہو ورنہ وہ احرام اس کا ہو جائے گا۔ جس طرح ابو داؤد ابن ماجہ اور مسند شافعی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ❷ کہ رسول اللہ نے ایک آدمی سے اس طرح تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ”لَبَّيْكَ عَنْ شَبْرِمَةَ“ اے اللہ! میں حاضر ہوں شبرمہ کی طرف سے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا قریبی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اپنی طرف سے حج کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا پہلے اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ نے شبرمہ کی طرف سے تلبیہ پڑھنے اور حج ادا کرنے نہیں دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ جو ایسا کرے گا تو وہ احرام الٹا اس کا اپنا ہو جائے گا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو دوسرے کی طرف سے حج ادا کرے وہ تلبیہ میں اس کا نام ظاہر کرے مثلاً کہے کہ ”لَبَّيْكَ عَنْ فُلَانٍ“ یعنی فلاں کی طرف سے تیرے پاس حاضر

❶ اس طرح بچوں کو تربیت دی جاتی ہے۔

❷ اس روایت کو ابن حبان اور بیہقی نے صحیح کہا ہے اور امام احمد اور امام ابن تیمیہ نے مرفوع کہا ہے۔ (سبل السلام)

ہوا ہوں اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان کو فرمایا کہ ”فَاجْعَلْ هَذِهِ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حَجَّ عَنْ شِبْرِمَةَ“ اس حج ❶ کو تو بدل کر ❷ اپنی طرف سے کر پھر شبرمہ کی طرف سے کر۔

**سلسلہ:** ..... پھر جب وادی محسر ❸ کے بطن میں آئے تو سواری کو تیز کیا اور آپ کی یہ عادت ہوا کرتی تھی کہ جب ایسی جگہوں سے گذرتے جہاں پر اللہ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہوتا وہاں سے جلد گذرتے۔ وادی محسر کے ہاں بھی اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا۔ جس کا بیان قرآن کریم ❹ میں موجود ہے اور محسر لفظ کی معنی ہے تھک جانا، رکنے کی جگہ، اسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابرہہ جو کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے آیا تھا اس کا ہاتھی تھک کر رک گیا تھا اور آگے چلنے سے عاجز ہو گیا تھا۔ اسی طرح آپ حجر اور دیار شمود کے پاس سے گذرتے ہوئے بھی کپڑا پیٹ کر جلدی گذر گئے تھے۔ اور محسر نہ منیٰ میں داخل ہے اور نہ ہی مزدلفہ بلکہ دونوں کے بیچ برزخ اور فاصلے کی مانند ہے۔ اسی طرح عرفہ اور مشعر الحرام کے درمیان سمجھنا چاہیے اور دونوں شعروں کے درمیان برزخ ہوا۔ اور منیٰ حرم میں ہے اور یہ نہ مشعر ہے اور نہ ہی حرم اور عرفہ حل اور مشعر ہے۔

### حجرۃ عقبہ کی رمی:

**سلسلہ:** ..... آپ دونوں راستوں کے بیچ چلے جو حجرۃ عقبہ کی طرف نکلتا ہے،۔ یہاں تک کہ منیٰ میں آئے اور حجرۃ عقبہ (یعنی بڑا پتھر جو کہ تینوں پتھروں میں سے مکہ کے زیادہ قریب ہے) کے پاس آئے اور وادی کی چلی سطح پر کھڑے ہوئے اس طرح کہ دائیں طرف منیٰ بائیں طرف کعبۃ اللہ اور سامنے حجرہ۔ آپ ﷺ اس وقت سواری پر تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد ایک ایک کنکری کر کے دو انگلیوں میں پکڑ کر اللہ اکبر کہہ کر مارتے رہے اور اس وقت تلبیہ کو ختم کیا اس پورے سفر میں تلبیہ پڑھتے رہے جب تک کنکریاں مارنا شروع نہ کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج والے کا تلبیہ یہاں پر ختم ہوگا اور عمرہ والے کا حجر اسود کے استلام کے وقت جس طرح ترمذی وغیرہ میں مذکور ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے بھی حجرہ کو کنکریاں ماریں ان میں سے ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے نے اوپر سے کپڑے کا سایہ کیا ہوا تھا۔

❶ یہ عبارت کسی تاویل کی نتائج نہیں ہے اور جو کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں جو احرام باندھا تو پھر اس کا حج ہو جائے گا۔ اس کو رد کرتی ہے۔  
❷ جَعَلَ جب دوسرا مفعول چاہے تو بمعنی صیر ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ (یوسف: ۲) اور یہی دلیل امام عبدالعزیز بن یحییٰ حنانی نے مامون الرشید کی دربار میں بشر مرہبی کے ساتھ خلق القرآن کے مسئلہ پر مناظرہ کرتے ہوئے پیش کی تھی جس طرح انہوں نے اپنی کتاب الجیدہ میں ذکر کیا ہے۔

❸ منیٰ اور مزدلفہ کے بیچ میں ایک پتلی وادی ہے۔

❹ یعنی ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ... الخ﴾

## منیٰ میں واپسی اور خطبہ:

اس سے احرام والے کے لیے خیمہ یا چھتری وغیرہ کا جواز ملتا ہے۔ بشرطیہ یہ کرنا اس تاریخ کو ثابت ہو ① اس کے بعد واپس منیٰ کی طرف گئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یوم النحر (قربانی کے دن یعنی دس تاریخ) کی عظمت و تعظیم اور مکہ معظمہ کی حرمت اور اور دوسرے شہروں پر اس کی فضیلت سے روشناس کیا۔ اور حکم فرمایا کہ جو بھی تمہیں کتاب اللہ کے مطابق بتائے اس کو سنو اور اطاعت کرو۔ اور حکم فرمایا کہ مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔ شاید آئندہ سال ملاقات نہ ہو سکے ”انصار و مہاجرین کی فضیلت کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑاتے پھرو۔ فرمایا کہ میرا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ اور بتایا کہ کئی ایسے بھی آئیں گے جو آمنے سامنے سننے والوں سے زیادہ یاد کرنے والے ہونگے۔ اس خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا جو بھی گناہ کرتا ہے تو اس کا بوجھ بھی اس کے سر پر ہے۔ ② وہاں پر آپ نے مہاجرین کے قبیلے کو دائیں طرف اور انصار کو بائیں طرف مقرر کیا اور باقی لوگ آپ کے ارد گرد تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے کانوں کو ایسے کھول دیا کہ دور دور تک آپ کا بیان سنا جا رہا تھا۔ آپ نے اس خطبہ میں فرمایا۔ ”أَعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَطِيعُوا إِذَا أَمَرَكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ“ (مشکوٰۃ) اپنے رب کی بندگی کرو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھو اور اس کے حکم کی تابعداری کرو تا کہ رب کی جنت میں داخل ہو۔ آپ نے اس وقت لوگوں سے الوداعی ملاقات کی یہی وجہ ہے کہ اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑا۔ وہاں پر آپ سے کتنے ہی سوالات ہوئے کسی نے کہا میں نے سر منڈوانے سے قبل کنکریاں ماری ہیں۔ کسی نے کہا میں نے کنکریاں مارنے سے قبل قربانی کر دی ہے۔ تو کسی نے کہا میں نے سر منڈوانے سے قبل طواف افاضہ کیا ہے۔ آپ ﷺ سب کو کہتے۔ سے کہ ”لا حرج“ یعنی کوئی حرج نہیں ہے۔ کسی کو بھی کفارے کا حکم نہیں کیا۔ ③ جس طرح بیہقی کی حدیث میں ہے۔ ④

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے طواف سے قبل سعی کی ہے آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے ہاں جس نے کسی پر ظلم کیا اور مسلمانوں کی عزت کو پامال کیا اس نے حرج کیا اور وہ ہلاک ہوا۔

(ابوداؤد)

① جس طرح پورے قصہ سے معلوم ہو رہا ہے۔

② آیت ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (انعام: ۱۶۴) کی طرف اشارہ ہے۔

③ اس سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں بعض فقہاء ”دم“ کی فتویٰ دیتے ہیں وہ غلط ہے۔

④ سنن کبریٰ میں کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔



ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ روایت محفوظ نہیں ہے۔ مگر اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابو داؤد نے سکوت اختیار کیا ہے نیز مطلق روایت جس میں ذکر ہے کہ جس نے بھی تقدیم یا تاخیر کا ذکر کیا آپ نے اس کو فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم) یہ روایت بھی اس کی مؤید ہے، یہ تمام کام ان سے لاعلمی کی وجہ سے ہوئے۔ (متفق علیہ) اور جان بوجھ کر ترتیب نبوی کے خلاف نہ کیا جائے۔ اس وقت آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کے علاوہ ہر بیماری کی دوا بھیجی ہے۔

### قربانی حج میں:

**سلسلہ:** ..... پھر آپ منیٰ میں قربانی کی جگہ پر آئے اور ایک سوانٹ جو آپ خود لائے تھے اور کچھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے۔ ان میں آپ نے اپنی عمر کی تعداد کے مطابق ۶۳ تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے جبکہ باقی اونٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم پر ذبح کیے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے آپ نے اس دن دو سیاہ (کالے) چتکبرے مینڈھے ذبح کیے اور حکم صادر کیا تم اونٹوں کی گنگرو، گوشت اور کھالیں مسکینوں میں تقسیم کر دیں نیز ان کو حکم کیا کہ ہر ایک میں سے کچھ گوشت ہنڈیا میں ڈالا جائے اور تیار ہونے کے بعد دونوں نے گوشت بھی کھایا اور شور بہ بھی پیا اور فرمایا کہ قصائی کو اجرت میں گوشت یا کھالوں سے کچھ نہیں دیا جائے ❶ گا۔ بلکہ ہم خود اس کو اجرت ❷ دیں گے۔ اور جو اس سے تھوڑا سا لینا چاہے تو وہ لے سکتا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے گائے ذبح کی اسی طرح باقی امہات المومنین کی طرف سے بھی گائے ذبح کی گئی۔ وہاں پر آپ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ منیٰ پورے کا پورا قربانی کی جگہ ہے بلکہ مکہ کے اکثر راستے بھی قربانی کی جگہ ہیں اس میں دلیل ہے کہ قربانی کے لیے جگہ مقرر نہیں ہے۔ اس وقت آپ سے پوچھا گیا کہ یہاں پر آپ کے لیے کوئی جگہ بنائی جائے تاکہ آپکو سایہ اور آرام مل سکے آپ نے فرمایا کہ منیٰ مناخ من سبق، منیٰ ہر ایک کے لیے مناخ (جھوک) یعنی اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو وہاں پہلے پہنچا۔

اس سے ثابت ہوا کہ منیٰ میں تمام مسلمان ایک جیسے شریک ہیں، جو وہاں پہلے پہنچا وہ اس جگہ کا حقدار ہے جب تک اس کو نہ چھوڑے یہ کسی کی خاص ملکیت نہیں ہے۔ قربانی کے متعلق آپ کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپ نے اونٹ بکرے بھی ذبح کیے اور گھروالوں کی طرف سے گائیں ذبح کیں۔ اپنے گھر سے ہی عمرہ اور حج میں ان کو تقلید و اشعار کیا ہے۔ تقلید اس طرح کہ دونوں جوتے ہار بنا کر ان کو پہنائے تھے جن کے ڈورے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ (بخاری، مسلم) اور اشعار اس طرح ہے کہ اونٹ کی کوہان میں داہنی طرف سے چیرا دیکر خون نکالا جائے جس طرح ابتدا میں اہلال کے وقت گذرا۔ آپ کی

❶ اگر چہ ان کو ذبح خود ہی کیا مگر ممکن ہے کہ ان کو پکڑنے، لٹانے اور گوشت وغیرہ کاٹنے میں کسی نے مدد کی ہو۔

❷ یہ آپ کا کمال سخاوت اور طیب النفس تھا۔

سنت یہ ہوا کرتی تھی کہ آپ بحالت مقیم بھی حدیہ بھیجتے تھے تو اس وقت اپنے اوپر کچھ حرام نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ناجیۃ المسلمی ❶ کے ساتھ ۱۶ اونٹ بھجوائے انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ ان میں سے کوئی جانور اگر تھک کر ہلاکت کو پہنچ جائے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذبح کر کے اس کے خون سے دونوں جوتیوں کو رنگ کے اس کی گردن پر رکھ دینا باقی نہ خود کھانا اور نہ ساتھی کو کھلانا پھر اس کے گوشت کو تقسیم کر دینا۔ آپ نے جو قاصد کو کھانے کی منع کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ حتی الامکان ذبح کے لیے تیار نہیں ہوگا بلکہ اس کی حفاظت کرے گا اور کوئی کوتاہی نہیں کرے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ نے اجازت دی ❷ کہ اونٹ میں سات ❸ اور گائے میں بھی سات ے شریک ہوں، ہدیہ ہانکنے والے کو اس پر سوار ہونے کی اجازت دی ہے۔ بہتر طریقہ اس کو خواستخواہ تکلیف نہ دے۔ بلکہ اچھی طرح سوار ہو۔

آپ ﷺ اونٹ کا بایاں پاؤں باندھ کر کھڑا کر کے ❹ اس کو نحر کرتے تھے اور بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے تھے۔ زیادہ تر خود ذبح کرتے تھے کبھی کبھار کسی دوسرے کو بھی مقرر کرتے تھے۔ آپ نے اس کے گوشت سے کھانے اور ذخیرہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ پہلے آپ نے منع فرمایا تھا کہ کوئی بھی تین دن سے زیادہ ذخیرہ نہ کرے پھر اس کی اجازت دے دی آپ نے ثوبان رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ گوشت پکا کر تیار کرے۔ کہتے ہیں کہ میں نے پکا کر تیار کیا پھر آپ مدینہ تک کھاتے رہے۔ کبھی کبھار تمام گوشت تقسیم کر دیتے تھے۔ اور کبھی فرماتے جس کو چاہیے وہ اس سے لے یا اس سے لے آپ نے عمرہ کے لیے مروہ کے ہاں اور حج کے لیے منیٰ کے ہاں قربانی کی ہے آپ نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی نے بھی (۱۰) ذوالحجہ سے قبل قربانی نہیں کی سورج طلوع ہونے کے بعد کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی ہے۔

بال مندوانا:

**سلسلہ:** ..... جب آپ قربانی کے کاموں سے فارغ ہوئے تو حلاق (نائی) معمر بن عبد اللہ کو بلوایا جو استرہ لے کر سر کی طرف سے کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا اے معمر اللہ کے رسول نے تجھے پورے سر کے بال مونڈنے کا موقع دیا ہے۔ معمر کہنے لگے اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول یہ تو میرے اوپر اللہ کی طرف سے خاص نعمت اور احسان ہے۔ آپ نے فرمایا جی ہاں! پھر دائیں طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے شروع کرو جب دائیں طرف کے بال صاف ہو گئے تو وہ بال آپ ﷺ نے ایک ایک اور دو دو کر کے لوگوں میں

❶ کما فی المرقاة شرح المشکوٰۃ۔

❷ نیز اصحٰی میں آپ نے پورے گھر کی طرف سے ایک بکری کی اجازت دی ہے۔ (ابن ماجہ)

❸ آپ کے زمانے میں اونٹ میں ۱۰ نے شریک ہو کر بھی اصحٰی کی ہے۔ (ترمذی، سنائی، ابن ماجہ)

❹ قرآن کریم میں ہے، ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوًّا فَا﴾ (الحج: ۳۶) صوآف بمعنی قیاماً قالہ ابن عباس رض

کما فی البخاری وغیرہ۔

تقسیم کیے جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ ❶ پھر بائیں طرف اشارہ کیا جب اس طرف کے بال بھی صاف ہو گئے تو فرمایا کہ اس طرف ابو طلحہؓ بیٹھا ہے۔ پھر وہ موئے مبارک آپ نے ان کو عنایت فرمائے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے خالد بن ولیدؓ نے طلب کی تو ان کو پیشانی کے بال عنایت فرمائے اور آپ نے سر مڈوانے والے کے لیے تین مرتبہ اور بال کٹوانے والے کے لیے ایک مرتبہ بخشش کی دعا کی ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے اکثر نے سر مڈوایا جبکہ بعض نے بال ہلکے کروائے (یعنی کٹوائے)۔ اور عورتوں نے بال نہیں کٹوائے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ عورتوں پر کٹوانا نہیں ہے بلکہ تھوڑے سے بال کٹوائیں۔ (ابوداؤد، دارقطنی، طبرانی) اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ سر مڈوانا یا بال کٹوانہ صرف احرام کھولنے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ کام بھی حج اور نسک میں سے ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ﴿لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾ (الفتح: ۲۷) اللہ نے چاہا تو تم ضرور امن سے بیت اللہ میں داخل ہو گے۔ بعض سر مڈوانے والے ہوں گے اور بعض کٹوانے والے ہوں گے۔

نیز اسی طرح سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں۔ احرام باندھنے اور کھولنے سے قبل میں خوشبو لگایا کرتی (متفق علیہ) حالانکہ قربانی کرنے اور سر کے بال مڈوانے یا کٹوانے کے بعد خوشبو تلب لگائی جاسکتی ہے جب کپڑے بدلے جائیں جس سے ثابت ہوا کہ سر مڈوانا یا کٹوانا احرام میں داخل ہے اور حلال اس کے بعد ہے۔

آپ کا احرام کھولنا:

**سلسلہ:** ..... آپ ﷺ نے سر کے بال مڈھوانے کے بعد احرام کھولا اور کپڑے پہنے اور سیدہ عائشہؓ نے طواف افاضہ سے قبل آپ کو خوشبو لگائی۔ (ترمذی وغیرہ) اور فرمایا کہ رمی اور حلق کے بعد تم پر بیویوں کے علاوہ کپڑے، خوشبو وغیرہ سب حلال ہیں۔ (مسند احمد) پھر آپ ﷺ احرام کھول کر سوار ہو کر ظہر سے قبل بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے اور طواف افاضہ فرمایا۔ اس وقت اس کے علاوہ آپ نے طواف زیارت وغیرہ نہیں کیا ❷ پہلے طواف (کی طرح طواف قدوم) اس طواف میں آپ نہیں دوڑے اور نہ ہی چادر سے کندھا ظاہر کیا اور نہ ہی طواف وداع میں اس طرح کیا ہے اور افاضہ کے وقت آپ نے سعی بھی نہیں کی۔ کیونکہ بحالت مقرون تھے اور صحابہ میں سے جو بھی مقرون تھے جنہوں نے عمرہ کے بعد احرام نہیں کھولا تھا انہوں نے سعی نہیں کی کیونکہ قرآن والے کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے جو انہوں نے قدوم کے وقت کی۔ اس کے متعلق کتنی ہی احادیث صحاح ستہ اور احادیث کی دوسری کتب میں موجود ہیں۔ ❸ باقی جو

❶ ہر کام آپ کو دائیں طرف سے کرنا پسند تھا۔ (بخاری)

❷ بعض کا خیال ہے کہ آپ نے اس کے علاوہ دوسرا کوئی زیارت کعبہ کا طواف کیا ہے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

❸ اور جنہوں نے قارن پر دوبارہ سعی کا فتویٰ لگایا ہے وہ ان احادیث صریح کے خلاف ہونے کی بنا پر رد ہوگا۔

لوگ متمتع تھے اور عمرہ کا احرام کھول کر یوم الترویہ ۸ ذوالحجہ کو محرم ہوئے تھے ❶ انہوں نے دوبارہ سعی کی اور جو مفرد تھے اور صرف حج کا احرام باندھا تھا اور ہدیہ ہونے کی وجہ سے احرام نہیں کھولا تھا ان سب نے سعی نہیں کی ❷ جس طرح بیہتی اور دوسری کتب میں احادیث صحیح ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے حیض کے عذر سے قرآن کیا ان سے کہا کہ تمہارا طواف اور سعی تیرے حج اور عمرہ کے لیے کافی ہیں۔ (بخاری، مسلم) اس میں اختلاف ہے کہ یہ طواف آپ نے بحالت سواری کیا ہے یا پیدل مگر ابن قیم سواری کو ترجیح دیتے ہیں۔

### زمزم پر آمد اور زمزم کا پانی پینا:

طواف پورا کرنے کے بعد آپ زم زم ❸ کے پاس آئے اور وہاں پر لوگ پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے بھی خواہش ظاہر کی کہ خود بھی پانی نکالیں مگر ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ایسا کرنے سے میرے پیچھے کتنے ہی لوگ پانی نکالنا شروع ❹ کر دیں گے اور تم پر غالب آ جائیں۔ پھر آپ کے سامنے پانی کا ڈول پیش کیا گیا آپ نے اسے کھڑے کھڑے پیا جس سے کھڑے ہو کر پانی پینے کا جواز ملتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ کسی مجبوری کی بنا پر ہو مثلاً زیادہ پانی کرنے کی وجہ سے کچھڑ وغیرہ ہوگئی ہو۔ جس کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو، اس طرح وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا آپ سے ثابت ہے۔ (بخاری) اور ترمذی میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پانی پیتے تھے آپ کے زمانہ میں صحابہ کرام بھی کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے۔ (دارمی، ترمذی ❺ ابن ماجہ) اس لیے جواز ثابت ہوا اور احادیث صحیحہ میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی منع ہے۔ (مسلم وغیرہ) اس لیے یہ نہی ❻ استحباب کے لیے کہی جائے گی اور اس کا ترک بھی اولیٰ کہا جائے گا۔ مگر ناجائز ہونے کا فتویٰ غلط ہے اور یہ پانی تمام پانیوں کا سردار اور اشرف عظمت والا پاک روح کو تسکین پہنچانے والا اور نایاب ہے۔

بخاری شریف میں ثابت ہے کہ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ شروع اسلام میں جب مکہ معظمہ میں اسلام لانے کی خاطر آئے تو چالیس دن تک اس پانی کے علاوہ اور کوئی کھانا پینا نہیں تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ

❶ بعض علماء اس کی طرف گئے کہ متمتع کے لیے بھی ایک سعی کافی ہے مگر احادیث اس کے صریح خلاف نظر آتی ہیں۔

❷ کیونکہ حج میں صرف ایک سعی فرض ہے۔

❸ زمزم کا کواں مسجد الحرام کے اندر کعبۃ اللہ کے قریب مشرق میں مقام ابراہیم کے جنوب میں حجر اسود کے سامنے ہے۔

❹ اس سے معلوم ہوا کہ خود نکال کر پینا بہتر ہے۔

❺ اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

❻ اصولاً امر اور نہی وجوب کے لیے ہوئے ہیں لیکن اگر اس کے لیے کوئی قرینہ صارف ہو جو اصلی معنی سے پھیر دے تو یہ استحباب کے لیے ہوتے ہیں۔

پانی کھانا پینا اور لذت ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ بیمار کے لیے شفا ہے نیز فرمایا کہ ❶ یہ پانی جس کا نام ❷ کے لیے پیا جائے تو وہ اس کے لیے ہے۔ (ابن ماجہ) ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ اس پانی میں نے عجیب شفا میں دیکھی ہیں کئی مرتبہ میں بیماری کی حالت میں اس کو پی کر اللہ کے حکم سے شفا حاصل کر ❸ چکا ہوں۔ اور اس کا کئی مرتبہ میں نے مشاہدہ بھی کیا ہے کہ کتنوں نے تو نصف ماہ سے زیادہ بغیر غذا کے صرف اس پانی پر گزارہ کیا ہے۔

### آب زم زم کی تاریخ:

بخاری شریف میں یہ واقعہ ہے کہ جب سیدنا ابراہیم اللہ کے حکم سے اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو وہاں پر چھوڑ گئے تو بی بی صاحبہ تلاش آب کے لیے دوڑ پڑیں اور ادھر جبرئیلؑ نے سیدنا اسماعیلؑ کی ایڑی کو زمین پر مارا جس سے پانی اہل پڑا، اور سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس کو جمع کیا اور اس طرح اس نے کنویں کی شکل اختیار کر لی۔ لغت میں زمزم جمع کرنے کو کہا جاتا ہے اس مناسبت سے منقول ہے کہ زمزم کے کنویں کی تعریف میں روایت وارد ہیں کہ اس کنویں کا پانی نہ کبھی نکالا جائے گا (ختم نہیں ہوگا) اور نہ ہی کبھی اس کی مرمت کی جائے گی۔ اور جس روایت میں ہے کہ کوئی شیدی (جشی) اس کنویں میں گر گیا اور اس کا پانی نکالا گیا وہ روایت ہرگز ثابت نہیں ہے۔ ❹ جس طرح امام دارقطنی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں حافظ ابن حجر نے درایہ میں، ابن حزم نے محلی میں، حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام المؤمنین میں، امام نووی نے شرح مہذب میں اور دوسروں نے اس کے متعلق بحث کی ہے۔ بلکہ اتباع التابعین کے زمانہ کے معتبر عالم سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ❺ کہتے ہیں کہ میں مسلسل ۷۰ سال مکہ معظمہ میں رہا ہوں مگر اس دوران کوئی چھوٹا یا بڑا آدمی نہیں ملا جس کو اس واقعی کے متعلق کوئی خبر ہو۔ اور نہ ہی میں نے کسی سے سنا کہ زمزم کے کنویں کا پانی باہر نکالا گیا (درایہ لابن حجر) یہ واقعہ صحابہ کے زمانہ کا نقل کیا جاتا اور اتباع التابعین کا زمانہ اس کے قریب ہے مگر پھر بھی اتنے طویل عرصہ میں مکہ کے شہر میں جس میں یہ کنواں ہے، کسی کو پتہ نہ ہو، یہ قرینہ صاف بتاتا ہے کہ یہ واقعہ جعلی اور بے بنیاد ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر زمزم کی اور کیا بے عزتی ہو سکتی ہے کہ اس کا پانی پلید ہو جائے اور پورے کا پورا باہر نکالا جائے۔

- ❶ اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے مگر جانب صحت قوی ہے۔ ابن قیم نے اس کو حسن کہا ہے اور ضعیف کہنے والوں کو غلط کہا ہے۔
- ❷ یعنی جس کام کا ارادہ رکھ کر پیا جائے اور پھر دعا مانگی جائے تو وہ قبول ہوگی بشرطیکہ شریعت کے اندر ہو۔
- ❸ تاریخ خطیب بغدادی میں ایسے کئی واقعات اہل علم سے منقول ہیں۔
- ❹ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ اور مولوی عبدالحی لکھنوی نے السعایہ شرح شرح وقایہ میں بھی اس کو غیر ثابت کہا ہے۔
- ❺ امام شافعی نے بھی کافی وقت مکہ میں گزارا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی ایسی بات نہیں سنی۔

**سلسلہ:** ..... آپ زمزم کا پانی برتنوں میں اپنے ساتھ لے آئے تھے جس سے بیماروں کو پلاتے اور ان کے اوپر بہاتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کانچ کے برتن میں پانی ساتھ لیتی تھیں۔ (بیہقی، ترمذی، حاکم) اور فرمایا کہ راہ گیر کا اس سے پہلا حق ہے۔ (طبرانی صغیر) اور آپ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بطور ہدیہ پیش کیا۔ (طبرانی کبیر و اوسط) اور فرمایا کہ زمین کے پانی میں سے بہترین پانی ہے۔ (طبرانی کبیر) بخاری شریف میں ہے کہ جب آپ کا سینہ مبارک چیرا گیا تو اس کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا۔ اور آپ نے اس کو پیٹ بھر کے پینا مومن کی نشانی اور نہ پینا منافق کی نشانی بتایا ہے۔ (مستدرک حاکم اور داقطنی) آپ پانی پینے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور اس میں اختلاف ہے کہ اس دن آپ نے ظہر کی نماز کہاں ادا کی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ واپس آ کر منیٰ میں پڑھی۔ (بخاری، مسلم) سیدنا جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ وہاں مکہ معظمہ میں پڑھی۔ (مسلم) ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ علماء نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور بعض نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو، امام ابن حزمؒ دونوں قولوں میں فیصلہ نہیں کر سکے ہیں، اور امام نووی۔ شرح مسلم میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ آپ نے دونوں جگہ (مکہ اور منیٰ) میں نماز پڑھی ہے۔ ایک جماعت کو مکہ میں پڑھا کر دوبارہ منیٰ میں دوسری جماعت ❶ کو پڑھائی ہے اور یہ وجہ معقول معلوم ہوتی ہے امام نووی نے اس کے متعلق صلوة الخوف کا مثال دیا ہے جس طرح صحیحین کی احادیث میں صلوة الخوف کا واقعہ اس طرح بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک جماعت کو پوری نماز پڑھا کر سلام پھیرا اور پھر یہی نماز دوسری جماعت کو پڑھائی اس طرح تعارض بالکل ختم ہو گیا اور اس طرح آپ منیٰ کی نماز میں متفعل تھے۔ اور ایسا عمل آپ کے زمانہ میں بھی ملتا ہے جس طرح سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے عشاء نماز پڑھ کر اپنے محلہ والوں کو جا کر وہی نماز دوبارہ پڑھاتے تھے۔ (بخاری، مسلم) اور بعد والی نماز اپنے لیے نقلی اور مقتدیوں کے لیے فرضی تھی۔ (سنن شافعی، بخاری، بیہقی) اور منیٰ کی نماز میں حارث بن وہب خزائی، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اخیانی بھائی بھی شریک تھا۔ انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں اور ان کا گھر مکہ معظمہ میں تھا اس دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ہی طواف سعی کیا اور حج و عمرہ کے لیے یہی ایک مرتبہ کافی ہوا۔ جس طرح ام المومنین ❷ حفصہ رضی اللہ عنہا بعد از طواف حائضہ ہو گئیں۔ یہ طواف ان کے لیے طواف وداعی کافی ہوا، اور سنت معین یہی ہوئی کہ اگر طواف افاضہ سے پہلے حائضہ ہو تو اس حالت میں قرآن کر کے حج و عمرہ دونوں کے لیے ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی سمجھے اور طواف کے بعد حائضہ ہونے کی صورت میں طواف الوداع سے یہ طواف الافاضہ کافی سمجھے۔

❶ اس سے معلوم ہوا کہ متفعل کے پیچھے متفرض کی نماز جائز اور درست ہے۔

❷ تفصیلی قصہ آگے آئے گا۔

**سلسلہ:** ..... اس کے بعد آپ دوبارہ منیٰ کی طرف لوٹے اور رات وہاں ٹھہر کر آرام کیا اس رات سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی یہ رات وہیں پرگذاری اور اس دن (۱۰) تاریخ شام کو بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ وہب بن زمعہ اور دوسرا ایک شخص ابو امیہ کے اولاد میں سے وہ آئے جو کہ احرام کھول چکے تھے اور قمیضیں پہنی ہوئی تھیں۔ آپ نے وہب کو فرمایا کہ اے ابو عبد اللہ! تم نے طواف افاضہ کیا ہے کہنے لگے نہیں اے اللہ کے رسول! (ﷺ) آپ نے فرمایا کہ اپنی قمیض اتار دے۔ پھر انہوں نے اور ان کے ساتھی نے ۲ سر کی طرف سے قمیضیں اتاریں، پھر انہوں نے سب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس دن کنکریاں مارنے کے بعد احرام کھولنے کی رخصت ہے اور بیویوں کے علاوہ ہر منع شدہ چیز کی رخصت ہے (بشرطیہ کہ اس دن سورج غروب ہونے سے پہلے طواف افاضہ کر لیا ہو) اگر تمہیں شام ہوگئی اور طواف نہ کر سکے سورج غروب ہونے تک تو پھر وہی تمہاری احرام والی حالت واپس لوٹ آئے گی۔ جب تک تم طواف کر لو ۳ پھر جب صبح ہوئی تب سورج غروب ہونے کا انتظار کیا۔

### دوسرے جمرات کی سعی:

پھر جب ڈھلنے لگا تو اپنی رہائش سے اٹھ کر جمرہ کی طرف پیدل روانہ ہوئے اور سوار نہیں ہوئے۔ پہلے چھوٹے جمرہ سے شروعات کی جو کہ مسجد الخیف کے قریب ہے۔ پھر اس کو سات کنکریاں (جو کہ چنے یا لوپے کے دانے کے برابر تھیں) ماریں اور ہر ایک کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر کرزم زمین پر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہوئے اور ہاتھ مبارک اٹھا کر سورۃ بقرہ جتنی لمبی دعا مانگی۔ پھر جمرہ وسطیٰ کی طرف آئے اور اس کو بھی اسی طرح سات کنکریاں ماریں۔ پھر بائیں طرف وادی کی جانب اسی طرح قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر پہلے جتنی لمبی دعا مانگی، پھر تیسرے جمرہ عقبہ کے پاس آئے اور وادی کے بطن میں اس طرح کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ آپ کے دائیں طرف اور منیٰ بائیں طرف پڑھا تھا اور اس جمرہ کو بھی سات کنکریاں ماریں اور عام لاعلموں کی طرح اس کے اوپر یا دائیں طرف سے نہیں ماریں۔ کئی علماء نے نقل کیا ہے کہ اس وقت آپ کا چہرہ بیت اللہ کی طرف تھا۔ کنکریاں مارنے کے بعد فوراً وہاں سے لوٹے اور وہاں رکے نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے تھا مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ تنگی اور رش تو دوسرے

① یہ وہب بن زمعہ کی کنیت ہے۔

② اس سے معلوم ہوا کہ بعض کا یہ خیال غلط ہے کہ اس طرح اتفاق یا غلطی کی صورت میں قمیض کو نیچے سے پہاڑ کر نکالے سر کی طرف سے نہ نکالے۔

③ فقہاء کے ہاں یہ روایت اگرچہ معمول نہیں ہے مگر حدیث نبوی کسی کے عمل یا تائید کی محتاج نہیں ہے، مسلمانوں پر حق ہے کہ جو بھی صحیح حدیث سنیں اس کو معمول بنائیں۔

جمرات کے پاس بھی تھا مگر حکمت یہ تھی تاکہ معلوم ہو سکے کہ آپ کی دعا عبادت (رمی) کے بیچ میں تھی اور یہ ختم ہوئی تو دعا بھی ختم ہوئی۔ ظاہر ہے کہ عبادت کی حالت میں دعا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد والی دعا سے افضل ہے، اس قصہ سے چھ موقف (کھڑے ہونے کی جگہیں) دعا کے لیے معلوم ہوئیں۔ اول صفا پر، دوم مروہ پر، سوم عرفہ پر، چہارم مزدلفہ پر، پنجم جمرہ اولیٰ کے پاس اور ششم حجرہ وسطیٰ کے پاس۔ واقعہ کی ترتیب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ظہر کی نماز کنکریاں مارنے کے بعد واپسی پر ادا کرتے تھے اور کنکریاں مارنے کے تین دن ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ تاریخ اسی ترتیب سے ہیں۔ ان تین دنوں کو ایام التشریق کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ منیٰ میں رہنے رمی الجمار کے تین دن ہیں اور جو جلدی کر کے دو دن یعنی گیارہ اور بارہ ۱ تاریخ کو کنکریاں مار کر چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر رک جائے تو بھی اس پر گناہ نہیں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) مگر آپ نے جلدی نہیں کی بلکہ تشریق کے تینوں یعنی تین دن کا کام دو دن میں پورا کر کے چلا جائے۔ ایسے نہیں تو ایک دن بالکل کنکریاں نہیں مارے۔ فافہم

دن اتوار، پیر، منگل و ہفت پر رکے اور سورج ڈھلنے کے بعد دستور کے مطابق روزانہ کنکریاں مارتے اور بعض روایات میں ہے کہ آپ بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔ جس طرح ترمذی کی صحیح حدیث اور امام بخاری کے ترجمہ الباب سے معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے رخصت چاہی کہ منیٰ کی راتیں وہ مکہ معظمہ میں گزارے۔ (یعنی دن کو آ کر کنکریاں مارے) اس لیے کہ ان پر پانی پلانے کی ڈیوٹی ہے، آپ نے ان کو رخصت دی کہ وہ نحر والے دن کنکریاں ماریں اور پھر دو دن کی کنکریاں ایک ہی دن میں ماریں۔ یعنی ۱۱ تاریخ کو ماریں اور بارہ کو چھوڑ دیں اور پھر تیر ہوئیں کو جا کر کنکریاں ماریں، جس کا مطلب کہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ۔ دین نہایت آسان ہے اور وہاں پر منیٰ میں مسجد الحیف میں آپ بیٹھے ہوئے تھے ۲ کہ آپ کے پاس دو شخص آئے ایک انصار سے اور ایک ثقیف سے، پھر انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ سے کچھ پوچھنے آئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر آپ نہیں کہیں تو میں آپ کو پوچھنے سے پہلے بنا دوں اور اگر کہو تو میں خاموش رہوں اور آپ پوچھیں۔ ۳ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بتائیں پھر ثقیفی نے انصاری سے کہا کہ آپ

۱ یہ قرآن کی آیت کا مطلب ہے یعنی ﴿وَإِذْ كُرُوا لِلَّهِ فِي يَوْمٍ مَّعْدُودٍ فَمَنْ نَعَجَلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى﴾ (بقرہ ۲۵۷-۲۵۸)

۲ اس واقعہ کی ترتیب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرفہ کے بعد کا ہے اور دس تاریخ بھی نہیں ہے کیونکہ اس دن اتنا عرصہ بیٹھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ لکن باقی تین تاریخوں میں سے ایک ہے۔

۳ یعنی وحی کے ذریعہ پہلے اطلاع مل چکی تھی ﴿إِنْ اتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى﴾ (انعام پ، ۵۷)



سوال کریں، اس نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ پوچھنے آئے ہیں کہ تمہارے حج کے کام، بیت اللہ کے ارادے سے نکلنا طواف کی نفل، صفا مروہ کی سعی، شام کو عرفہ میں ٹھہرنا، کنکریاں مارنا، قربانی کرنا، سر مڈوانا اور طواف افاضہ کرنا ان میں تمہارے لیے کیا بھلائی ہے؟ کہنے لگے اس اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے میں یہی پوچھنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب آپ گھر سے بیت اللہ کا قصد کر کے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری سواری کے ایک ایک قدم کے بدلے ایک نیکی لکھی اور ایک گناہ کو مٹایا ہے۔ طواف کی دو رکعتیں تمہارے لیے اسماعیل کی اولاد میں سے دو کو آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور صفا مروہ کی سعی تمہارے لیے ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور عرفہ پر شام کو کھڑا ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ آسمان و دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور تمہارے متعلق فرشتوں کے پاس فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے بندے جنت کی امید رکھ کر ہر گلی اور ہر طرف سے یہاں پر پہنچے ہیں۔ ان کے جتنے بھی گناہ اگر ریت کے ذرات کے برابر یا بارش کے قطرات کے برابر یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہونگے تو بھی میں نے ان کو معاف کر دیا اور میرے بندے یہاں سے بخشے ہوئے لوٹیں گے اور وہ بھی جن کے لیے انہوں نے بخشش طلب کی۔ اور کنکریاں مارنے کے متعلق فرمایا گویا کہ تیری ہر کنکری سے تو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو پھینکتا ہے۔ اور تیری قربانی اللہ کے ہاں ذخیرہ ہے اور تیرا سر منڈوانا تیرے ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اور ایک گناہ مٹتا ہے اور تیرا طواف افاضہ اس حال میں ہو رہا ہے کہ تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تیرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے مگر آگے سنبھل کر چلنا اور نیک عمل کرنا۔ پھر آپ نے ثقفی کو فرمایا کہ یا تو آپ سوال کریں یا میں آپ کو بتا دوں۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہی میرے لیے بہتر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ پوچھتے ہیں کہ تمہاری نماز، رکوع، سجدے اور روزوں میں تمہارے لیے کیا بھلائی ہے؟ کہنے لگے ہاں اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ نے فرمایا کہ اول اور آخر رات میں نماز پڑھنا (یعنی عشاء اور تہجد) پھر سمجھنا کہ آپ کا شمار اللہ کے بندوں میں ہے، اور فرمایا کہ نماز اچھی طرح پڑھو کہ ع اور سجدہ آرام کے ساتھ کرو جلد بازی نہ کرو اور ایام بیض<sup>①</sup> یعنی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ تاریخ کے روزے رکھو۔ یہ روایت مجمع الزوائد<sup>②</sup> میں مسند بزار کے حوالے سے موجود ہے اور وہاں پر ان دنوں میں سے کسی دن مسجد الخیف میں نماز فجر کے بعد آپ نے پیچھے چند لوگوں کو دیکھا جنہوں نے ساتھ نماز نہیں پڑھی آپ نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے کہ تم نے اپنی منزل گاہ پر نماز پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم اپنی جگہ پر نماز پڑھو پھر مسجد میں جماعت ملے تو

① یعنی وہ دن جن کی راتیں روشن ہوتی ہیں۔ یعنی چاندنی راتیں۔

② علامہ بیہقی نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ اور پختہ ہیں۔

وہاں بھی پڑھا کرو یہ تمہارے لیے نفل ہوگی۔ یوم الوسط ان تین تاریخوں میں سے بیچ والے دن بارہ تاریخ یعنی قربانی کے دوسرے دن پر جس کو یوم الروس بھی کہا جاتا ہے، اس دن آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا کہ ایام تشریق کے بیچ کا دن ہے، (فرمایا) یہ کون سا شہر ہے؟ کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمانے لگے یہ شہر حرام ہے پھر فرمایا۔

”إِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ هَذَا . أَلَا إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ حَتَّى تَلْقُوا رَبَّكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ . أَلَا فَلْيَبْلِغْ أَدْنَاكُمْ أَقْصَاكُمْ . أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ .“

(ابو داؤد، طبرانی اوسط)

”پتہ نہیں ہے کہ شاید اس سال کے بعد میں آپ سے نہ مل سکوں، خبردار! تمہارے خون مال اور عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح آج کا دن اور مہینہ حرمت والا ہے جب تک کہ تم جا کے اپنے رب سے نہ ملو پھر وہ تم سے عملوں کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! تم میں سے قریب والا دور والے کو یہ پیغام پہنچائے خبردار! میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے“

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَأَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا عَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوَى .)) (مسند احمد)

”اے انسانو! تمہارا رب ایک ❶ ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے ❷ (یعنی آدم) خبردار! کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔“

اور دوسری روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

”سَأَخْبِرُكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمِ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ - الْمَوْمِنُ أَمَنَهُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبَ“

❶ اس لیے ایک جماعت ہو کر رہنا چاہیے اختلاف کر کے فرقہ بازی میں نہیں پڑنا چاہیے، إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿ (الانبیاء: ۹۲)

❷ یعنی پھر تمہیں ایک دوسرے پر فخر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔

وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ . (مسندبزار)

”میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ مسلمان وہ ہیں جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ بچے ہوئے ہوں (یعنی ناحق دکھی نہ ہوں) اور مؤمن وہ ہے جس کو لوگ اپنے مالوں اور جانوں میں امین سمجھیں اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں سے ہجرت کرے ❶ اور مجاہد وہ ہے جو اللہ رب العزت کی تابعداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔“

منیٰ سے روانگی اور وادی محصب میں آمد:

ایام تشریق کے تینوں ایام کی کنکریاں مارنے کے بعد تیرہ تاریخ منگل کے دن ظہر کے وقت منیٰ سے روانہ ہوئے اور محصب ❷ یعنی ابطح جو کہ بنو کنانہ کا چھوٹا تلاب ہے اس میں اترے۔ ابو رافع نے آپ کے لیے خیمہ لگایا اور رافع آپ کے غلام تھے اسباب و سامان پر مقرر تھے۔ آپ نے یہی جگہ اسامہ کو بتائی تھی کہ کل ہم یہیں پر اتریں گے قدرتا ابو رافع نے وہیں پر خیمہ لگایا۔ آپ نے ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نمازیں وہیں پر ادا کیں، کچھ دیر وہیں پر ٹھہر کر آرام کیا بعض کہتے ہیں کہ وہاں پر ٹھہرنا سنت ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ سہولت کی خاطر وہاں پر ٹھہرے بہر حال آپ کا ہر عمل قابل اتباع ہے اور اس میں پیروی محبوب، مسنون اور مستحب ہے۔ ❸ اسی رات ام المومنین صفیہ بن حنیثہؓ نے حائضہ ہونے کی اطلاع دی آپ نے پوچھا کہ ہمیں سفر سے ❹ روکے گی کیا؟ پھر معلوم ہوا کہ بی بی صاحبہ طواف افاضہ کر چکی ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ ہمیں روانہ ہونا چاہیے یعنی طواف افاضہ کے بعد حیض آنے کی صورت میں طواف وداعی معاف ہے۔ اور اس کے بدلے طواف افاضہ کافی ہے۔ اس حالت میں سب کے لیے یہ حکم فرمایا اور اس رات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس جانب متوجہ کیا کہ تمام لوگوں نے حج اور عمرہ کیا ہے جبکہ میرا عمرہ رہ گیا ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہارا طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔ مگر بی بی صاحبہ نے خیال دکھایا کہ میں الگ سے عمرہ کروں۔ آپ نرم اور رحم دل تھے، ان کے خیال کو لوٹاتے نہیں تھے اور پوچھا کہ

❶ اس لیے کہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اس لیے ہجرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے: ”لَا حِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ مَكَّةَ“ (بخاری) یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے اس لیے سمجھایا کہ وطن چھوڑنا ضروری نہیں ہے بلکہ گناہ کا چھوڑنا ضروری ہے۔

❷ یہ وادی مکہ کی طرف سبیل السبت کے پاس ہے۔ جس کو ابطح، بطحاء، محصب اور معرس کہتے ہیں۔ (فتح الباری)

❸ محدثین کرام کا یہی مذہب ہے كَثَرَ اللَّهُ سَوَادَهُمْ وَأَصْلَحَ مَعَادَهُمْ .

❹ کیونکہ آپ کو پتہ نہیں تھا کہ انہوں نے طواف افاضہ کیا ہے یا نہیں اور حج بغیر طواف کے نہیں ہوگا۔

گذشتہ راتوں میں طواف نہیں کیا ہے؟ کہنے لگی نہیں! پھر آپ ﷺ نے ان کے بھائی عبدالرحمن کو حکم دیا جو کہ ان کو حرم کے باہر تنعیم ① کے پاس لے گیا اور فرمایا کہ ہم یہیں پر تمہارا انتظار کرتے ہیں اور بی بی صاحبہ کو فرمایا کہ تیرے لیے اس عمرہ کا اجر تیرے خرچ، محنت اور تھکاوٹ کے مطابق ہوگا۔ (بخاری)

پھر وہاں سے بی بی صاحبہ احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں آ کر عمرہ ادا کیا اور رات میں ہی محصب لوٹ آئیں۔ آپ نے پوچھا کہ عمرہ سے فارغ ہو گئے؟ کہنے لگے ہاں۔

### طواف الوداع کے لیے مکہ آمد:

پھر آپ نے رات کو ہی صبح کے وقت سفر کی تیاری کا حکم دیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر نماز فجر سے پہلے بیت اللہ کا طواف الوداع (الوداعی طواف) ادا فرمایا اور فرمایا کہ حج سے فارغ ہو کر اس وقت تک نہیں جانا جب تک آخری مرتبہ بیت اللہ کا طواف نہ کر لو۔ مگر حائضہ کو رخصت دی ہے۔ (بخاری، مسلم) بشرطیہ کہ طواف افاضہ کیا ہو جس طرح ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے معلوم ہوا اور ان کے مکہ میں داخل ہونے سے لے کر محصب تک (۱۰) دنوں کی مدت تھی۔

**سلسلہ:** ..... آپ نے فجر نماز وہیں پر مکہ میں ادا کی جس میں سورت والطور پڑھی اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹ پر بیٹھ کر لوگوں (یعنی نمازیوں) کے پیچھے طواف (یعنی طواف وداعی) کر اور بی بی صاحبہ نے آپ سے طواف کرتے ہوئے سورت والطور سنی۔

(بخاری، مسلم وغیرہ)

یہاں پر دو باتوں میں اختلاف ہے۔ نمبر ایک کہ کیا آپ ﷺ اس مرتبہ کعبۃ اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے تھے یا نہیں؟ نمبر دو کہ کیا آپ ملتزم کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تھے یا نہیں؟ صحیح بات اس طرح ہے کہ آپ نے یہ دونوں کام حج کے سال نہیں بلکہ فتح مکہ کے وقت سرانجام دیئے تھے۔

### بیت اللہ کے اندر نماز:

دخول کعبہ کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں آپ ﷺ اندر داخل ہوئے اور اس کے تمام کونوں میں تکبیرات کہیں۔

بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت کعبۃ اللہ کہ چھ ستون تھے ایک بائیں طرف دو دائیں طرف اور تین پیچھے کی طرف سے تھے۔ آپ نے وہاں کھڑے ہو کر دو رکعتیں نماز پڑھی۔ (بخاری، مسلم) اور عثمان بن

طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دوستوں کے درمیان دو رکعتیں ادا کیں۔ (مسند احمد) اس کے علاوہ مجمع الزوائد میں عثمان بن طلحہ، ابن عمر، ابو ہریرہ، عبدالرحمن بن صفوان، عمر فاروق، انس بن مالک، شیبہ بن عثمان اور ام ولد شیبہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں موجود ہیں ❶ اور کتنی ہی احادیث میں یہ صراحت ہے کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

طبرانی میں ایک روایت ہے کہ آپ حج کے وقت بھی اندر داخل ہوئے مگر اس روایت کی سند میں جابر جعفی جھوٹا راوی ہے۔ داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کیا گیا (بخاری) اور ملتزم کے لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حجر اسود اور دروازے کے بیچ میں ملتزم ❷ (کعبۃ اللہ کی دیوار) کے ساتھ اپنا منہ، بازو، ہتھیلیاں اور سارا جسم مبارک ملا کر کھڑے ہوئے۔ (ابو داؤد، دارقطنی، وغیرہ) اور ابو داؤد کی روایت میں صراحت ہے یہ فتح مکہ کا سال تھا اور اس موقع پر کوئی خاص ❸ دعا منقول نہیں ہے۔ باقی کوئی بھی مسند دعا پڑھی جاسکتی ہے الغرض حج کے موقع کے علاوہ مسنون ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہو کر ستونوں کے بیچ ❹ کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھے اور ملتزم کے ساتھ چٹ کر التجا کے ساتھ دعا مانگے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہو کر نماز پڑھوں۔ آپ نے مجھے خود ہاتھ سے پکڑ کر حطیم میں داخل کیا اور فرمایا کہ یہاں پر نماز پڑھو یہ بھی کعبۃ اللہ کا حصہ ہے، جو تیری قوم نے چنائی کے وقت اس کو الگ کر لیا تھا۔ طبری فرماتے ہیں کہ اللہ جانے آپ نے یہ ان کو حجۃ الوداع کے وقت فرمایا یا کسی دوسرے موقع پر مگر اتنا ضرور ہے کہ بی بی صاحبہ کا آپ کے ساتھ وہاں جانا حجۃ الوداع کے علاوہ منقول نہیں ہے۔

مدینہ کو واپسی:

**سلسلہ:** اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پھر بھی رات ذی طویٰ کے یہیں گذاری اور صبح کو وہاں سے روانہ ہوئے جس طرح بخاری میں سیدنا ابن عمرؓ کی حدیث مروی ہے۔ آپ کی

❶ جس راوی نے کہا ہے کہ آپ نے اندر نماز نہیں پڑھی تھی تو اس کا مطلب کہ اس نے پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور جنہوں نے دیکھا ہے انہوں نے ذکر کیا ہے، قانون ہے۔ الْقَوْلُ قَوْلٌ مَنْ شَاهَدَ دُونَ مَنْ لَمْ يَشَاهَدْ، جس طرح اس کے متعلق سید الحدیث امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں تحقیق کی ہے۔

❷ یعنی چمکنے کی جگہ اسی وجہ سے اس پر یہ نام پڑا۔

❸ اس وقت معلم اور مطوف اس جگہ پر جو دعا نہیں پڑھتے ہیں وہ ساری بدعات ہیں، احادیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

❹ عام جاہلوں کا خیال ہے کعبۃ اللہ کے اندر داخل نہیں ہونا چاہیے اگر کوئی داخل ہو بھی تو اوپر چھت کی طرف مت دیکھے تاکہ ایمان نہ چلا جائے مگر یہ سب خرافات ہیں۔ (نعوذ باللہ منہا)۔ بلکہ اندر داخل ہونا سنت ہے۔

مکہ معظمہ، عرفہ اور منی وغیرہ میں ٹھہرنے کی کل مدت دس دن تھی۔ پہلی اتوار ۴ ذوالحجہ اور آخری منگل ۱۳ ذوالحجہ۔ جب مقام روحاء کے پاس پہنچے تو آپ کو قافلہ ملا۔ پوچھا کون ہو؟ کہنے لگے مسلمان وہ پوچھنے لگے کہ آپ کون ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں پھر ایک عورت نے اونٹ کے پلان سے ایک بچے کو بلند کیا اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس کے لیے بھی حج ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اجر آپ کو ملے گا۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ والدین کا اجر بڑھ گیا اور بچے کو بلوغت کے بعد حج کرنا پڑے گا۔ اس کے متعلق امام ترمذی نے اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ پھر جب آپ ذوالحلیفہ کے پاس پہنچے تو دوبارہ رات وہیں پررکے۔

### سفر کے دوران مختلف مسنون اذکار:

پورے سفر میں آپ کا یہ قانون ہوتا تھا کہ بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہتے اور نیچے کی طرف اترتے ہوئے سبحان اللہ کہتے۔ (بخاری) بلندی پر چڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: "اللَّهُمَّ لَكَ الشَّرْفُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى كُلِّ حَالٍ." (عمل اليوم والليلة لابن سنی) اے اللہ! ہر بلندی پر تیرے لیے بلندی ہے اور ہر حال میں تیری تعریف ہے۔ کسی بھی منزل پر اترنے کے وقت یہ دعا سکھائی ہے: "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے۔

اور فرمایا ہے کہ جو ایسا کرے گا اس کو وہاں سے روانہ ہونے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ (مسلم) اور آپ رات آنے تک یہ دعا پڑھتے تھے۔

"يَا أَرْضُ رَبِّي وَرَبُّكَ اللَّهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّكَ وَشَرِّ مَا فِيكَ وَشَرِّ مَا يَدُبُّ عَلَيْكَ . وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ أَسَدٍ وَأَسْوَدٍ مِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ." (ابو داؤد)

"اے زمین! تیرا اور میرا رب اللہ ہے میں اس سے پناہ لیتا ہوں تیرے شر سے اور جو تیرے اندر مخلوق ہے اس کے شر سے اور ان عام چیزوں کے شر سے جو تیرے اندر چلتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیر سانپ، بچھو سے۔ اور شھر کی ہر رہنے والے اور جننے والی اور جنے ہوئے کی برائی سے۔"

اور صبح کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

"سَمَّعَ سَامِعٍ بِحَمْدِ اللَّهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبِنَا وَأَفْضَلِ عَلَيْنَا

عَائِدًا بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ .“ (مسلم)

”سننے والے نے اللہ کی تعریف اور جو اس کی ہم پر اچھی نعمت ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہمارا ساتھ دے اور ہم پر بھلائی کر۔ ہم اللہ کی آگ کی پناہ لینے والے ہیں۔“

آپ جس بھی شہر یا گاؤں میں داخل ہوتے تو اس پر نظر پڑنے کے فوراً بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔  
 ”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَمَا أَضْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَّاحِ وَمَا ذَرَيْنَ فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرِ أَهْلِهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا .“

(عمل اليوم والليله، لابن سنی)

”اے آسمانوں اور جن پر ان کا سایہ ہے ان سب کے پالنہار! راستے، زمینوں جو وہ گھٹاتی ہیں (یعنی کم کر کے آپس میں سمیٹتی ہیں) ان سب کے پالنہار، شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے پالنہار اور ہواؤں اور جن کو وہ اڑاتی یا چلاتی ہیں ان کے پالنہار ہم تجھ سے اس گاؤں والوں کی بھلائی طلب کرتے ہیں۔ گاؤں والے اور جو اس میں ہیں ان کی برائی سے پناہ طلب کرتے ہیں۔“

اور آپ ﷺ الوداع کرنے والے مسافر کو اللہ کے خوف اور ہر بلندی پر اللہ اکبر کہنے کی وصیت کرتے تھے۔ (ترمذی) اور رخصت کرتے وقت اس کے ہاتھ چھوڑنے سے قبل اپنا ہاتھ مبارک نہیں چھوڑتے تھے اور اس کو یہ الفاظ کہتے تھے: ”أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِينَكَ وَأَمَّا نَتَكَ وَخَوَاتِيمَ عَمَلِكَ“ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ) تیرا دین، امانت اور پچھلا عمل اللہ کو امانت دیتا ہوں۔ (اللہ کے سپرد کرتا ہوں) اور پورے لشکر کو رخصت کرتے وقت جمع کا لفظ استعمال کرتے یعنی ”دِينَكُمْ وَأَمَّا نَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ“ جب مسافر پیٹھ پھیر کر روانہ ہو جاتا تو اس کے حق میں یہ دعا کرتے تھے۔ ”اللَّهُمَّ اطْوِلْهُ ، بَعْدَهُ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفْرَ“ (ترمذی) اے اللہ! اس مسافر کی دوری لپیٹ کہ قریب کر دے اور اس پر سفر کو آسان بنا۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں، میرے حق میں ایسی دعا مانگو جو شکر ہو آپ نے فرمایا۔ ”زَوَّدَكَ اللَّهُ التَّقْوَى“ اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا ثمر نصیب فرمائے۔ پھر کہنے لگے میرے والدین آپ پر فدا ہوں میرے لیے اس سے بھی بڑھ کر دعا کریں۔ آپ نے فرمایا ”وَيَسِّرْ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ“ (ترمذی) جہاں بھی تو ہو تیرے لیے خیر اور بھلائی کو آسان کرے۔

اور جب آپ کسی بھی بازار میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ السُّوقِ وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُصِيبَ فِيهَا صَفَقَةً خَاسِرَةً“  
 ”اے اللہ! میں آپ سے اس بازار کی اچھائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ اور اس کی برائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی برائی سے پناہ طلب کرتا ہوں۔ اور تجھ سے اس بات کی بھی پناہ طلب کرتا ہوں کہ اس میں (سودا سلف) نقصان کو نہ پہنچوں۔“

(الدعوات الکبیرہ بیہقی)

اور ابن اسنی میں یہ الفاظ ہیں:

”يَمِينًا فَاجِرَةً وَصَفَقَةً خَاسِرَةً .“  
 ”یعنی جھوٹی قسم اور خسارے والا سودا۔“

اور آپ نے یہ فرمایا کہ جو بازار میں داخل ہوتے وقت یہ کلمہ پڑھے گا اس کے لیے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور گناہ مٹائے جائیں گے اور درجات بلند کیے جائیں گے اور بہشت میں اس کے لیے گھر بنایا جائے گا۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي ۝ وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“

(ترمذی ، ابن ماجہ)

اور آپ سفر خواہ حضر کسی تکلیف پر یہ دعا پڑھتے تھے۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَكِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ“ - (بخاری ، مسلم)  
 ”اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے اور وہ برد بار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے وہ عرش عظیم کا رب ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ وہ آسمانوں کا رب ہے زمینوں کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔“

اور جب کبھی کسی دشمن قوم وغیرہ سے خوف ہوتا تو یہ دعا پڑھتے۔

”اللَّهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُرِهِمْ .“

① يُحْيِي وَيُمِيتُ حَيٌّ لَا يَمُوتُ - یعنی وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا کبھی اس پر موت نہیں آئے گی۔



”اے اللہ ہم تجھے ہی ان (دشمنوں) کے مقابلے میں اپنی ڈھال بناتے ہیں ۱ اور ان کی

شرارتوں سے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔“ (مسند احمد، ابوداؤد)

اور جب آپ گھر سے باہر نکلتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

”بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نُضَلَّ اَوْ نَظْلَمَ  
اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْعَلَ اَوْ نُجْعَلَ“ (احمد، نسائی، ترمذی)

”اللہ کے نام کے ساتھ میں نے اللہ پر توکل کیا۔ اے اللہ ہم تجھ سے ہی پناہ طلب کرتے ہیں  
کہ بھٹک جائیں یا گمراہ ہو جائیں یا ظلم کریں یا ظلم کیے جائیں۔ جہالت کا کوئی کام کریں یا  
ہمارے ساتھ کیا جائے۔“

اور یہ الفاظ آسمان کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

اور گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا سکھائی ہے۔

”اَللّٰهُمَّ اِنِّى ، اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَكَلِمَاتِ اللّٰهِ ، عَلٰى  
اللّٰهِ رَبَّنَا تَوَكَّلْنَا .“

”اے اللہ! میں تجھ سے خواستگار ہوں کہ میرا یہاں داخل ہونا اور نکلنا باعث خیر ہو، اللہ کا نام  
لے کر ہم یہاں داخل ہوئے اور اپنے رب پر ہی اپنا بھروسہ ہے۔ پھر آپ نے اپنے گھر والوں  
پر سلام کرنے کا حکم دیا ہے۔“ (ابوداؤد)

آپ ﷺ مرغ کی آواز سنتے وقت اللہ کے فضل کا سوال اور گدھے کی آواز سنتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰهِ  
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اور دو افراد کو آپس میں لڑتے جھگڑتے وقت بھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ  
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری، مسلم) آپ جمعرات کے دن سفر پر نکلتے تھے۔  
(بخاری) اور اکیلے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مؤطا مالک، نسائی، ترمذی ابوداؤد) منزل پر الگ  
تھلگ ہو کر بیٹھنے سے منع فرمائی ہے بلکہ ایک جگہ اکٹھے بیٹھنے کا حکم فرمایا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ سفر میں  
تین بھی ہوں تو ایک کو امیر ہونا چاہیے (ابوداؤد) اور یہ بھی فرمایا کہ دوران سفر خواخوہ سوار یوں کو کرسی اور منبر  
مت بناؤ۔ (ابوداؤد) یعنی جہاں پر رکنا ہو تو وہاں پر اتر جانا چاہیے خواخوہ ان پر بیٹھے نہیں رہنا چاہیے اور  
منزل پر سوار یوں کے پلان نماز سے پہلے اتارے جاتے تھے۔ (ابوداؤد) اور یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ آسودگی  
اور خوشحالی کے وقت جانور کو چرنے وغیرہ کا حق دو اور قحط سالی کے وقت سفر جلدی طے کرو نیز یہ بھی فرمایا کہ

رات کو پڑاؤ ڈالتے وقت راستے سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ جانوروں کی گذرگاہ اور کیڑوں مکوڑوں کی رہنے کی جگہ ہے۔ (مسلم)

اور جب سواری، شہر اور زادراہ زیادہ ہو تو باقی ساتھیوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ (مسلم) آپ نے اپنے اہل کو سواری پر ردیف بٹھایا ہے۔ (بخاری) چھوٹے بچوں کو بٹھاتے وقت ان کی سلامتی کی دعا کرتے۔ (ابوداؤد) سفر میں اپنے ساتھ ساز کا سامان بجاہ اور جانوروں میں بجنے والے آلات باندھنے سے سخت منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسے سفر میں فرشتے ساتھ نہیں دیتے۔ (مسلم) نیز دوران سفر ایک آدمی کو حکم دیا کہ جس نے اپنی سواری میں گھنٹی وغیرہ باندھی ہو تو اس کو کاٹ دے۔ (بخاری، مسلم) اپنے ساتھ درندوں کی کھالیں وغیرہ اٹھانے سے بھی منع فرمائی ہے۔ (ابوداؤد) اچانک جانور کو جھٹکا وغیرہ آنے پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اور جانور کے کودنے بھاگنے اور تکلیف کے وقت یہ آیت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

﴿أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا  
وَالِيهِ يُرْجَعُونَ﴾ (آل عمران ۹۶ پ ۳)

”کیا اللہ کے قانون کے علاوہ دوسرا قانون طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی اشیاء رضامندی سے یا زبردستی اس کے تابع ہیں اور اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“  
فرمایا کہ اس طرح جانور رک جائے گا۔ (ابن السنی) اور آپ سفر میں پڑاؤ کے وقت دائیں طرف ہوتے تھے اور صبح سے تھوڑا پہلے آرام کرتے وقت کہنی کھڑی کر کے ہتھیلی مبارک رکھ کر سوتے تھے۔ (مسلم)  
یہ اس لیے کہ کہیں نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز کو دیر نہ ہو جائے۔

مدینہ میں آمد:

**سلسلہ:**..... پھر جب مدینہ طیبہ پر نظر پڑی تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ کلمات پڑھے۔  
”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آتِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللَّهُ وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ.“

”اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدے کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور اکیلے سر دشمنوں کی تمام جماعتوں کو

شکست دی۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ جنگ سے یا عمرہ سے لوٹتے وقت اس طرح کہتے تھے۔ (بخاری، مسلم) آپ دن کے ٹائم معرس ① کے راستہ مدینہ میں داخل ہوئے اور شجر ② کے راستہ سے نکلے تھے اور آپ کا یہ قانون تھا کہ سفر سے دن کو نضحیٰ کے وقت یا شام کے وقت گھر کی طرف لوٹتے تھے۔ (بخاری، مسلم) سفر اگر لمبا ہو تو رات کے وقت گھر آنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مسلم) اور چھوٹے سفر کے وقت اول رات گھر میں آنے کی اجازت دی ہے۔ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ اگر رات کے وقت آؤ تو اسی وقت گھر میں مت داخل ہو جب تک تمہاری بیویاں صفائی وغیرہ نہ کر لیں۔ اور آپ ﷺ جب مدینہ کے قریب آتے تو حب الوطنی کی وجہ سے سواری کو تیز بھگاتے۔ (بخاری) واپس آتے وقت مدینہ منورہ سے باہر جتنے بھی بچے گھر سے دوڑ کر آتے تھے ان کو اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو آگے اور سیدہ فاطمہؓ کے ایک بیٹے کو پیچھے بٹھایا۔ (مسلم) آپ نے سفر سے واپس آ کر سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعتیں نفل تحیۃ المسجد پڑھی یہ حکم آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کو بھی فرمایا تھا۔ (بخاری) آپ نے مدینہ میں سفر سے واپسی پر اونٹ یا گائے ذبح کی۔ (بخاری) آپ نے عورتوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ گھروں میں رہیں۔ (مسند احمد، ابویعلیٰ موصلی) آپ نے حج کرنے والے کو مبارکباد بھی دی ہے چنانچہ آپ نے عروہ بن مضرس طائی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ③ افرح روئک یا عروہ (بزار وغیرہ)

اور فرمایا کہ تمہیں حج کر کے واپس لوٹنے والا ملے تو اس پر سلام کے ساتھ مصافحہ کرو اس کو کہو کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے تیرے لیے دعائے مغفرت کرے۔ (احمد) آپ نے حج و عمرہ کرنے والے اور نمازی کو اللہ تعالیٰ کا وفد قرار دیا ہے۔ (نسائی) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو گے تو بخشے جاؤ گے اور فرمایا کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ (بخاری، مسلم) آپ نے مدینہ منورہ میں واپس آنے کے بعد ذوالحجہ کے باقی دن محرم کا مہینہ اور صفر کے ۲۸ دن وہیں پر رہے جب دو تاریخیں باقی رہ گئی تو آپ بدھ کے دن سیدہ میمونہؓ کے گھر پر بیمار ہوئے اور پیر کے دن ۱۲ تاریخ شام کے وقت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں وفات فرما کر ملا الاعلیٰ سے جا کر ملے بقول امام طبرئی کے مکة المکرمہ سے نکلنے سے لے کر فوت ہونے تک انداز ۸۰ راتیں بنتی ہیں ”صَلْوَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ مَا دَامَتِ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِي“

① یعنی پچھلی رات پڑاؤ ڈالنے کی جگہ۔ تعریس سے لی ہوئی ہے۔

② جس کی معنی ہے درخت، یہ وہ درخت ہے جہاں پر آپ ﷺ اترے اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بچے کو جنم دیا جیسے اوپر گذرا۔

③ نہایت میں ہے کہ افرح روعك اذا ذهب عنه الحزن۔

وَالسَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ “ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کے طریقہ کے مطابق حج اور عمرہ کی توفیق عطا فرمائے۔ بلکہ ہر کام میں انکی پیروی اور اتباع نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

تمتہ

### ”مدینہ المنورہ کی فضیلت“

مدینہ منورہ کی بڑی فضیلت ہے یہاں پر کچھ حدیثیں ❶ ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)..... امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن اور یہ صحیفہ لکھا جس میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ دو پہاڑوں کے بیچ ”عمیر“ سے ”ثور“ تک حرم ہے پھر جس نے اس میں بدعت یا کوئی خراب کام کیا یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس سے کوئی فدیہ یا عوض نہیں لیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم)

(۲)..... سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مدینہ منورہ کو دو پتھریلی زمینوں کے بیچ حرام قرار دیتا ہوں جس کی حدود میں نہ درخت کاٹا جائے گا نہ ہی شکار کیا جائے گا۔ اگر یہ جانیں کہ ان کے لیے مدینہ میں رہنا بہتر ہے۔ اور جو بھی منہ موڑ کر اس کو چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس سے بھی بہتر آدمی کو لائے گا اور جو اس کی مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے تو میں اس کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں۔ (مسلم)

(۳)..... ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا اور میں مدینہ منورہ کو دو پہاڑیوں کے بیچ حرام قرار دیتا ہوں۔ اس میں نہ خون بہایا جائے گا اور نہ ہی لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے گا اور نہ ہی درخت کاٹا جائے گا مگر گھاس اور چارے کی اجازت ہے۔ (مسلم)

(۴)..... ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا پھر میں نے آپ ﷺ کو خبر دی آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو مکہ جیسا یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا۔ اور ان کو صحت نصیب کر اور اس کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما اور وہاں کی بیماری کو جھکے کی طرف بھیج دے (بخاری، مسلم)

(۵)..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسے گاؤں میں رہنے کا حکم ہوا ہے جو تمام گاؤں پر غالب آنے والا ہے لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے جو لوگوں کو کفر سے

ایسے صاف کرتا ہے جس طرح بٹھی لوہے کو صاف کرتی ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۶)..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں

فرشتے کھڑے ہیں تاکہ اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہو سکیں۔ (بخاری، مسلم)

(۷)..... جابر بن سمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ اللہ

تعالیٰ نے مدینہ کو طابہ (پاک اور اچھا) کر کے پکارا ہے۔ (مسلم)

(۸)..... سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مدینہ والوں کے لیے بری

تجویز سوچے گا وہ ایسے پگھل کر ختم ہو جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۹)..... انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس آئے اور جب مدینہ طیبہ

پر نظر پڑتی تو اس کی محبت کی وجہ سے سواری کو تیز بھگاتے۔ (بخاری)

(۱۰)..... ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں دجال کا خوف اور رعب

داخل نہیں ہوگا اس دن اس پر سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے کھڑے ہوں گے۔

(بخاری)

(۱۱)..... انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا مانگی کہ اے اللہ! مدینہ منورہ میں مکہ

سے دگنی برکت عطا فرما۔ (بخاری، مسلم)

### مسجد نبوی کی فضیلت:

(۱)..... بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ کے

علاوہ باقی مساجد میں پڑھی ہوئی ہزار نمازوں سے میری مسجد (نبوی) میں ایک نماز پڑھنا بہتر ہے۔<sup>①</sup>

(۲)..... مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، مسلم، ترمذی، نسائی ابو یعلیٰ، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم

، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوالشیخ، حاکم، ابن مردویہ اور دلائل النبوة للبیہقی میں ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ

آدمیوں نے اس مسجد کے بارے میں اختلاف کیا جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ اور

پرہیزگاری پر رکھی ہوئی ہے۔ ”توبہ ع ۱۳ پ ۱۱“۔ ایک نے کہا یہ مسجد نبوی ہے، دوسرے نے کہا کہ مسجد قبا

ہے پھر انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ ﷺ یعنی مسجد نبوی ہے۔ مسجد

نبوی میں بھی کتنی ہی بھلائیاں ہیں۔<sup>②</sup>

① صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، رقم الحدیث: ۱۱۹۰.

② صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان المسجد الذی اسس علی التقوی، رقم الحدیث: ۵۱۴.

مدینہ منورہ کی طرف مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے جانا:

(۱)..... بخاری، مسلم میں ابوسعیدؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے علاوہ دوسری طرف زیارت کے لیے سفر نہیں کیا جائے گا۔ ❶ مسجد حرام یعنی بیت اللہ ❷ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ❸ میری مسجد مسجد نبوی ❹ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بصرہ بن ابی بصرہ کے ساتھ ملا پوچھنے لگے کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا جبل طور سے آرہا ہوں تب وہ مجھے کہنے لگے اگر وہاں جانے سے قبل مجھ سے ملاقات ہوتی تو وہاں نہ جاتے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سوار یوں کو بھگا کر تین جگہوں کے علاوہ دوسری جگہ پر زیارت کے لیے سفر نہیں کیا جائے گا۔ ❶..... مسجد حرام (کعبۃ اللہ) ❷..... میری مسجد (نبوی) ❸..... ایلیا (بیت المقدس) (۴)

ناظرین:..... ان احادیث سے تعلیم ملی کہ قبروں، مزاروں اور آستانوں کی زیارت کی خاطر قصد اور سفر کر کے جانا جائز نہیں ہے۔ وہ صرف ان تین جگہوں تک محدود و مخصوص ہے۔ لیکن علم کی خاطر سفر کرنا۔ نیک بندوں اور دینداروں کی زیارت کے لیے جانے کی احادیث میں ترغیب موجود ہے اس لیے یہ دونوں زیارتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب:

الف:..... مسلم میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے مسجد میں داخل ہونے والا یہ دعا پڑھے ❶ ”اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ“..... اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور نکلتے وقت یہ دعا پڑھے۔ ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ“ اے اللہ! تجھ سے ہی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔

ابن ماجہ ص ۵۶ اور ترمذی ص ۴۲، ج ۱ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ”بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ.“

اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہونا شروع کرتا ہوں اور سلام ہوں اللہ کے رسول ﷺ پر اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب نکلتے تھے تو یہ دعا

❶ مشکوٰۃ ص ۶۸۔

❷ درمنثور صفحہ ۲۷۷ جلد ۳۔

❸ مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۔

❹ مؤطا مالک صفحہ ۳۸، نسائی صفحہ ۱۴۵، ج ۱۔

❺ مشکوٰۃ صفحہ ۶۸۔

پڑھتے تھے۔

”بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ.“

”اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں اور سلام ہوں اللہ کے رسول ﷺ پر۔ اے اللہ میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“

(ب)..... نکلتے وقت دروازے کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے ❶ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اِبْلِيسَ وَجُنُوْدِهٖ۔ “ اے اللہ! میں آپ سے ابلیس اور اس کے لشکر سے پناہ مانگتا ہوں۔

(ج)..... بخاری، مسلم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھنے سے قبل دو رکعتیں پڑھے ❷ اس لیے زیارت کی خاطر مسجد نبوی میں داخل ہونے والے کو سب سے پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔

بہشتی باغ:

((عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ .)) (متفق علیہ)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے بیچ کی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔“

**تشریح:**..... اس حدیث سے مسجد نبوی کے اس خاص حصہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اس لیے جتنا وقت ملے اس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر تلاوت کلام اور نفلی عبادت کرے، لیکن اکثر وہاں رش ہوتا ہے اس لیے لوگوں کو تنگ کر کے، پھلانگ کے، اپنے آپ کو تکلیف دے کر یاد ہلکے کھا کر وہاں پہنچنا صحیح نہیں ہے اس طرح کرنے سے ثواب کے بجائے گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے پوری کی پوری مسجد تلاوت اور عبادت کے لیے بہتر ہے۔ اس حدیث سے دو خلفاء سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بہت بڑی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ وہ ایسی جگہ پر مدفون ہیں جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے بہشت کا باغ کہا ہے۔ یہ حدیث شیعوں کی مشہور اور معتبر کتاب ”الفروع من الکافی“ ❸ جن کے مصنف ان کے ثقہ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی ہیں اور حدیث بروایت امام جعفر صادق مروی ہے۔ اس لیے شیعہ حضرات کو بھی ان کے ایمان، تقویٰ اور

❶ ابن سنی صفحہ ۴۳۔

❷ مشکوٰۃ صفحہ ۶۸۔

❸ صفحہ ۵۵-۴۵۴۔ جلد نمبر ۴۔ طبع تھران۔

ولایت کے بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کے حق میں کم و بیش کہنا چاہیے۔ کیوں کہ ان کا ایمان اور اعلیٰ رتبہ ایسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو سنی خواہ شیعہ دونوں کی متفق علیہ ہے۔  
مسجد نبوی میں چالیس نمازیں:

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری مسجد میں مسلسل چالیس نمازیں پڑھیں اور بیچ میں کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ، عذاب اور نفاق سے برأت لکھی جائے گی۔<sup>①</sup>

ناظرین! یہ ایک فضیلت اور بھلائی ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے۔ مگر ایسا کرنا نہ فرض ہے اور نہ ہی حج کے احکام میں سے ہے۔ بعض لوگ اس کے فوت ہونے پر حسرت یا حج میں شک کرتے ہیں یہ محض جہالت ہے۔ بعض اوقات سفر کا وقت قریب آجاتا ہے اور آدمی چالیس نمازیں پوری نہیں کر سکتا تو اس پر اسے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے حج اور زیارت میں کوئی فرق نہیں آتا اگر بغیر کسی تکلیف کے موقع ملے تو یہ بھلائی حاصل کرنی چاہیے۔

### قبر مبارک کی طرف جانا:

تختیہ المسجد ادا کرنے کے بعد قبر نبوی مبارک کی طرف زیارت کے لیے جائے اور سلام کہے جس طرح قبرستان میں داخل ہوتے وقت سلام کہنے کا حکم ہے۔ اس کے متعلق دو حدیثیں<sup>②</sup> پیش کی جاتی ہیں۔  
(۱)..... مسلم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبرستان کی طرف جاتے وقت یہ دعا سکھائی تھی۔

”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَكُمْ لَلْأَحْقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ.“

”سلامتی ہو ان گھروں والے مومنوں اور مسلمانوں پر اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ضرور ملنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کی دعا مانگتے ہیں۔“

(۲)..... ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قبرستان کے پاس سے گذرے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا یعنی دعا مانگی۔

”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفْنَا وَنَحْنُ بِالْآثَرِ.“

”سلامتی ہو تم پر اے قبروں والے! اللہ ہمیں اور تم کو بخشے، تم ہم سے پہلے جانے والے ہو اور ہم

① احمد والطبرانی فی الاوسط ورجاله ثقات کما فی مجمع الزوائد صفحہ ۸ جلد ۴

② مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴۔ (۳) وقال هذا حدیث غریب .



تمہارے پیچھے۔ ان دونوں سلاموں میں سے جو بھی پڑھے کافی ہے اور اگر دونوں پڑھے تو بھی صحیح ہے۔“

فصل:..... بار بار قبر مبارک پر آنا مسنون نہیں ہے بلکہ پوری مسجد میں جہاں درود و سلام زیادہ سے زیادہ پڑھتا رہے اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ میری قبر کو عید (بار بار آنے کی چیز) مت بناؤ، اور مجھ پر صلوٰۃ پڑھتے رہو کیونکہ تمہاری صلوٰۃ مجھ پر پہنچتی ہے پھر چاہے تم کہاں بھی ہو ❶ علی بن حسین زین العابدین سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو دیکھا جو نبی ﷺ کی قبر مبارک میں ایک کھڑکی سے داخل ہو کر دعا مانگتا تھا پھر اس کو منع کی اور کہا کہ میں تجھے حدیث نہ بتاؤں جو میں اپنے والد سے اور انہوں نے میرے دادا (یعنی علی رضی اللہ عنہ) سے سنی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری قبر کو عید مت بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ اور مجھ پر صلوٰۃ پڑھتے رہو کیونکہ تم جہاں پر بھی ہو تمہارا سلام مجھ پر پہنچایا جاتا ہے۔ ❷

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ بار بار قبر مبارک پر آنا اور سلام و دعا پڑھنا مسنون طریقے کے خلاف ہے اس کے متعلق سنن سعید بن منصور میں حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے اس کے آخر میں ہے۔ ”مَا أَنْتُمْ وَمَنْ بِالْأَنْدَلُسِ إِلَّا سَوَاءٌ“ یعنی بار بار آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور تو یہاں پر درود پڑھے یا مغرب کے شہر اندلس میں پڑھے۔ دونوں برابر ہیں ❸ ایک مرتبہ جانا کافی ہے۔ باقی عورتوں کو تو قبر مبارک پر ہرگز نہیں جانا چاہیے کیوں کہ عورت کے قبر پر جانے کے بارے میں نبی ﷺ نے تنبیہ اور لعنت فرمائی ہے۔ ❹

### مسجد قبا کی فضیلت:

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر ہفتہ کے دن کبھی پیدل کبھی سواری پر مسجد قبا کی طرف آتے تھے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۸) اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وہاں مساجد کی زیارت کرنے کی کوئی منع نہیں ہے۔ اسی طرح احد پہاڑ کی بھی زیارت کر سکتا ہے جس کے لیے بخاری میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۰)

❶ رواہ ابو دائود باسناد حسن، رواہ ثقات کذا فی کتاب التوحید للشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۵۶-۵۷۔ مع شرح فتح المجید۔

❷ رواہ فی المختارۃ کما فی کتاب التوحید صفحہ ۲۵۹ تا ۲۶۱۔

❸ فتح المجید۔ صفحہ ۲۵۸- (۴) مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۶ (ترمذی)

اسی طرح شہداء احد اور بقیع الغرقہ کے قبرستانوں کی زیارت کرنا اور وہاں عبرت لینا اور ان کے حق میں دعا مانگنا جائز ہے۔ مگر باہر سے خصوصی قصد کر کے اور سفر کر کے آنا جائز نہیں ہے۔

الغرض وہاں پر جتنا بھی ٹائم ملے عبادت نیکی، تلاوت اور صلوة میں گزارے اور کچھ لوگ وہاں سے روضہ کی دیوار کے گرے ہوئے ٹکڑے لے کر آتے ہیں اور مٹی کے بنے وہ ٹکڑے جن پر مہر لگی ہوئی ہے جن کو وہ خاک شفا کہتے ہیں۔ یہ سارے کام ناجائز اور شرکیہ کاموں میں داخل ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

**فائدہ:**..... حج کے تفصیلی احکام ہم نے اپنی تفسیر بنام بدیع التفسیر میں بھی ذکر کیے ہیں۔ خصوصاً البقرہ رکوع ”۱۵-۲۳“ اور ”۲۵“ کی تفسیر دیکھی جاسکتی ہے۔

نقله فی اللغة الاردیه

منیر احمد جونیجو

(جامعہ بحر العلوم السلفیہ)

بتاریخ..... ۲۰۱۱/۱۱/۲۹۔ بوقت/۱۰:۲۵ شب



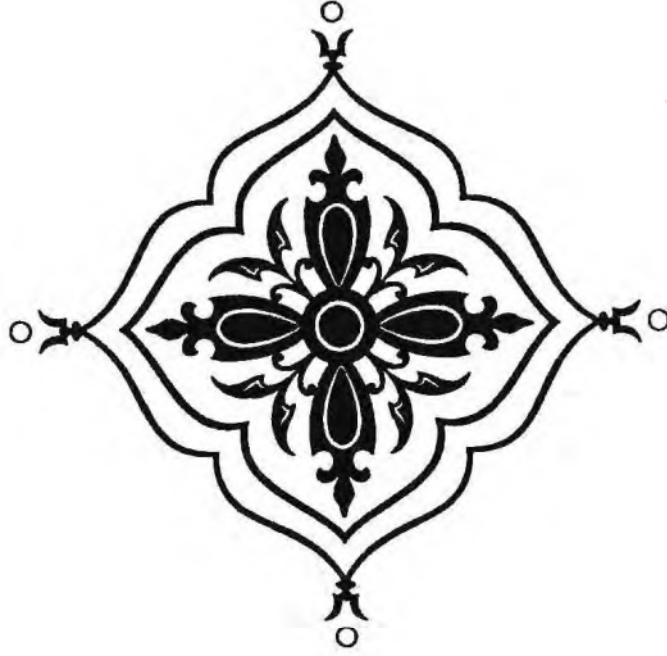


## چالیس احادیث کا مجموعہ

سلف محدثین عظام کا وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے گلدستہ حدیث کو ”اربعین“ کے نام سے موسوم کیا ہے بعض نے ایک موضوع پر اور بعض نے مختلف موضوعات احادیث نبویہ کو یکجا کرنے کی کوشش کی تھی تو سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے بھی اسی انداز میں سندھی زبان میں ایک احادیث کا مجموعہ جمع کیا تھا جس کو اردو میں ہمارے محترم اُستاد شیخ عبدالجبار رحمہ اللہ کے لائق و فائق فرزند ارجمند شیخ عبدالحمید گوندل صاحب نے اردو قالب میں بڑے ہی نفیس انداز میں ڈھالا ہے اللہ تعالیٰ تمام کی جھود قبول و منظور فرمائیں۔ آمین

(الازہری)





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ارکان اسلام

حدیث نمبر ۱:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِنِي الْإِسْلَامِ عَلَى خَمْسِ شَهَادَةٍ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَقَامِ الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَالْحَجَّ وَصُومِ رَمَضَانَ. (متفق عليه . مشكوة كتاب الايمان ج ۱ ص ۱۲)

”سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرا یہ کہ نماز قائم کرنا تیسرا زکوٰۃ ادا کرنا چوتھا حج کرنا اور پانچواں رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔“

## جنت میں داخل کرنے والے اعمال

حدیث نمبر ۲:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ دَلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمَلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتَقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ فَلَمَّا وَلِيَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَيَّ هَذَا. (متفق عليه، مشكوة كتاب الايمان ج ۱ ص ۱۲)

(متفق عليه، مشكوة كتاب الايمان ج ۱ ص ۱۲)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا فرض نماز ادا کرنا، فرض زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا تو اس نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس میں ذرہ بھر زیادتی اور کمی نہیں کروں گا جب وہ واپس ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔“

## اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق

حدیث نمبر ۳:

((عَنْ مَعَاذِ بْنِ النَّبِيِّ قَالَ كُنْتُ رَدَفَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا مَوْخِرَةٌ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذُ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ؟ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ لِلَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يَعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ؟ قَالَ لَا تُبَشِّرُهُمْ فَيَتَكَلَّمُوا.))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴-۱۳ کتاب الایمان)

”سیدنا معاذ بن النبیؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا میرے اور نبی ﷺ کے درمیان اونٹ کے پالان کی لکڑی کے علاوہ کوئی چیز نہیں تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ سنا دوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا انہیں خوشخبری نہ دو کیونکہ وہ اس پر توکل کر لیں گے۔ یعنی اعمال میں کوتاہی کریں گے۔“

حدیث نمبر ۴:

### ۱..... گناہوں کا کفارہ

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ بَايَعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تُسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ

فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقِبَهُ فَبَايَعَنَاهُ عَلَى ذَلِكَ . ))

( متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۳ )

” سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ ان باتوں پر بیعت کرو۔ (۱)..... اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے۔ (۲)..... اور نہ چوری کرو گے (۳)..... اور نہ زنا کرو گے۔ (۴)..... اور نہ کسی کو ناحق قتل کرو گے۔ (۵)..... اور نہ ہی کسی پر جھوٹا بہتان باندھو گے (۶)..... اور نہ ہی اچھائی کے کاموں میں نافرمانی کرو گے۔ تو جس شخص نے اس عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور جس نے ان میں سے کسی میں نافرمانی کی اور دنیا میں اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ سزا اس کا کفارہ بن جائے گی اور اگر کسی نے ان میں سے کوئی جرم کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر چاہے تو اسے بخش دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے تو پھر ہم نے ان تمام باتوں پر اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی۔“

## ۲..... گناہوں کا کفارہ

حدیث نمبر ۵:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانَ إِلَى رَمَضَانَ مُكْفِرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنِبَتْ الْكَبَائِرُ . )) (رواه مسلم . كتاب الصلوة مشكوة ص ۵۷)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پنج وقتہ نماز اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان میں کئے گئے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک بڑے (کبیرہ گناہ) سے اجتناب کرتے رہو گے۔“

## پنج وقتہ نماز کی اہمیت

حدیث نمبر ۶:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالُوا لَا يَبْقَى

مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ قَالَ فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ  
الْخَطَايَا . )) (متفق عليه مسکوہ کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۷)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بتائیے کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ اس میں دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا میل کچیل میں سے کچھ اس کے (جسم پر) رہے گی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“

## اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل

حدیث نمبر ۷:

((عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَيَّ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ الصَّلَاةُ لَوْ قَتَلْتَهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوْ اسْتَزِدَّتُهُ لَزَادَنِي . ))

(متفق عليه مشکوہ ص ۵۸ کتاب الصلوة)

”سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ تمام اعمال میں سے سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے ہاں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اپنے مقررہ وقت پر ادا کرنا میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے آپ ﷺ نے فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتائیں اور اگر میں زیادہ پوچھتا تو آپ ﷺ زیادہ بتاتے۔“

## مسلمان کے مسلمان پر حقوق

حدیث نمبر ۸:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ قِيلَ مَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِذَا لَقَيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَاجِبْهُ وَإِذَا سَتَنَصَحَكَ فَانصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدَّهُ



وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبَعَهُ . ))

(رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب عبادۃ المریض و ثواب المرض ص ۱۳۳)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم اس سے ملو اس وقت اس کو سلام کرو اگر وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو اور اگر وہ تجھ سے خیر خواہی کا مشورہ طلب کرے تو تم اس کی خیر خواہی کرو اور جب وہ چھینک مارے اور الحمد للہ کہے تو تم اس کو یرحمک اللہ کے ساتھ جواب دو اور جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو اور جب مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔“

## ۱..... زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی سزا

حدیث نمبر ۹:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَوَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ رَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي شِدْقِيهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالِكٌ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَاوَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ الْآيَةَ . )) (آل عمران : ۱۸۰)

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۱۵۵ کتاب الزکاۃ)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو وہ مال قیامت کے دن گنجه سانپ کی شکل میں آئے گا اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ اس کی گردن کا طوق بنے گا اور پھر اس کے دونوں جبروں کو پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تمہارا مال اور تمہارا خزانہ ہوں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترجمہ: نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو فضل (مال) اللہ نے انہیں عطا کیا ہے کہ وہ بخل ان کے لیے اچھا ہے بلکہ وہ بخل ان کے لیے برا ہے اور جس چیز میں بخل کیا ہوگا وہ قیامت کے دن (ان کی گردنوں میں) طوق بنا کر پہنادی جائے گی۔“

## ۲..... زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا

((عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّي حَقَّهَا إِلَّا أَتَى بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمُ مَا يَكُونُ وَأَسْمَنُهُ تَطَاهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطِطِحُهُ بِقُرُونِهَا كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولُهَا حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ .)) (متفق عليه مشكوة ص ۱۵۶-۱۵۵ كتاب الزكوة)

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں اور وہ ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرتا تو ان (جانوروں) کو قیامت کے دن موٹا تازہ کر کے لایا جائے گا اور پھر اس شخص کو (وہ مال) اپنے کھروں کے ساتھ روندے گا اور جب آخری جانور گزر جائے گا تو دوبارہ پہلا آنا شروع ہو جائے گا جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔“

## سخی کی فضیلت اور بخیل کی مذمت

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا اللَّهُمَّ اعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا وَيَقُولُ الْآخَرُ اللَّهُمَّ اعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا .))

(متفق عليه مشكوة ص ۱۶۴ ج ۱ باب الانفاق وكراهية الامساك)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر صبح کو بندوں کے پاس دو فرشتے اترتے ہیں ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! تیرے راستے میں خرچ کرنے والوں کو (بدلہ) عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کے مال کو تباہ و برباد کر دے۔“

## ظلم اور بخل کی سزا

((عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَىٰ أَنْ  
سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ . ))

(رواہ مسلم مشکوٰۃ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک ج ۱ ص ۱۶۴)

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو ظلم سے بچاؤ کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر نظر آئے گا اور بخیلی سے بچو کیونکہ تم سے پہلوں کو بخیلی نے ہلاک کیا کہ انہیں خونریزی اور حرام کے کاموں میں کود پڑنے پر مجبور کیا۔“

## صدقے کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۳:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَرْبِّهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يَرْبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوهُ حَتَّىٰ تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ . ))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۷ باب فضل الصدقة)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر خیرات کی ازر اللہ تعالیٰ پاک کمائی کے بغیر قبول نہیں فرماتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں گھماتا ہے پھر اس (صدقے) کو ایسے پالتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے پچھڑے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ) ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔“

## قرآن کے متعلم اور معلم کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۴:

((عَنْ عُمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ . ))

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۳ کتاب فضائل القرآن)

”سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سب میں سے وہ شخص بہترین ہے جو خود قرآن سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔“

## دعا کی قبولیت کی شرائط

حدیث نمبر ۱۵:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِسْمِ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمِ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِسْتِعْجَالُ؟ قَالَ يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرِ يُسْتَجَابْ لِي فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدْعُ الدُّعَاءَ .)) (رواه مسلم مشكوة ج ۱ ص ۱۹۴ كتاب الدعوات)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کے بارے میں دعا نہیں کرتا اور جب تک وہ عجلت (جلد بازی) سے کام نہیں لیتا پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ عجلت سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کہے گا کہ میں نے بہت دعائیں مانگیں مگر قبول نہیں ہوئیں پھر وہ ناامید ہو کر دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے۔“

## رمضان کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۶:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فَتُحَتُّ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ فَتُحَتُّ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلِسِلَتِ الشَّيَاطِينُ وَفِي رِوَايَةٍ فَتُحَتُّ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ .))

(متفق علیہ مشكوة ج ۱ ص ۱۷۳ كتاب الصوم)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔“

## روزہ، قیام اللیل اور لیلۃ القدر کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۷۳:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.)) (متفق عليه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۳ کتاب الصوم)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے ایمان اور ثواب کی امید کیساتھ رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس شخص نے ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ لیلۃ القدر کا قیام کیا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

## روزہ دار کی فضیلت اور روزے کے آداب

حدیث نمبر ۱۷۴:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ ضِعْفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ يَدْعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِ لِلصَّائِمِ فَرَحَتَانِ فَرَحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرَحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلِخُلُوفٍ فَمِ الصَّائِمِ أَطِيبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَالصَّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي مَرءٌ صَائِمٌ.))

(متفق عليه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۳ کتاب الصوم)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدم کی اولاد کا ہر عمل بڑھا کر دُگنا کر دیا جاتا ہے ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مگر روزہ صرف میرے لیے ہے اس کا بدلہ بھی میں خود اس کو دوں گا میرے لیے وہ اپنی خواہش اور کھانا چھوڑ دیتا ہے روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک روزہ افطار کرتے

وقت اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت، روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک و عنبر کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ (گناہوں کے لیے) ڈھال ہے جس دن تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ اس وقت بیہودہ گوئی اور شور شرابہ نہ کرے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا جھگڑا کرے تو اسے کہے میں روزہ سے ہوں۔“

## حج کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۹:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ .)) (متفق عليه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۱ کتاب المناسک)  
 ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی رضا کی خاطر حج کیا اور پھر بیہودہ گوئی نہیں کی اور نہ ہی نافرمانی کا کوئی کام کیا تو وہ ایسے واپس آئے گا جیسے اسی دن اسے اس کی ماں نے جنا ہو۔“

## رمضان میں عمرے کی فضیلت

حدیث نمبر ۲۰:

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ عُمْرَةَ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً .)) (متفق عليه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۱ کتاب المناسک)  
 ”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔“

## یوم عرفہ کی فضیلت

حدیث نمبر ۲۱:

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يَعْتِقَ اللَّهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُو أُمَّمِ يَبَاهِي بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هَوْلًا .)) (رواه مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۸ باب الوقوف بعرفة)  
 ”سیدہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا

کوئی دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفات کے دن سے بڑھ کر لوگوں کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہو اور بے شک اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں میں ان (روزے داروں پر) فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہوں نے کیا ارادہ کیا ہے۔“

## محنت کی عظمت

حدیث نمبر ۲۲۶

((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنَّ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدِيهِ .))

(رواہ البخاری مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال ج ۱ ص ۲۴۱)

”سیدنا مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی نے بھی کبھی اس سے بڑھ کر اچھا کھانا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھ کی کمائی سے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے کھاتے تھے۔“

## ۱..... حلال رزق کھانے کی فضیلت

حدیث نمبر ۲۲۷

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا الرَّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنَ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ .))

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۱ باب الکسب وطلب الحلال)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کے علاوہ کوئی دوسری چیز قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے رسولوں کو دیا تھا چنانچہ فرمایا کہ ”اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں

سے کھاؤ جو ہم نے آپ کو دی ہیں“ (البقرہ) پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کرتا ہے پراگندہ حالت میں ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے (کہتا ہے) اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام کا اور پینا حرام کا اور لباس حرام کا ہے اور اس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے تو پھر ایسے شخص کی دعا کہاں قبول ہوگی۔“

حدیث نمبر ۴۳

## ۲..... حلال رزق کمانے کی فضیلت

((عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنٌ وَبَيْنَهُمَا مَتَشَابِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرَعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ آلا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمَى آلا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ آلا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ آلا وَهِيَ الْقَلْبُ .))

(متفق علیہ مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال ج ۱ ص ۲۴۱)

”سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر اور ان دونوں کے درمیان کچھ شبہ والی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پھر جو شخص شبہ والی چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں داخل ہو گیا اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے ارد گرد (مولشی) چرا رہا ہے قریب ہے کہ اس میں اندر داخل ہو جائے خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ حرام کردہ چیزیں ہیں خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہوگا تو سارا جسم صحیح ہوگا اور اگر وہ خراب ہوگا تو سارا جسم خراب ہو جائے گا خبردار وہ دل ہے۔“

## سود کی مذمت

حدیث نمبر ۴۵

((عَنْ جَابِرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْلَ الرِّبْوِ وَ مُوَكَّلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدِيهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ .)) (رواه مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۴ باب الربو)



”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ اس کے (گناہ میں) برابر ہیں۔“

## کبیرہ گناہ

حدیث نمبر ۱۵۱

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ كَبِيرٌ عِنْدَ اللَّهِ؟ قَالَ إِنْ تَدْعُو لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيُّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَاسْمُكَ خَشِيَةٌ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيُّ قَالَ أَنْ تَزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ فَإَنْزَلَ اللَّهُ تَصْدِيفَهَا وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ إِلَّا يَهُ .))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶ باب الكبائر وعلامات النفاق)

”سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ ساتھ شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس نے کہا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرو وہ تمہارے ساتھ نہ کھائے پھر اس نے پوچھا کہ اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس کی تصدیق اتار دی۔ ترجمہ: اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو نہیں پکارتے اور اس جان کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے قتل کرنا حرام کیا ہے سوائے حق کے اور نہ زنا کرتے ہیں۔“

## سات ہلاک کرنے والے گناہ

حدیث نمبر ۱۵۲

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُؤَبَقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ الشِّرْكَ بِاللَّهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَآكُلُ الرِّبْوِ وَآكُلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلَّى يَوْمَ الزَّحْفِ

وَقَذَفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ . ))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سات بڑے ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو۔ عرض کیا گیا کہ وہ کون سے ہیں؟ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے فرمایا کہ ایک تو یہ کہ (۱)..... اللہ کے ساتھ شریک بنانا۔ (۲)..... کسی جان کو ناحق قتل کرنا۔ (۳)..... جادو کرنا۔ (۴)..... سود کھانا۔ (۵)..... یتیم کا مال کھانا۔ (۶)..... میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔ (۷)..... پاک دامن اور بے خبر مومن عورت پر تہمت لگانا۔“

## منافق کی نشانیاں

حدیث نمبر ۱۸:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَتْ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَ فِيهِ خَصَلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصَلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَّعَهَا إِذَا أُؤْتِمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ . ))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق)

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں چار عادات (نشانیاں) پائی جائیں وہ خالص منافق ہوگا۔ اور کس میں ان میں سے کوئی ایک عادت ہوگی تو وہ نفاق کی علامت ہے۔ جب تک وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اور جب بولے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے۔ اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔“

## ۱..... مقروض اور تنگ دست سے نرمی کرنے والے کی فضیلت

حدیث نمبر ۱۹:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهِ إِذَا آتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ وَعَنْهُ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِيَ اللَّهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ . ))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۱ باب الافلاس والانظار)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیتا تھا اور پھر خادم کو کہتا تھا کہ جب تم کسی تنگ دست کے پاس آؤ تو اس سے درگزر کرنا امید ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ بھی ہم سے درگزر فرمادے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ شخص اللہ سے ملا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمادیا۔“

حدیث نمبر ۲۵:

## ۱..... مقروض اور تنگ دست سے نرمی کرنے والے کی فضیلت

((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَنْجَاهُ اللَّهُ مِنْ كُرْبٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .))

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۱ باب الافلاس والانظار)

”سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اسے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی تکالیف سے نجات دے گا۔“

## شہید کی عظمت

حدیث نمبر ۲۶:

((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَعَمْ فَلَمَّا أَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ إِلَّا الدَّيْنُ كَذَلِكَ قَالَ جِبْرِئِيلُ .)) (رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۵۲ باب الافلاس والانظار)

”سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں صبر کرتے ہوئے اور ثواب کی امید کیساتھ اور میں (میدان جنگ میں) آگے بڑھنے والا ہوں پیچھے ہٹنے والا نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو مٹا دے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جب وہ واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ ہاں سوائے قرض کے اور اسی طرح جبرئیل نے کہا ہے۔“

## کسی کی زمین غصب کرنے والے کی سزا

حدیث نمبر ۶۶:

((عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ .))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۴ باب الغضب والعارية)

”سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ایک بالش کے برابر ناحق کسی سے زمین چھینی تو اسے قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔“

## چور اور ظالم کی سزا

حدیث نمبر ۶۷:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَصَلَّى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانصَرَفَ وَقَدْ أَضَتْ الشَّمْسُ وَقَالَ مَا مِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُونَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلَوَاتِي هَذِهِ لَقَدْ جِئْتُ بِالنَّارِ وَذَلِكَ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ مَخَافَةً أَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْحِهَا وَحَتَّى رَأَيْتُ فِيهَا صَاحِبَ الْمُحْجَنِ يَجْرُ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمُحْجِنِهِ فَإِنْ فُطِنَ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمُحْجِنِي وَإِنْ عُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهِ وَحَتَّى رَأَيْتُ فِيهَا صَاحِبَةَ الْهَرَّةِ الَّتِي رَبَطْتَهَا فَلَمْ تُطْعَمْهَا وَلَمْ تَدْعَهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَنَّةِ وَذَلِكَ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّتْ حَتَّى قُمْتُ فِي مَقَامِي وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَا وَلَ مِنْ ثَمَرَتِهَا لِنَنْظُرُوا إِلَيْهِ ثُمَّ بَدَأَ إِلَيَّ أَنْ لَا أَفْعَلَ .))

(رواه مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵۵ باب الغضب والعارية)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا اس دن جب آپ ﷺ کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو (دورکعت) نماز پڑھائی جس میں چھ رکوع اور چار سجدے کئے گئے پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج

اپنی اصلی حالت میں میں لوٹ چکا تھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے میں نے اسے اس نماز میں دیکھا ہے۔ بے شک جہنم کو لایا گیا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا اس ڈر سے کہ کہیں مجھے اس کا شعلہ (تپش) پہنچے یہاں تک کہ میں نے اس میں چھڑی والے کو بھی دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں آگ میں گھسیٹ رہا ہے اس لیے کہ وہ حاجیوں کے سامان کو لکڑی سے چوری کرتا تھا اور اگر پتا چل جاتا تو وہ کہتا کہ اچانک سامان لکڑی میں اٹک گیا تھا اور پتا نہ چلتا تو وہ اسے لے جاتا۔ اور اس آگ میں میں نے بلی والی عورت کو بھی دیکھا جس نے بلی کو باندھ دیا تھا اور نہ اس کو کھانا دیتی اور نہ اسے چھوڑاتا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھائے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں بھوکی مر گئی۔ پھر جنت کو لایا گیا وہ اس وقت جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھایا اور میں نے ارادہ کیا کہ جنت کے میووں میں سے کچھ لے لوں تاکہ تم اسے دیکھ لو پھر میرے لیے یہ بات ظاہر ہوئی کہ میں ایسے نہ کروں۔“

## دین دار عورت سے نکاح کرنے کی فضیلت

حدیث نمبر ۴۰۰:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ تَنْكَحُ الْمَرْأَةَ لِأَرْبَعٍ لِمَا لَهَا  
وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرِ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ يَدَاكَ .))

(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۶۸ کتاب النکاح)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کی مالداری کی وجہ سے۔ اس کے حسب نسب کی وجہ سے۔ اس کے حسن کی وجہ سے۔ اس کے دین کی وجہ سے۔ تو تم دین دار کو حاصل کرنا تیرے دونوں ہاتھ بابرکت ہوں۔“

## ناحق قتل کی سزا

حدیث نمبر ۴۰۱:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ  
مِّنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصَبْ دَمًا حَرَامًا .))

(رواه البخاری مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب القصاص)

”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن ہمیشہ اپنے دین کی کشادگی یعنی رحمت میں رہتا ہے جب تک وہ حرام خون کو نہیں پہنچتا یعنی ناجائز خون بہانا اور قتل کرنا۔“

## ۱..... شراب کی حرمت اور شرابی کی سزا

حدیث نمبر ۳۶:

((عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَدِمَ الْيَمَنَ فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ شَرَابٍ يَشْرِبُونَهُ بِأَرْضِهِمْ مِنَ الدُّرَّةِ يُقَالُ لَهُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْ مُسْكِرٌ هُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخِبَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَا طِينَةُ الْخِبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عَصَاةُ أَهْلِ النَّارِ.))

(رواه المسلم مشكوة ج ۲ ص ۳۱۷ باب بيان الخمر ووعيد شاربها)

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے آیا اور اس نے نبی ﷺ سے سوال کیا مکئی والی شراب کے بارے میں جو ان کے ملک میں پی جاتی تھی جسے مزر بھی کہا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہ نشہ آور ہے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جو شراب پیتا ہے اسے طینۃ الخبال پلائی جائے گی اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ طینۃ الخبال کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمیوں کا پسینہ ہے یا ان کی پیپ۔“

حدیث نمبر ۳۷:

## ۲..... شراب کی حرمت اور شرابی کی سزا

((عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ أَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهُ دَاءٌ.)) (رواه مسلم مشكوة ج ۲ ص ۳۱۷ باب بيان الخمر ووعيد شاربها)

”سیدنا وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید نے شراب کے بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تو اس نے کہا کہ میں اسے دوا کے

طور پر استعمال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔“

## جھوٹی قسم کی سزا

حدیث نمبر ۶۶:

((عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَاثِلٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتٍ وَرَجُلٌ مِّنْ كِنْدَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ هَذَا غَلَبَنِي عَلَى أَرْضِ لِي وَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ أَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِيِّ أَلَكِ بَيْئَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا يُبَالِي عَلَيَّ مَا حَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ إِلَّا ذَلِكَ فَانْطَلِقْ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَدْبَرَ لَيْنَ حَلَفَ عَلَيَّ مَالِهِ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًا لِيَلْقِيَنَّ اللَّهُ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ .))

(رواه مسلم مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۷ باب الاقضية والشهادات)

”سیدنا علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص حضر موت سے آیا اور ایک شخص کندہ سے آیا تو حضرت شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور کندی نے کہا کہ وہ زمین میری ہے اور اس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے تب رسول اللہ ﷺ نے حضرمی سے فرمایا کہ کیا تیرے پاس گواہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تیرے لیے اس پر قسم ہے یعنی تجھے اس سے قسم لینی ہے۔ (حضرمی) نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ یہ شخص فاسق ہے جس چیز پر قسم اٹھاتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا اور یہ کسی چیز سے بھی احتیاط نہیں کرتا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس قسم کے علاوہ تیرے لیے اور کچھ نہیں ہے پھر وہ کندی شخص قسم اٹھانے کے لیے چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا جب اس نے پیٹھ پھیری اگر اس نے اس کے مال پر اس لیے قسم اٹھائی ہے کہ وہ اس کا مال ناحق کھالے تو وہ ضرور اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھوڑنے والا ہوگا۔“

## مجاہد کی قضیت

حدیث نمبر ۶۷:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ انْتَدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي

سَبِيلِهِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا إِيمَانٌ بِي وَتَصَدِيقٌ بِرُسُلِي أَنْ أَرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرِ  
 أَوْ غَنِيمَةٍ أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ . )) (متفق عليه مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۲۹ کتاب الجهاد)  
 ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے  
 اس شخص کا ذمہ اٹھایا ہے جو اس کی راہ میں نکلا اس کو صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی  
 تصدیق کے علاوہ کسی دوسری چیز نے گھر سے نہیں نکالا میں اسے اس کے حاصل کرنے والے  
 اجر کے ساتھ لوٹاؤں گا یا غنیمت کے ساتھ یا اسے میں جنت میں داخل کروں گا۔“

## حرام جانور اور پرندہ

حدیث نمبر ۱۰:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِّنَ  
 السَّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مَخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ . ))

(رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۵۹ باب يحل اكله وما يحرم)

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر ناخن والے چیر  
 پھاڑ کرنے والے جانور اور پنچے میں پکڑ کر کھانے والے پرندے سے منع فرمایا۔“





## ”مقالات راشدیہ“ اور صاحب مقالات

باب الاسلام سندھ میں آباد راشدی خاندان کے گل سرسبد شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تبحر علمی و تحقیقی، ذوق مطالعہ، وسعت معلومات، کتاب دوستی، دینی علوم میں کامل دسترس، فہم و بصیرت، صلاح و تقویٰ، نیکی، دینداری، حسن اخلاق، منکسر المزاجی، قرآن و سنت سے گہری وابستگی مسلک اہل حدیث سے والہانہ شغف اور علم و عمل کے اعتبار سے منفرد اوصاف و کمالات کے حامل عالم دین تھے۔

موصوف 10 جولائی 1925 کو سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پیدا ہوئے اور 71 سال کی عمر میں انہوں نے 8 جنوری 1996 کو وفات پائی اور اپنے آبائی علاقے میں آسودہ لحد ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب کی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز تو حید و سنت کی شمع کو فروزاں کرنا تھا۔ آپ نے ناگفتہ بہ حالات کے باوجود غیر شرعی رسوم و عوائد کے خلاف آواز حق بلند کی اور تو حید و سنت کا بول بالا کیا۔ اس سلسلے میں انہیں کٹھن حالات اور مصائب سے نبرد آزما ہونا پڑا لیکن وہ لومۃ لائیم کی پروا کئے بغیر ثابت قدمی سے اپنے مشن پر گامزن رہے اور انہوں نے دین کے ہر میدان میں انتھک محنت اور جدوجہد کی اور اس کے بہت اچھے اثرات ظاہر ہوئے۔ خصوصاً انہوں نے قلمی جہاد بڑے جاندار قلم سے کیا اور بڑی گراں قدر تصانیف اور تحریریں صفحہ قرطاس پر مرتب کیں۔

پیش نگاہ مقالات راشدیہ کی جلد پنجم حضرت شاہ صاحب کے انہی گراں قدر مقالات کا دلاویز مجموعہ ہے۔ جسے ہمارے فاضل دوست شیخ الحدیث مولانا افتخار احمد الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خوبصورت پیرائے میں مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ راشدی خاندان کے اہل علم کی علمی نگارشات کو مولانا افتخار احمد صاحب جس شوق اور عزم سے شائع کر رہے ہیں اس سے ان کی علم دوستی اور راشدی خاندان سے گہری محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا افتخار احمد الازہری اور ان کے تدریسی ادارے جامعہ بحر العلوم السلفیہ کے لائق صد احترام اساتذہ اور منتظمین حضرات کو اللہ جزائے خیر دے کہ جو اس عظیم علمی کام کی اشاعت میں دن رات مصروف عمل ہیں۔

محمد رمضان یوسف سلفی

فیصل آباد

## نعمانی مکتب خانہ

042  
37321865 حق سٹوٹ اُردو بازار لاہور

E-Mail: nomania2000@hotmail.com



M 39